طبع جدید اول

الـنحو فی الکلام کالملح فی الطعام

مدرس کامل مولانا شفیق الرحمٰن صاحب کاشمیری
ناظم تعلیمات جامعہ امام ابوحنیفہؒ وسابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی
کی

مرتب
سیف الدین
مفتی واستاد حدیث جامعہ محمدیہ اسلام آباد
سابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ علمیہ
محلہ جنگی پشاور
فون: 091-2580319

اول

النحو فی الکلام کالملح فی الطعام

مدرس کامل مولانا شفیق الرحمٰن صاحب کاشمیری
ناظم تعلیمات جامعہ امام ابوحنیفہؒ وسابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی
کی

تقریر کافیہ

زبان اور بیان کے نئے اسلوب میں

سیف الدین
مفتی واستاد حدیث جامعہ محمدیہ اسلام آباد
سابق استاد جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ علمیہ
محلہ جنگی پشاور
فون: 091-2580319

انتساب

ان **والدین** کے نام جنہوں نے خود سولہ سال
اکلوتے بیٹے سے دوری کے غم جھیلے اور مجھے ہر طرح کی فکر سے
بے غم رکھا۔

اور

مادر علمی **جامعہ فاروقیہ کراچی** کے نام جس
نے سولہ سال تک اپنی محبت بھری گود میں جگہ دی۔

اور

ان **اساتذہ کرام** کے نام جن کی شبانہ روز کوششوں اور
دعاؤں سے بندہ اس قابل ہوا۔

عرض ناشر

یہ بات اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ کافیہ کی حیثیت علم نحو میں ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے اس لئے کہ علم نحو کے تمام ضروری مسائل اس میں موجود ہیں ہندو پاک کے تمام مدارس عربیہ میں اس کی اہمیت کے پیش نظر شامل نصاب ہے ہندو پاک افغانستان اور ایران کا کوئی عالم ایسا نہیں ہے جس نے اس کا سبق درساً حاصل نہ کیا ہو علماء کرام نے ہر دور میں اس کی تشریح وتوضیح کی طرف توجہ دی ہے یہ شرح بھی ان شروحات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے لیکن اس میں بلاوجہ کی غیر متعلق بحثیں نہیں کی گئیں جن سے عام طور پر اردو کی شروحات خالی نہیں اس میں صرف مسائل نحو کو آسان زبان وبیان میں پیش کیا گیا ہے۔

اس میں مبتدی طلباء کی رعایت کا خوب خیال رکھا گیا ہے تاکہ صرف مسائل نحو خوب ذہن نشین ہو جائیں انشاء اللہ یہ کتاب پڑھنے اور استفادہ کرنے والوں کے لئے مختصر مگر ضروری معلومات کی حد تک بہترین مواد فراہم کرے گی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو طلباء کیلئے اور ناشر و مؤلف ومعاونین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

طالب دعا

محمد عباس

مکتبہ علمیہ محلہ جنگی پشاور

پیش لفظ

یہ آج سے تقریباً گیارہ سال پہلے کی بات ہے جب بندہ ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں درجہ ثالثہ کا طالب علم تھا کافیہ کا سبق استاذ محترم اسم با مسمیٰ حضرت مولانا شفیق الرحمٰن صاحب کاشمیری دامت برکاتھم (حال ناظم جامعہ امام ابوحنیفہ) کے پاس تھا۔ حضرت کی تقریر انتہائی سہل اور پر مغز ہوتی تھی۔ پہلے سبق کا اجمالاً خلاصہ اور پھر اسی اجمال سے تفصیل ہوتی تھی (کاپی کے مطالعہ کے دوران ہر ہر صفحہ سے اس کا اندازہ ہوگا انشاء اللہ) فقیر دوران درس ہی حضرت کی تقریر کو اسی انداز میں مختصراً قلمبند کیا کرتا تھا اور بعد میں دوسری کاپی میں نقل کرتا تھا۔

یہ دوسری کاپی میں نقل کرنے کا کام مبنیات تک پہنچ گیا تھا کہ سالانہ امتحان شروع ہونے لگے تو ساتھیوں کا تقاضا ہوا کہ اب تک جو کام ہوا ہے اسی کی فوٹو کاپی کرالی جائے باقی بعد میں مکمل کر لیں ساتھیوں کی رائے ایسی نہیں تھی کہ جسے رد کیا جاتا اور خود بندہ بھی امتحان کی تیاری کی وجہ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا اسلئے اصل کاپی پر لکھنے کا کام موقوف کردیا۔(اب انشاء اللہ عنقریب مبنیات کا حصہ بھی شائع ہونے والا ہے)

عرصے کے بعد جب بندہ کو جامعہ محمدیہ F-6/4 اسلام آباد میں کافیہ پڑھانے کا موقع ملا تو اس کاپی میں ضروری کمی بیشی کے بعد طلباء کے خدمت میں پیش کرنے شرف حاصل کررہا ہوں اس کاپی سے اگر کسی کو فائدہ پہنچے تو وہ میرے استاذ کا صدقہ جاریہ ہے اور اگر غلطی نظر آئے تو وہ میرے سوء فہم کا نتیجہ ہے۔ اول پر دعا اور ثانی پر اصلاح فرمادیں اور یہی اصل علم کی شان ہے اس کاپی کو منظر عام پر لانے کیلئے جن میرے عزیز طلبہ نے تعاون کیا اللہ تعالیٰ انہیں اپنی شان کے مطابق علم و عمل سے نوازے۔ (آمین)

سیف الدین

جامعہ محمدیہ ایف سکس فور اسلام آباد

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات مصنف رحمہ اللہ

نام:۔ عثمان، کنیت ابوعمرو، لقب جمال الدین، مشہوریت ابن حاجب۔نسب نامہ یوں ہے جمال الدین ابوعمرو، عثمان ابن عمر ابی بکر ابن یونس۔

وجہ مشہوریت:۔ عثمان کے والد ''عمر'' خلیفہ'' عزالدین'' الکردی کے دربان تھے اور دربان کو عربی زبان میں حاجب کہتے ہیں اس لئے مصنفؒ ابن حاجب (دربان کے بیٹے) کے نام سے مشہور ہوئے، اور ابن حاجب خود قبیلہ کرد سے تعلق رکھتے تھے۔

ولادت:۔علامہ ابن حاجبؒ مصر کے مضافات میں بستی ''اسنا'' میں ۵۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم:۔ ابتدائی تعلیم قاہرہ میں حاصل کی اور یہیں فقہ مالکیؒ کی تحصیل بھی کی ان کے استادوں میں امام شاطبی (م ۵۹۰) اور ماہر قانون ابومنصور انباری شامل ہیں۔

تدریس:۔ ابن حاجبؒ نے تدریس کا شغل اختیار کیا چنانچہ اس کے لئے قاہرہ سے دمشق گئے جہاں جامع اموی کے زاویہ مالکی میں تعلیم دینے پر مامور ہوئے اور ایک عرصہ تک فقہ مالکی کی تعلیم دیتے رہے۔

مقام:۔ عظیم مؤرخ ابن خلکان فرماتے ہیں کان من احسن خلق اللہ ذھناً اللہ کی مخلوق میں سے ذہین ترین آدمی تھے، علامہ جامیؒ فرماتے ہیں: کہ مشرق و مغرب میں سب سے مشہور ترین عالم تھے۔

وفات:۔ دمشق سے قاہرہ گئے اور قاہرہ سے اسکندریہ کی راہ لی جہاں ۲۶ شوال ۶۴۶ھ میں وفات پائی۔

تصانیف:۔ ابن حاجب رحمہ اللہ نے صرف ونحو، علم عروض اور فقہ مالکی پر تصنیفات کی ہیں

لیکن ان کی شہرت ایک نحوی کی حیثیت سے زیادہ ہے۔ چند تصانیف یہ ہیں (۱) **الکافیه،** نحو کے اہم متون میں سے ہے۔ (۲) **شافیه،** صرف پر متداول رسالہ ہے (۳) **المقصد الجلیل فی علم الخلیل،** علم عروض میں ہے (۴) **القصیدة الموشحة باسمآء المؤنثة،** متعلق بہ مذکر شکل کے مؤنث اسماء۔ (۵) **رسالة فی العشر** (۶) **منتهی الاصول فی علم الاصول و الجدل،** اصول فقہ مالکی کی اہم کتاب ہے۔ (۷) **مختصر ابن حاجب فی فقه المالکی.** حال ہی میں یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

نحو کی ضرورت:۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان چونکہ صرف اہل عرب ہی ہوا کرتے تھے اور عربی چونکہ ان کی مادری زبان تھی اسلئے قرآن کو صحیح طریقہ سے پڑھتے تھے مگر جب اسلام کو ترقی ہوئی اور عجم بھی اسلام میں داخل ہو گئے تو اس وقت چونکہ کلام پاک پر اعراب وغیرہ نہیں لگائے گئے تھے تو بعض اہل عجم نادانی کی وجہ سے قرآن کو غلط پڑھتے تھے یعنی زبر کی جگہ زیر اور پیش وغیرہ پڑھتے تھے، چنانچہ ایک مشہور واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے پاس ایک دیہاتی آیا جو کہ عربی زبان سے ناواقف تھا تو اس نے قرآن کی آیت **ان اللّٰه بریٌٔ من المشرکین ورسولُه** کو "**رسولِه**" یعنی ضمہ کے بجائے کسرہ کے ساتھ پڑھا جس سے ترجمہ بالکل غلط ہوتا ہے پہلی (ضمہ کی) صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ (اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہیں) مگر دوسری (کسرہ کی) صورت میں ترجمہ یہ ہو گیا کہ (اللہ اپنے رسول اور مشرکین سے بری ہیں) پہلی صورت میں رسول کا عطف لفظ اللہ پر ہوتا تھا لیکن دوسری صورت میں اس کا عطف مشرکین پر ہوا جس کی وجہ سے معنٰی بدل گئے۔ تو حضرت علیؓ نے فوراً اپنے شاگرد ابوالاسودؒ (جو کہ مشہور تابعی ہیں) سے فرمایا کہ لکھو، تو انہوں نے فرمایا کہ کیا لکھوں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ لکھو کہ **کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب و کل مضاف الیه مجرور** اور دیگر کچھ قوانین بھی لکھوا دیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نحو کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ لوگ کلام عرب وخصوصاً کلام پاک میں غلطیاں کرنے لگ گئے تھے تو ایسے قواعد کی ضرورت محسوس ہوئی کہ جن کو ملحوظ رکھنے سے غلطی سے بچا جاسکے اور انہی قواعد کا نام ''نحو'' ہے۔

نحو کا واضع:۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نحو کے قاعدے سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وضع کیے اس لئے وہ واضع اول ہیں اور اس کے بعد امام خلیل احمدؒ کے دور میں نحو کی تکمیل ہوگئی۔

نحو کی تعریف:۔ لغت میں نحو کے بہت سے معانی آتے ہیں ان میں سے نو یہ ہیں ارادہ، طرف، قبیلہ، پھیرنا، مقدار، مثل، قسم یعنی نوع، اعراض، حفاظت۔ ان میں سے پہلے سات اس شعر میں بالترتیب جمع ہیں

نحونا نحونحوک یا حبیبی نحونا نحو الف من رقیبی

وجدنا هم جیاعاًنحو قلبی تمنوا منک نحواً من زبیب

اعراض کی مثال قدوری کی عبارت ثم یتنحیٰ عن ذالک المکان حفاظت کی مثال، حضرت علیؓ کا قول ہے نحویوں کے حق میں قیامت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا

یا ملائکتی انحوهم عن النار کما نحوا کلامی عن الخطایا.

نحو کی اصطلاحی تعریف:۔ النحو علم باصول یعرف بها احوال اواخر الکلم الثلاث من حیث الاعراب والبناء و کیفیة الترکیب بعضها مع بعض.

نحو کا موضوع:۔ الکلمة والکلام.

نحو کی غرض وغایت:۔ صیانة الذهن عن الخطاء اللفظی فی کلام العرب من حیث الاعراب.

علم النحو کے موضوع کے متعلق اعتراض:۔

سوال:۔ آپ نے علم النحو کا موضوع کلمہ اور کلام یعنی دو موضوع ذکر کیے ہیں حالانکہ علم ایک ہے، اور تعدد موضوع مستلزم ہوتا ہے تعدد علم کو تو آپ نے ایک علم کے دو موضوع کیوں ذکر کیے؟

جواب:۔ تعدد کی دو قسمیں ہیں، لفظی ومعنوی

تعدد معنوی مستلزم ہوتا ہے تعدد علوم کو۔ لیکن تعدد لفظی تعدد علوم کو مستلزم نہیں ہوتا، تو یہاں پر تعدد لفظی ہے تعدد معنوی نہیں کیونکہ حقیقت میں نحو کا موضوع ہے اللفظ الموضوع للمعنی

اعتراض:۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ موضوع کسی چیز کا وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اور علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام کہہ دیا۔ حالانکہ اس میں مرکبات سے بھی بحث ہوتی ہے پھر مرکبات کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب:۔ مرکبات اور اس کے ساتھ جتنی چیزوں کی بحث ہوتی ہے وہ بالآخر کلمہ ہی کی طرف لوٹتی ہے اس لئے ان کو ذکر نہیں کیا گویا کہ یہی اصل ہے۔

اعتراض:۔ تو پھر کلام کو الگ سے کیوں ذکر کیا؟ کلام بھی تو آخر میں کلمہ ہی کی طرف لوٹتا ہے۔

جواب:۔ کلام کی تمام ابحاث کلمہ کی طرف نہیں لوٹتیں، اس لئے کلام کو الگ ذکر کیا۔

سوال:۔ کلمہ کو کلام پر مقدم کیوں کیا؟ حالانکہ کلام سے فائدہ تامہ حاصل ہوتا ہے اور کلمہ سے نہیں۔

جواب:۔ کلمہ مفرد ہے اور کلام مرکب ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا۔

مصنف پر اعتراض:۔ مصنف کو بسم اللہ کے بعد اللہ کی حمد بیان کرنی چاہیے تھی لیکن مصنفؒ نے بسم اللہ کے بعد حمد کو چھوڑ کر قرآن وحدیث اور اسلاف کے طریقے کی مخالفت کیوں کی؟

جواب:۔ مصنفؒ نے تواضع اور انکساری کی وجہ سے حمد چھوڑ دی ہے۔

اعتراض:۔ حمد کا چھوڑنا تواضع نہیں، بلکہ حمد کا ذکر کرنا یعنی حمد بیان کرنا تواضع ہے۔

جواب:۔ حمد کو ترک کرنے کی دو صورتیں ہیں۔(۱) ترک کرنے کو عبادت سمجھنا یہ ناجائز ہے (۲) حمد کو اس لئے ترک کرنا کہ میرا یہ عمل حقیر ہے، حمد کے لائق نہیں۔ یہ جائز ہے اور مصنفؒ نے جو حمد کو ترک کیا ہے وہ اس لئے کہ میری یہ چھوٹی سی کتاب ہے، یہ کہاں حمد کے لائق ہے دوسرے مصنفین نے جو بڑی کتابیں لکھی ہیں وہ اس کے لائق ہیں کہ ان کے شروع میں حمد لکھی جائے۔

اعتراض:۔ کچھ بھی ہو مگر قرآن کی خلاف ورزی تو پھر بھی ہوگئی، کیونکہ قرآن کی ابتداء میں بسم اللہ کے بعد الحمد ہے۔

جواب:۔ قرآن شریف کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، اس لئے کہ قرآن مجید کی سب سے پہلی آیات **اقرأ باسم ربک الذی** تا **مالم یعلم** ہیں اور یہاں بسم اللہ کے بعد حمد نہیں ہے۔

اعتراض:۔ پھر حدیث پر عمل نہ ہوا، کیونکہ حدیث میں ہے "**کل امر ذی بال لم یبدء بحمد اللہ فھو اقطع**" یعنی جو کام اللہ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے وہ دم بریدہ (دم کٹا) ہوتا ہے۔

جواب:۔ حدیث شریف میں حمد سے شروع کرنے کا ذکر ہے، حمد کے لکھنے کا ذکر نہیں، تو مسلمان کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ مصنفؒ نے کتاب لکھنے سے پہلے حمد پڑھی ہو۔

اعتراض:۔ پھر بسم اللہ کو بھی نہ لکھتے صرف پڑھنا ہی کافی ہوتا،

جواب:۔ بسم اللہ کے لکھنے کا حکم ہے صرف پڑھنا کافی نہیں حدیث شریف میں آیا ہے جس

کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کتاب یا خط لکھے تو بسم اللہ لکھ دے اس وجہ سے بسم اللہ کو لکھ دیا

الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد

الف لام کی قسمیں!

الف لام کی دو قسمیں ہیں۔ اسمی، حرفی

الف لام اسمی:۔ الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور اسم موصول ہوتا ہے۔ جیسے الضارب ، الضاربۃ، المضروب، المضروبۃ.

الف لام حرفی:۔ الف لام حرفی وہ ہوتا ہے جو الف لام اسمی کے علاوہ ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ زائدہ، غیر زائدہ

الف لام زائدہ:۔ الف لام زائدہ وہ ہے جس کو گرا دینے سے کلام کے مقصودی معنی میں کوئی فرق نہ آئے۔ جیسے حضرت علیؓ کا شعر ہے

ولقد امرّ علی اللئیم یسبّنی فمضیت ثمہ و قلت لہ لا یعنینی

ترجمہ:۔ میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گذرا جو مجھے گالیاں دے رہا تھا تو میں وہاں سے گذرا اور (دل میں) کہہ دیا کہ یہ مجھے مراد نہیں لے رہا۔ (یعنی یہ مجھے گالیاں نہیں دے رہا) یہاں اللئیم پر الف لام زائدہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یسبّنی اس کی صفت واقع ہو رہا ہے جو کہ نکرہ ہے، اسلئے کہ یہ جملہ ہے اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، اور اللئیم بھی نکرہ ہے اور اس پر جو الف لام ہے وہ زائدہ ہے کیونکہ اگر الف لام کو زائدہ نہیں مانو گے تو اللئیم معرفہ ہوگا اور یسبّنی نکرہ، تو موصوف صفت میں مطابقت نہیں رہے گی جبکہ موصوف اور صفت میں تعریف اور تنکیر (معرفہ و نکرہ) کے اعتبار سے مطابقت ضروری ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللئیم کا الف لام زائدہ ہے اور یہ نکرہ ہے۔

الف لام زائدہ کی اقسام:۔ الف لام زائدہ کی پھر دو قسمیں ہیں۔لازم وغیر لازم پھران میں سے ہرایک کی دودو قسمیں ہیں۔

لازم عوضی،لازم غیرعوضی،غیرلازم عوضی،غیرلازم غیرعوضی۔

الف لام زائد لازم عوضی:۔ جیسے لفظ اللّٰــــہ۔**الف لام لازم غیرعوضی:۔** جیسے النجم، الثریا۔ **الف لام غیرلازم عوضی:۔** جیسے الناس کاالف لام۔**الف لام غیر لازم غیرعوضی:۔** جیسے فیاالغلامان الذان فرا ایا کماان تکتسباشرا میں الغلامان کاالف لام۔

ترجمہ:۔ اے بھاگنے والے دولڑکوتم اپنے آپ کوشر سے بچاؤ۔

فائدہ:۔ لفظ اللّٰہ اصل میں الالٰہ تھاہمزہ ثانی کوحذف کیااوراس کے عوض میں لام لایا اورلام کولام میں مدغم کردیاتواللّٰہ ہوا۔الناس اصل میں اناسٌ تھا،ہمزہ حذف کرکےاس کے عوض میں الف لام لایاتو الناس ہوا۔

اعتراض:۔ لفظ اللّٰــہ ، یاالناس ، النجم اور فیاالغلامان کےالف لام کوتو آپ نے زائد کہااورالف لام زائد نکرہ ہوتا ہے جب کہ لفظ اللّٰہ بھی معرفہ ہےاور الغلامان بھی، کیونکہ الغلامان کی صفت الذان.....الخ ہےجوکہ معرفہ ہے۔

جواب:۔ لفظ اللّٰــہ علم ہےذات باری تعالیٰ کایہ الف لام کےدخول سے پہلے ہی سے معرفہ ہےلہٰذامعرفہ بننے کیلئے الف لام کامحتاج نہیں۔اور الغلامان بھی یاحرف ندا کی وجہ سے معرفہ ہےالف لام کامحتاج نہیں۔

الف لام غیرزائد کی اقسام:۔

الف لام غیرزائد کی چارقسمیں ہیں: جنسی، استغراقی، عھد ذھنی، عھد خارجی

وجہ حصر: الف لام ماہیت پر دلالت کرے گا یا افراد پر، اگر ماہیت پر دلالت کرے تو جنسی ہے جیسے ,,الرّجل خيرٌ من المرأة ،،اور اگر افراد پر دلالت کرے یا جمع افراد پر دلالت کرے گا یا بعض پر، اگر جمع افراد پر دلالت کرے تو استغراقی ہے جیسے ,,ان الانسان لفی خسر ،،اگر بعض افراد پر دلالت کرے تو وہ بعض خارج میں موجود ہوں گے یا نہیں، موجود ہوں تو عہد خارجی ہے جیسے ,,فعصیٰ فرعون الرّسول،،اگر موجود نہ ہوں تو عہد ذہنی ہے جیسے ,,اخاف ان یأکله الذئب،،

نقشہ

الکلمة
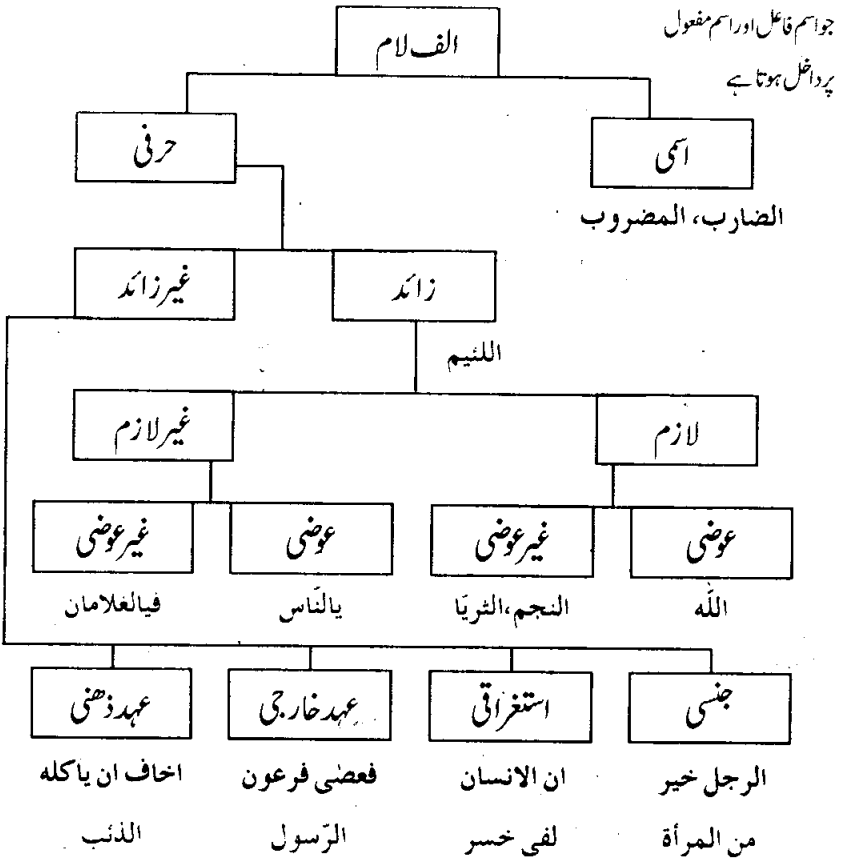
الکلمة کے الف لام کے بارے میں بحث: الکلمة میں الف لام اسمی تو ہو نہیں سکتا، اس لئے کہ الف لام اسمی اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے۔ اور نہ ہی الف لام زائدہ ہوسکتا ہے، کیونکہ یہ الکلمة مبتداء واقع ہے اور مبتداء معرفہ ہوتا ہے، جب کہ الف لام زائد نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اب اگر الف لام غیر زائد ہے تو پھر اس کی کون سی قسم ہے تو سب سے پہلے یہ کہ یہاں پر (۱) الف لام جنسی نہیں ہوسکتا، کیونکہ جنس قلیل اور کثیر سب کو شامل ہوتی ہے، اور یہاں پر ''ۃ'' وحدت کی ہے تو اسی وجہ سے (کہ جنس قلیل اور کثیر دونوں کے لئے آتی ہے اور تائے وحدت صرف واحد کیلئے ہے تو) یہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے، یعنی واحد اور جمع کا جمع ہونا ممتنع ہے، اس لئے یہاں الف لام جنسی نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہوسکتا تھا کہ یہ الف لام استغراقی ہو، تو یہاں الف لام استغراقی بھی نہیں، کیونکہ الف لام استغراقی تو وہ ہوتا ہے جو جمیع افراد کو شامل ہو، اور یہاں ''ۃ'' وحدت کی ہے اس لئے یہاں دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔

(۳) پھر عہد خارجی کا امکان تھا، تو عہد خارجی بھی نہیں، اس لئے کہ اس پر عہد خارجی کی تعریف صادق نہیں آتی، کیونکہ اس کے خارج میں کوئی افراد معلوم نہیں۔

(۴) چوتھا اور آخری احتمال یہ تھا کہ یہاں پر الف لام عہد ذھنی کا ہو، تو یہ بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہاں ذھن میں کوئی افراد موجود نہیں۔ اسی طرح عہد ذھنی ماننے کی صورت میں مبتداء کا نکرہ ہونا لازم آئیگا کیونکہ عہد ذھنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

مسئلہ الف لام کا حل:۔

سوال:۔ جب آپ نے یہ کہہ دیا کہ الکلمة میں الف لام زائد نہیں اور غیر زائد کی اقسام میں سے بھی کوئی نہیں تو آخر الف لام کون سا ہے؟

جواب:۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ جنسی اور عہد خارجی۔

سوال:۔ جنس اور وحدت جمع نہیں ہو سکتے تو پھر آپ یہاں پر الف لام کو جنسی کیسے مانتے ہیں؟

جواب:۔ (۱) یہاں پر ''ۃ'' وحدت کی نہیں بلکہ تانیث کی ہے۔(۲) اگر ''ۃ'' وحدت کی مان لی جائے تب بھی یہ الف لام جنسی ہی ہوگا، کیونکہ وحدت کی چار قسمیں ہیں۔ نمبرا فردی جیسے زید نمبر۲ صنفی جیسے الرجل نمبر۳ نوعی جیسے الانسان نمبر۴ جنسی جیسے الحیوان تو ان میں سے صرف فردی کا جنس کے ساتھ جمع ہونا ممنوع ہے اور یہاں پر ''ۃ'' وحدت فردی کیلئے نہیں ہے۔

سوال:۔ عہد خارجی کس طرح بن سکتا ہے جبکہ اس کے افراد خارج میں موجود نہیں۔

جواب:۔ یہاں پر خارج میں افراد موجود ہیں اور وہ یہ کہ یہاں کلمہ سے مراد وہ کلمہ ہے جو نُحات کے منہ سے نکلے۔

کلمة کے بارے میں بحث:۔

جمہور علماء کے نزدیک کلمہ جامد ہے اور بعض کے نزدیک مشتق ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ کلمہ کَلْم سے مشتق ہے۔

سوال:۔ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان لفظی و معنوی مشابہت ضروری ہے تو یہاں کیا مشابہت ہے؟

جواب:۔ یہاں لفظی مشابہت تو ظاہر ہے کہ دونوں میں حروف ک ، ل اور م ہیں اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ کلم کے معنی زخم کے آتے ہیں اور زخم میں اثر ہوتا ہے ایسے ہی کلمہ اور کلام میں بھی اثر ہوتا ہے اور بعض دفعہ کلمہ کا اثر زخم کے اثر سے سخت ہوتا ہے۔ جیسے کہ

حضرت علیؓ کا شعر ہے

جراحات السنان لها التيام   ولا يلتام ما جرح اللسان

ترجمہ:۔ تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔

اور مشابہت کی تین قسمیں ہیں۔ مطابقی ، تضمنی ، التزامی اور یہاں پر مشابہت التزامی ہے۔

کلم کے بارے میں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ جنس ہے اور اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔

دلیل جمہور:۔ (۱) جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ الیه یصعد الکلم الطیب اگر کلم جمع ہوتی تو اسکی صفت الطیبة یا الطیبات آتی مگر یہاں پر اس کی صفت الطیب آئی ہے جو اس بات پر دال ہے کہ الکلم جمع نہیں بلکہ جنس ہے۔

(۲) کَلِمٌ یعنی فَعِلٌ کے وزن پر کوئی جمع نہیں آتی یہ جمع کے اوزان میں سے نہیں۔

بعض علماء کی دلیل:۔ بعض علماء کی دلیل یہ ہے کہ کلم جمع ہے کیونکہ اس کا اطلاق دو سے زیادہ پر ہوتا ہے اگر یہ جمع نہ ہوتی تو اس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا۔

جواب:۔ جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اعتبار وضع کا ہوتا ہے استعمال کا نہیں اور کلم کی وضع واحد تثنیہ جمع سب کے لئے ہوئی ہے۔

لفظ

لفظ لغت میں رمی یعنی پھینکنے کے معنیٰ میں آتا ہے اور عقلاً اس کی چار صورتیں بنتی ہیں۔

نمبر ۱: لفظ ہو اور من الفم ہو جیسے زید قائم.

نمبر ۲: لفظ ہو اور من غیر الفم ہو اس کی کوئی مثال نہیں البتہ کمپیوٹر کی آواز کو مثال بنا سکتے ہیں۔

نمبر۳: غیر لفظ من غیر الفم ہو جیسے لفظت الرحیٰ الدقیقة (چکی نے آٹا پھینک دیا)

نمبر۴: غیر لفظ من الفم ہو جیسے: ,,اکلت التمرة ولفظت النواة،،

اصطلاحی تعریف:۔

ما یتلفظ به الانسان قلیلاً کان او کثیراً،موضوعاً کان اومهملاً،حقیقتاً کان او حکماً،مفرداً کان او مرکباً.

اعتراض ۱:۔ آپ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے ضمائر وغیرہ خارج ہو گئے کیونکہ ان کا تلفظ نہیں ہوتا مثلاً جب آپ نے ''اضرب'' کہا تو انت کی ضمیر اس میں موجود ہوتی ہے مگر آپ نے اس کا تلفظ نہیں کیا۔

جواب:۔ ہماری تعریف عام ہے کیونکہ ہم نے تعریف میں حقیقتاً کان او حکماً کہہ دیا تھا تو ضمائر کا اگر چہ حقیقتاً تلفظ نہیں ہوتا مگر حکماً ان کا بھی تلفظ ہوتا ہے،اس لئے وہ بھی شامل ہیں۔

اعتراض ۲:۔ مایتلفظ به الانسان سے ظاہراً موضوع لفظ سمجھ میں آتا ہے اس وجہ سے آپ کی تعریف سے مھملات خارج ہو گئے۔

جواب:۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہماری تعریف عام ہے کیونکہ موضوعاً کان او مهملاً میں سب داخل ہو گئے۔

اعتراض ۳:۔ آپ کی تعریف سے مرکبات خارج ہو گئے کیونکہ ما یتلفظ به الانسان سے ظاہراً مفرد سمجھ میں آتا ہے۔

جواب:۔ ہم نے تعریف میں مفرداً کان او مرکباً کہہ کر اس کا جواب پہلے سے ہی دے دیا ہے۔

اعتراض۴:۔ آپ کی تعریف مایتلفظ به الانسان یعنی جوانسان تلفظ کرے، سے انسانوں کے علاوہ کا کلام خارج ہو گیا جیسے اللہ کا کلام (قرآن شریف) اور فرشتوں کا کلام جیسے ان کا ایک شعر ہے

ان فی الجنة نهراً من لبن لعلی و حسین و حسن

ترجمہ:۔ بے شک جنت میں حضرت علیؓ، حسینؓ اور حسنؓ کیلئے دودھ کی ایک نہر ہے۔ اور جنات کا کلام جیسا کہ ان کا ایک شعر ہے

قبرُ حرب بمکان قفر ولیس قرب قبرِ حربِ قبرٌ

ترجمہ:۔ حرب کی قبر ایسی جگہ پر ہے جو چٹیل میدان ہے اور حرب کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں۔

جواب:۔ ہماری تعریف جامع ہے کیونکہ ہم نے تعریف میں قلیلاً کان او کثیراً جب کہہ دیا تو یہ سب اس میں داخل ہو گئے کیونکہ ان کا تلفظ اگر چہ کم ہوتا ہے مگر پھر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے قلیلا کے تحت یہ بھی داخل ہو گئے۔

ترکیب الکلمة لفظٌ:۔

سوال:۔ یہ جملہ ترکیب کے اعتبار سے مبتداء اور خبر واقع ہے اور مبتداء اور خبر میں باعتبار تذکیر و تانیث کے مطابقت ضروری ہے پھر یہاں مطابقت کیوں نہیں؟

جواب:۔ مبتداء اور خبر میں مطابقت اس وقت ضروری ہے جب چھ شرطیں پائی جائیں اگر ان میں سے کوئی بھی شرط موجود نہ ہو تو مطابقت ضروری نہیں اور وہ شرطیں درج ذیل ہیں۔

نمبر ۱:۔ مبتداء اور خبر میں مطابقت اس وقت ضروری ہے جب خبر اسم مشتق ہو اگر خبر اسم مشتق نہ ہو تو مطابقت ضروری نہیں۔ جیسے الکلمة لفظ

نمبر۲:۔ مبتداء اور خبر دونوں اسم ظاہر ہوں ورنہ مطابقت ضروری نہیں۔ جیسے هی اسمٌ

نمبر۳:۔ خبر میں ضمیر ہو جو لوٹ رہی ہو مبتداء کی طرف جیسے زیدٌ ضربَ اگر خبر میں ایسی ضمیر نہ ہو جو مبتداء کی طرف لوٹ رہی ہو تو مطابقت ضروری نہیں ہے جیسے زینب و سقر و ماہ و جور ممتنع اب اگر یہاں پر مبتداء کی رعایت ہوتی تو زینب وغیرہ کی وجہ سے خبر کو ممتنعة آنا چاہیے تھا، لیکن چونکہ یہاں ممتنع میں ضمیر نہیں بلکہ اس کا فاعل صرفه محذوف ہے اسلئے مؤنث نہیں لایا۔

نمبر۴:۔ خبر ایسی صفت نہ ہو جو تذکیر و تانیث دونوں کو برابر ہو ورنہ مطابقت ضروری نہیں جیسے الامرأة جريح یہاں خبر جريحٌ ہے جو کہ فعيلٌ کے وزن پر ہے اور فعيلٌ کا وزن تذکیر و تانیث کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔

نمبر۵:۔ خبر ایسی صفت نہ ہو جو مؤنث کے ساتھ خاص ہو جیسے (احترازی مثال) الامــرأة طالقٌ طلاق عورت کے ساتھ خاص ہے اسلئے یہاں مطابقت کیلئے طالقة نہیں کہتے۔

نمبر۶:۔ خبر ایسی اسم تفضیل نہ ہو جو مــنْ کے ساتھ مستعمل ہو ورنہ مطابقت ضروری نہیں جیسے الصلوٰة خير من النوم.

وضع

لغوی تعریف:۔ لغت میں وضع کے معنی رکھنے اور متعین کرنے کے آتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:۔ تخصيص شئى بشئى بحيث متىٰ اطلق او احس الشئى الاول فهم منه الشئى الثانى.

ترجمہ:۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ پہلی شئی سے دوسری شئی

سمجھ میں آجائے۔ پہلی شئ جس سے علم ہوا ہے اسے موضوع اور دوسری شئ جسکا علم ہوا ہے اسے موضوع لہ کہتے ہیں جیسے ریل کو روکنے کیلئے سرخ بتی کا جلانا، سرخ بتی موضوع ہے اور ریل کو روکنے کا حکم موضوع لہ ہے۔ (باقی تفصیل منطق میں موجود ہے)

اعتراض:۔ آپ کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ اس سے حروف خارج ہو گئے اس لئے کہ آپ نے تعریف میں کہدیا ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کیلئے اس طرح خاص کر دینا کہ پہلی چیز سے دوسری چیز سمجھ میں آجائے اور یہاں حروف کے اپنے معنی کسی چیز کے ملانے کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے تو اس سے دوسرے کا معنی کس طرح سمجھ میں آسکتا ہے۔

جواب ۱:۔ حروف بھی وضع کی تعریف میں داخل ہیں کیونکہ متیٰ اطلق سے مراد اطلاق صحیح ہے اور حروف میں اطلاق صحیح اس وقت ہوتا ہے جب ان کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ ملا دیا جائے اب اگر حروف کے ساتھ کوئی دوسرا کلمہ ملا دیا جائے تو اس سے دوسرا معنی سمجھ میں آجاتا ہے جیسے سرت من البصرة الى الكوفة.

جواب ۲:۔ متىٰ اطلق ......الخ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو اہل لسان اپنے محاورات میں استعمال کرتے ہیں اور اہل لسان حروف کو بغیر کسی کلمہ کے ملائے استعمال نہیں کرتے اور جب اہل لسان حروف کو بغیر کسی کلمہ کے ملائے استعمال نہیں کرتے تو اس سے معلوم ہوا کہ حروف بھی وضع کی تعریف میں داخل ہیں کیونکہ حروف کو جب کسی کلمہ کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو اس صورت میں معنی سمجھ میں آجاتا ہے

لمعنى

لغوی تعریف:۔ لغت میں معنی کے معنی قصد کرنے اور ارادہ کرنے کے آتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:۔ ما يقصد بشئى یعنی جس کا کسی چیز سے ارادہ کیا جائے۔(جو

کسی شئی سے مقصود ہو)

معنٰی کا صیغہ:۔ معنی کے صیغے کے بارے میں تین احتمال ہیں (۱) اسم مفعول (۲) اسم ظرف (۳) مصدر میمی۔

(۱) یہ اسم مفعول نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا وزن اسم مفعول کے وزن پر نہیں۔

(۲) اسم ظرف بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں ترجمہ غلط ہو جائے گا اور ترجمہ یہ بنے گا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو مکانِ قصد کے لئے وضع کیا گیا ہو، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کلمہ وہ لفظ ہے جو متکلم کے مقصود پر دلالت کرے۔اس لئے ظرف کا صیغہ بھی نہیں ہوسکتا۔

(۳) یہ مصدر میمی بھی نہیں بن سکتا اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ معنی غلط ہو جائے گا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو نفسِ قصد کیلئے وضع کیا گیا ہو حالانکہ یہ بھی درست نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر یہ تینوں احتمال صحیح نہ ہوں تو پھر یہ کون سا صیغہ ہے؟

جواب:۔ تینوں احتمال درست ہیں۔اسم مفعول،اسم ظرف،مصدر میمی۔

(۱) اسم مفعول:۔ معنی اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ اصل میں معنوی تھا مرمیؔ کی طرح، واؤ کو یا کر دیا پھر نون کے ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کر دیا پھر ایک یا کو حذف کر دیا پھر نون کے کسرہ کو فتح سے تبدیل کر دیا، یا، متحرک ماقبل مفتوح یا کو الف سے تبدیل کر دیا،الف اور نون کے درمیان اجتماع ساکنین ہوگیا،الف کو گرادیا تو معنی رہ گیا۔

(۲) اسم ظرف:۔ (۳) مصدر میمی:۔ یہ اسم ظرف اور مصدر میمی بھی بن سکتا ہے اس صورت میں یہاں اسم ظرف اور مصدر میمی کا معنی نہیں کریں گے بلکہ اسم مفعول کا معنی کریں گے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جہاں اسم ظرف اور مصدر میمی کا ترجمہ درست نہ ہو وہاں اس کا ترجمہ اسم مفعول سے کر دیتے ہیں۔

اعتراض:۔ وضع کی تعریف (ایک شئی سے دوسری شئی سمجھ میں آجائے) سے ''معنیٰ'' کے معنی سمجھ میں آگئے تھے پھر دوبارہ یہاں معنی کو کیوں ذکر کیا؟ حالانکہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

جواب:۔ وضع سے معنیٰ کے معنی تجرید اور خالی کرنے کیلئے الگ سے ذکر کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً اسریٰ کے معنی رات کو چلنے کے آتے ہیں مگر یہاں لیلاً کا لفظ لا کر اسریٰ سے رات کے معنی کو تجرید اور خالی کر دیا ہے۔

فائدہ:۔ معنی کو الگ سے ذکر کرنے سے دو فائدے حاصل ہو گئے۔(۱) ہر تعریف میں ایک جنس ہوتی ہے اور کئی فصلیں ہوتی ہیں یہاں پر لفظ جنس ہے وضع فصل اول ہے اس سے مہملات خارج ہو گئے اور معنی دوسری فصل ہے اس سے حروف ھجاء خارج ہو گئے (۲) اس سے حروف کی تقسیم سمجھ میں آگئی کہ حروف کی تین قسمیں ہیں (۱) حروف ھجاء (۲) حروف مبانی (۳) حروف معانی

حروف ھجاء:۔ جیسے ا،ب،ت،ث،ج،د وغیرہ جو کسی کے جزء نہ ہوں یعنی کسی کے ساتھ ملائے نہ جائیں۔

حروف مبانی:۔ وہ حروف جو کسی کلمہ کا جزء بنیں جیسے ضرب زیدٌ میں زید کے حروف ز،ی،د وغیرہ

حروف معانی:۔ وہ حروف جو خاص خاص معنی کیلئے استعمال ہوتے ہیں مثلاً با دس معنوں کے لئے آتا ہے ان میں سے استعانت جیسے ضربت بالخشبۃ اور الصاق جیسے مررت بزیدٍ وغیرہ۔

مفردٌ

مفرد کے بارے میں چار باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔(۱) لغوی تعریف (۲) اصطلاحی تعریف (۳) اعراب (۴) دواعتراض اوران کے جواب۔

لغوی تعریف:۔ لغت میں مفرد ''فرد'' کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:۔ مفرد کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ **ما لا یدل جزء اللفظ علی جزء معناہ بالوضع** یعنی وضع کے اعتبار سے جزءلفظ جزء معنی پر دلالت نہ کرے۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف جامع نہیں کیونکہ اس سے **الرجل ، قائمةٌ** اور **بصریٌّ** خارج ہو گئے،اس لئے کہ **الرجل** میں الف لام تعریف پر دلالت کرتا ہےاور رجل ذات رجل پر دلالت کرتا ہےاسی طرح **قائمةٌ** میں قائم ''**من له القیام**'' یعنی کھڑے ہونے پر دلالت کرتا ہےاور''ۃ''مونث پر دلالت کرتی ہےاسی طرح **بصریٌّ** میں بصر شہر بصرہ پر اور''ی''نسبت پر دلالت کرتی ہے۔

جواب:۔ **الرجل ، قائمةٌ،** اور **بصریٌّ** کوہم مفرد مانتے ہی نہیں ہم بھی ان کومرکب سمجھتے ہیں۔

سوال:۔ اگر یہ مرکب ہیں تو ان پرایک اعراب کیوں جاری کیاان پردواعراب کیوں نہیں جاری کرتے؟

جواب:۔ شدت امتزاج اوراتصال کی وجہ سےان پرصرف ایک اعراب جاری کیا ہے۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف مانع عن دخول غیرنہیں ہے کیونکہ اس میں لفظ عبداللہ بھی داخل ہوتا ہے حالانکہ یہ مرکب ہے کیونکہ ''عبد'' عبدیت پر اور لفظ''اللہ'' ذات اللہ پر دلالت کرتا ہے۔

جواب:۔ عبداللہ جب علمیّت کیلئے استعمال ہو یعنی علم بن جائے تو یہ مرکب نہیں رہتا بلکہ مفرد بن جاتا ہے۔

سوال:۔ اگر مفرد ہے تو اس پر دو اعراب کیوں جاری ہو رہے ہیں؟ ایک ''عبد'' پر اور دوسرا لفظ ''اللہ'' پر۔ جیسے جاء عبداللّٰہ میں عبد مرفوع ہے اور لفظ اللہ مجرور۔

جواب:۔ ماقبل کا اعتبار کرتے ہوئے کہ جب یہ علم نہیں بنا تھا تو اس پر دو اعراب جاری ہوتے تھے ہم نے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اب بھی دو اعراب جاری کر دیئے، اور یہ اس لئے کہ یہ علم ہے اور علم میں وضع سابق کا اعتبار ہوتا ہے۔

اعراب کا احتمال:۔ مفرد پر تینوں قسم کے اعراب یعنی رفع، نصب، جر پڑھنا درست ہے

سوال:۔ رسم الخط سے معلوم ہوتا ہے کہ مفرداً منصوب پڑھنا درست نہیں کیونکہ مفرداً کے آگے الف نہیں لکھا گیا ہے جبکہ منصوب ہو تو الف لکھتے ہیں جیسے رأیت زیداً

جواب:۔ الف اس وقت لکھا جاتا ہے کہ جب دوسرے اعراب کا احتمال نہ ہو جبکہ یہاں تو رفع اور جر کا بھی احتمال ہے اس لئے الف نہیں لکھا گیا۔

مفرد پر تینوں اعراب پڑھنے کی وجہ:۔

❶ مفرد کو اگر مجرور پڑھیں تو یہ صفت واقع ہوگا ''لمعنیً'' سے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو معنی مفرد کیلئے وضع کیا گیا ہو۔

سوال:۔ '' معنیً ''منصوب ہے پھر مفردٍ مجرور کو کس طرح معنی کیلئے صفت قرار دیتے ہو؟

جواب:۔ ''معنیً'' پر لام جارہ داخل ہے اسلئے یہ لفظاً اگرچہ منصوب ہے مگر تقدیراً مجرور ہے

❷ مفردٌ کو اگر مرفوع پڑھیں تو یہ صفت ثانی ہوگی لفظٌ کی اور اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ مفرد ہے جس کو معنی کیلئے وضع کیا گیا ہو۔

اشکال:۔ اگر مفرداً کو لفظٌ سے صفت مان لیا جائے تو لفظٌ کی دو صفتیں ہوئیں وُضِعَ لِمَعْنًی ایک صفت جو کہ جملہ ہے اور یہ مفرداً دوسری صفت جو کہ مفرد ہے تو پھر جملہ کو صفت اول کیوں بنایا؟ حالانکہ مفرد مقدم ہوتا ہے۔

جواب:۔ وَضَعَ مفرد اور مرکب سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ کسی چیز کی پہلے وضع ہوتی ہے پھر اس کیلئے افراد کا ہونا یا نہ ہونا ہوتا ہے، اس لئے وضع کو ماضی کے صیغے کے ساتھ پہلے لایا اور پھر بعد میں مفرد کو لایا۔

❸ مفرد کو اگر منصوب پڑھیں تو پھر ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں (۱) یہ حال ہوگا وضع کی ضمیر سے (۲) یہ حال ہوگا لمعنی سے۔ اگر وضع کی ضمیر سے حال مان لیا جائے تو ترجمہ یہ بنے گا کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو در آں حالیکہ وہ مفرد ہو۔

سوال:۔ حال تو وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت بیان کرے یہاں وضع کے اندر ضمیر نائب فاعل ہے پھر آپ اس سے کس طرح حال بنا رہے ہیں؟

جواب:۔ صاحب مفصل کے نزدیک نائب فاعل بھی فاعل حقیقی ہوتا ہے اور جمہور علماء کے نزدیک نائب فاعل اگرچہ فاعل حکمی ہوتا ہے لیکن ذوالحال کیلئے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف فاعل کا ہونا کافی ہے چاہے حقیقی ہو یا حکمی۔ لہٰذا مفرداً کو وضع کی ضمیر سے حال بنانا درست ہے۔

سوال:۔ حال اور ذوالحال میں فصل نہ ہونا چاہیے پھر یہاں فصل کیوں کیا؟

جواب:۔ حال اور ذوالحال میں اتصال اس وقت ضروری ہے جب التباس کا خوف ہو یہاں کوئی التباس کا خوف نہیں۔

مفرداً کو اگر منصوب پڑھیں تو دوسرا احتمال یہ ہوتا ہے کہ یہ حال ہو معنیً سے اس صورت میں

ترجمہ یہ ہوگا ''کلمہ وہ لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنی کیلئے اس حال میں کہ وہ معنی مفرد ہو''

اعتراض:۔ حال کیلئے ضروری ہے کہ اس کا ذوالحال فاعل یا مفعول ہو اور معنیً نہ فاعل ہے نہ مفعول۔

جواب:۔ ❶ معنیً معنی کے اعتبار سے مفعول بہ ہے یعنی حرف جر کے واسطہ سے مفعول بہ ہے۔ ❷ اصل جواب یہ ہے کہ حال کی صحیح تعریف یہ ہے کہ الحال ما یبین الھیئۃ یعنی حال وہ ہے جو ہیئت کو بیان کرے چاہے وہ ہیئت فاعل یا مفعول کی ہو اور چاہے مبتداء یا خبر کی یا مجرور کی، یہ ابن مالکؒ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔

سوال:۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو ذوالحال پر مقدم کیا جاتا ہے جیسے رأیت راکباً رجلا تو یہاں معنیً نکرہ ہے جو کہ ذوالحال ہے تو پھر یہاں حال کو ذوالحال پر مقدم کیوں نہ کیا؟

جواب:۔ اگر ذوالحال مجرور ہو تو حال کو ذوالحال پر مقدم نہیں کرتے صرف منصوب ہونے کی صورت میں مقدم کرتے ہیں کیونکہ اگر ذوالحال منصوب ہو تو اس صورت میں اگر حال کو مقدم نہ کیا جائے تو حال اور صفت کا التباس لازم آتا ہے جیسے رأیت رجلا راکباً میں راکباً حال بھی بن سکتا ہے اور صفت بھی۔ تو یہاں پر ذوالحال مجرور ہے اس لئے حال کو ذوالحال پر مقدم کرنے کی ضرورت نہیں۔

ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ

ترکیب:۔ ھی مبتداء اسم وفعل وحرف اس کیلئے خبر۔

سوال:۔ اسماء اشارات اور ضمائر جب مبتداء واقع ہوں تو اس وقت رعایت خبر کی ہوتی ہے یعنی اگر خبر مؤنث ہو تو ضمیر مؤنث کی لائی جاتی ہے اگر مذکر ہو تو ضمیر بھی مذکر کی لائی جاتی ہے

لیکن یہاں پر ھِیَ اسمٌ میں اسم مذکر ہے تو ضمیر مؤنث (ھی) کیوں لائی ہے؟

جواب:۔ ھی کی خبر اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ نہیں ہے بلکہ ''منقسمۃ'' ہے جو کہ محذوف ہے (ای وھی منقسمۃ)

سوال:۔ منقسمۃ کے محذوف ہونے پر کیا قرینہ ہے؟

جواب:۔ تعریف کا مکمل ہونا اس پر دلیل ہے کہ مصنفؒ ابھی تقسیم بیان کرر ہے ہیں۔

سوال:۔ کلمہ کی تقسیم میں آپ نے اسم کو سب سے مقدم کیا اس کے بعد فعل اور اس کے بعد حرف کو ذکر کیا جبکہ وجہ حصر میں حرف کو سب سے پہلے ذکر کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ کلمہ کی تقسیم میں اسم کو سب سے مقدم اس لئے کیا کہ یہ کلام میں عمدہ ہوتا ہے یعنی اسم مسند اور مسند الیہ دونوں ہوتا ہے فعل مسند تو ہوتا ہے مسند الیہ نہیں ہوتا اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ ہوتا ہے، اور وجہ حصر میں حرف کو سب سے مقدم اس لئے کیا کہ حرف بسیط اور مفرد ہے اس کے برعکس اسم اور فعل مرکب ہیں تو قانون یہ ہے کہ مفرد کو مرکب سے مقدم کیا جاتا ہے اس لئے حرف کو اسم وفعل سے مقدم کیا۔

سوال:۔ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اسم ''وسم'' سے مشتق ہے وسم کے معنی علامت کے آتے ہیں چونکہ اسم بھی اپنے مسمّٰی کے لئے علامت ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہتے ہیں۔ وسم کے شروع سے واؤ کو حذف کر کے اس کے بدلہ میں ہمزہ وصلی لائے تو اسم بن گیا مگر یہ درست نہیں۔

بصریوں کے نزدیک اسم ''سمو'' سے مشتق ہے اور اس کے معنی بلندی کے آتے ہیں اور یہ اسم بھی اپنے دونوں بھائیوں (فعل، حرف) سے ممتاز ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ یہ مسند اور مسند

الیہ دونوں ہوتا ہے اس لئے اس کو اسم کہتے ہیں۔

تعلیل:۔ اسم اصل میں سموٌ تھا سموٌ کے میم کے سکون کو نقل کر کے ماقبل س کو دے دیا س کے ساکن ہونے کی وجہ سے تلفظ دشوار ہو گیا اس لئے شروع میں ہمزہ وصل لائے پھر واؤ کی تنوین میم کو دیدی اور واؤ کو حذف کر دیا تو اسم رہ گیا سموٌ، سُموٌ، اسُموٌ، اسموٌ، اسمٌ۔

سوال:۔ فعل کو فعل کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ فعل کو فعل اپنے اصل معنی کے اعتبار سے کہتے ہیں یعنی اسکے معنی مصدری کی وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ فاعل کا فعل حقیقت میں مصدر ہی ہوتا ہے۔

لغوی معنی:۔ لغت میں فعل حدث کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی:۔ اصطلاح میں فعل وہ ہے جو تین چیزوں سے مرکب ہو ❶ حدث ❷ زمان ❸ نسبت الی الفاعل۔

سوال:۔ حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ حرف کہتے ہیں کنارے کو اور حرف کو حرف اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی کنارے میں واقع ہوتا ہے۔

سوال:۔ آپ کہتے ہیں کہ حرف کنارے میں واقع ہوتا ہے جبکہ زید فی الدار میں حرف فی درمیان میں واقع ہے۔

جواب:۔ کنارے میں واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اسم اور فعل کے مقابلے میں واقع ہوتا ہے۔

سوال:۔ حرف غیر مستقل ہے اور اسم اور فعل مستقل ہیں تو پھر حرف ان کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے؟

جواب:۔ مقابلہ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اسم وفعل کلام میں عمدہ ہوتے ہیں حرف اس طرح عمدہ نہیں ہوتا یہ معنی نہیں کہ ان سے لڑائی کرتا ہے۔

سوال:۔ جب حرف کلام میں عمدہ نہیں ہوتا تو پھر اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب:۔ اسکو کلام میں ذکر کرنے کے بہت سے فائدے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

❶ دو اسموں کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے جیسے **زید فی الدار**

❷ دو فعلوں کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے جیسے **ارید ان اضربک**

❸ ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے جیسے **ضربت بالخشبة**

❹ دو جملوں کے درمیان ربط پیدا کرتا ہے جیسے **ان جاء نی زید فاکرمته‘**

لا نها اما ان تدل ......

سوال:۔ دلیل حصر اس وقت ہوتی ہے جب پہلے کوئی دعویٰ ہو مگر یہاں پر مصنفؒ نے بغیر دعویٰ کے دلیل پیش کی ہے یہ کیوں؟

جواب:۔ محل بیان میں سکوت اختیار کرنا گویا کہ بیان ہی ہوتا ہے تو مصنفؒ کا کلمہ کی تقسیم میں اسم، فعل اور حرف کو ذکر کرنے کے بعد خاموش رہنا اور چوتھی قسم ذکر نہ کرنا اس بات کا دعویٰ تھا کہ ان تینوں کے علاوہ کلمہ کی کوئی اور چوتھی قسم نہیں ہے (اور اگر ہوتی تو بیان کرتے) اور چوتھی قسم کیوں نہیں صرف یہ تین قسمیں کیوں ہیں؟ اسکی دلیل لانھا سے دے دی۔

اعتراض:۔ جس طرح مبتداء کی خبر کا حمل مبتداء پر ہوتا ہے اسی طرح خبر اِنّ کا حمل بھی اسم اِنّ پر ہوتا ہے اور لانھا میں ان کا اسم "ھا" ضمیر ہے جو کہ کلمہ کی طرف راجع ہے اور وہ

ذات ہے اور اس کی خبر ان تدل الخ ہے جو کہ وصف ہے تو یہاں پر وصف کا حمل ذات پر لازم آتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

جواب:۔ ان کی خبر ان تدل الخ نہیں بلکہ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ من صفتها خبر مقدم ہے اور ان تدل الخ مبتداء مؤخر پھر یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر ان کی خبر بنتے ہیں لہٰذا اب وصف کا حمل ذات پر لازم نہیں آئے گا۔

الثاني الحرف

سوال:۔ ثانی صفت ہے اور اس کا موصوف الکلمۃ ہے جو کہ مؤنث ہے اور صفت مذکر، تو موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں پائی گئی جب کہ صفت اور موصوف میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب:۔ الثانی الکلمۃ کی صفت نہیں بلکہ یہ القسم کی صفت ہے جو کہ محذوف ہے اور وہ مذکر ہے۔

الاول الفعل ،الثاني الاسم

ان میں بھی وہی اشکال اور اس کا جواب ہے جو ماقبل "الثانی الحرف" میں گزر چکا ہے۔

و قد علم ...... الخ

سوال:۔ اسم، فعل اور حرف کی تعریف پہلے وجہ حصر ہی سے سمجھ آ گئی تھی اب یہاں قد علم سے دوبارہ ان کی تعریف کی طرف اشارہ کیا اور اس کے بعد تیسری بار پھر مصنفؒ نے صراحتاً اسم فعل حرف کی تعریف کی ہے تو اتنی تاکید اور تکرار کی کیا ضرورت تھی؟

جواب:۔ مصنفؒ نے مختلف ذہنوں کی رعایت کی ہے کیونکہ ذہن کے اعتبار سے طلباء کی تین قسمیں ہوتی ہیں ❶ ذہین ❷ متوسط ❸ غبی یعنی کند ذہن، تو جو طلباء ذہین

ہوتے ہیں وہ تو وجہ حصر ہی سے ہر ایک کی تعریف سمجھ جائیں گے۔اور جو متوسط ذہن کے طلباء ہیں وہ قد علم سے جب دوبارہ اشارہ کیا گیا تو اس سے سمجھ جائیں گے اور جو غبی قسم کے طلباء ہیں وہ نہ تو وجہ حصر سے سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کا دوبارہ اشارہ کرنے سے، تو ان کو تیسری بار صراحتاً تعریف کی ضرورت تھی اس لئے مصنفؒ نے تاکیداً دوبارہ اشارہ اور تیسری بار صراحت سے تعریف ذکر کی۔

سوال:۔علم کی جگہ پر عرف کا لفظ استعمال کیوں نہیں کیا؟

جواب:۔ عرف کا لفظ بسائط اور جزئیات کے ادراک کے لئے آتا ہے اور علم کا لفظ مرکبات اور کلیات کے لئے، چونکہ اسم ،فعل اور حرف کی تعریف کلیات میں سے ہے اس لئے علم کا لفظ استعمال کیا۔

ذالك

سوال:۔ ذالک یہ اسم اشارہ بعید کیلئے آتا ہے اور یہاں ذالک کا مشار الیہ وجہ حصر ہے جو کہ قریب ہے تو بعید کا اسم اشارہ قریب کے لئے کیوں استعمال کیا؟

جواب:۔(۱) اسکی شرافت اور عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے ذالک استعمال کیا۔

جواب:۔(۲) بعید کی دو قسمیں ہیں ۱۔ جسدی ۲۔ رتبی

جسدی وہ ہوتا ہے جو جسم کے اعتبار سے بعید ہو

رتبی وہ ہوتا ہے جو جسم کے اعتبار سے بعید نہ ہو لیکن مرتبہ کے اعتبار سے بعید ہو جیسا کہ اردو زبان میں کہا جاتا ہے کہ آپ کہاں اور میں کہاں! وغیرہ ،یعنی مجھ میں اور آپ میں زمین آسمان کا فاصلہ ہے،قرآن مجید میں بھی ذالک اسم اشارہ قریب کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے ذالک الکتاب یہاں کتاب سے مراد قرآن ہے جو کہ سامنے ہے مگر بعید کا اشارہ

استعمال کیا ہے یہ اس کی شرافت کی وجہ سے ہے۔

سوال:۔ ذالک کا اشارہ حسیات پر ہوتا ہے یعنی جو حسی طور پر سمجھ میں آتے ہیں اور وجہ حصر حسیات میں سے نہیں بلکہ معقولات میں سے ہے تو پھر یہاں ذالک اسم اشارہ کیوں استعمال کیا؟

جواب:۔ محسوس کی دو قسمیں ہیں نمبر۱: حقیقی، جو کہ مدرک بالحس ہو۔ نمبر۲: ادعائی، جو حسی تو نہ ہو مگر وضاحت اور ظہور کے اعتبار سے اس درجہ میں ہو کہ یہ کہا جا سکتا ہو کہ یہ محسوس ہے۔ یعنی مثل محسوس ہو، تو وجہ حصر اگر چہ محسوسات میں سے تو نہیں مگر مثل محسوس ضرور ہے۔

اعتراض:۔ ذالک اسم اشارہ واحد مذکر کے لئے ہے لیکن یہاں اس کا مشار الیہ جملہ ہے تو اسم اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہیں پائی گئی۔

جواب:۔ ذالک کا اشارہ دلیل حصر کی طرف ہے نہ کہ عبارت ان تدل ......الخ کی طرف، تو مطابقت پائی گئی۔

حد

سوال:۔ حد اسے کہتے ہیں جو اپنے محدود کی ذاتیات پر مشتمل ہو اور جو تعریف آپ نے یہاں بیان کی ہے وہ ذاتیات میں سے نہیں بلکہ عوارض میں سے ہے لہٰذا آپ کو تعریف کہنا چاہیے تھا حد نہیں۔ آپ نے حد کیوں کہا؟

جواب:۔ حد اور تعریف میں نحویوں کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے البتہ یہ فرق منطقیون کے نزدیک ہے تو ہم نحو پڑھ رہے ہیں نہ کہ منطق۔

الکلام

اعتراض:۔ مصنفؒ کو والکلام کہنا چاہیے تھا (واؤ کے ساتھ) کیونکہ کلمہ اور کلام دونوں نحو کا

موضوع ہیں۔

جواب:۔(۱) والکلام اس لئے نہیں کہا تا کہ کسی کو شک نہ ہو جائے کہ کلمہ اصل ہے اور کلام اس کی فرع۔

جواب:۔(۲) مصنفؒ کا انداز یہ ہے کہ وہ ہر بات کو باب در باب اور فصل در فصل ذکر کرتے ہیں تو اس لئے الکلام کو الگ ذکر کر کے اسے الگ موضوع بنایا۔

کلام کا لغوی معنی:۔ ما یتکلم به قلیلاً کان او کثیراً ۔ یعنی جس پر تکلم کیا جائے کم ہو یا زیادہ۔

اصطلاحی تعریف:۔ ما تضمن کلتین بالاسناد ۔

اسناد کی تعریف:۔ نسبة احدی الکلمتین الی الاخری بحیث تفید المخاطب فائدة تامة ای یصح السکوت علیها. یعنی ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کی طرف اس طرح نسبت کی جائے کہ مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہو جائے اور متکلم کا وہاں سکوت درست ہو۔

الکلام ما..........الخ

سوال:۔ ما سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔اس میں چار احتمال ہیں۔

۱) لفظ ۲) شئی ۳) کلمہ ۴) کلام

❶ لفظ:۔ اگر ما سے مراد لفظ مان لیا جائے تو اس صورت میں نعم پر بھی کلام کی تعریف صادق آئے گی جو أقام زید کے جواب میں کہا جائے اسلئے کہ نعم لفظ ہے اور کلمتین کو متضمن ہے، حالانکہ یہ کلام نہیں ہے۔

❷ شئ:۔ اگر ما سے مراد شئ یعنی چیز لیا جائے تو اس صورت میں کاغذ کے ٹکڑے پر بھی کلام کی تعریف صادق آئیگی جس پر دو کلمیں لکھے گئے ہوں۔

❸ کلمہ:۔ اگر ما سے مراد کلمہ لیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں کل کا حمل جزء پر لازم آئے گا کیونکہ کلام کل ہے اور کلمہ جزء، اور یہ صحیح نہیں ہے۔

❹ کلام:۔ اگر ما سے مراد کلام لیا جائے تو بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اخذ المحد ودفی الحد لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں ہے۔

لفظ ما کا صحیح حل:۔

ما سے مراد لفظ ہے اور جو اعتراض ماقبل میں گذرا کہ نعم بھی اس صورت میں کلام کی تعریف میں داخل ہو جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں نعم مؤول ہے کلمتین سے اصل عبارت یوں ہے نعم قام زید۔ یعنی جب سوال کیا جائے کہ أقام زید تو اس کے جواب میں جب نعم کہا جائے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ نعم قام زید تو اب اس کے کلام میں داخل ہونے سے کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔

تضمن کلمتین

ہر چیز میں ایک جنس ہوتی ہے اور کئی فصلیں ہوتی ہیں اسی طرح یہاں پر بھی ما جنس ہے اور تضمن کلمتین فصل اول ہے جس سے مفردات نکل گئے اور بالاسناد فصل ثانی ہے جس سے مرکبات غیر کلامیہ مثلاً غلام زید وغیرہ خارج ہو گئے۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ جب آپ نے تضمن کلمتین کی قید لگائی تو اس سے زید ابوہ قائم جو کہ تین کلموں سے بنا ہوا ہے اور اضرب جو کہ کلمہ واحدہ ہے یہ خارج ہو گئے جبکہ یہ دونوں کلام ہیں۔

جواب:۔ ہماری تعریف میں ایک قیداور بھی ہے کہ حقیقتاً کان او حکماً۔تو یہ اگر چہ حقیقتاً دوکلموں سے مرکب نہیں لیکن حکماً دوکلموں سے مرکب ہے جیسے کہ زید ابوہ قائم ، قام ابوزید کے حکم میں ہےاور اضرب میں انت کی ضمیر پوشیدہ ہےتو یہ بھی دو کلمے ہوگئے۔

سوال:۔ تضمن کے بجائے ترکب کیوں نہیں کہا؟

جواب:۔ اختصار کی وجہ سے کیونکہ اگر ترکب لاتے تو پھر صلہ یعنی حرف کی بھی ضرورت ہوتی کیونکہ ترکب فعل لازمی ہےتو عبارت ترکب من کلمتین ہوتی تو اسی لئے مصنفؒ نے تضمن کلمتین کالفظ استعمال کیا تاکہ صلہ لانے کی ضرورت نہ ہو۔

سوال:۔ بالاسناد میں با کون سا ہے؟

جواب:۔ یہ باسبیہ اور الصاقیہ دونوں ہوسکتا ہے اگر یہ با سبب کیلئے ہوتو عبارت یوں بنے گی تضمناً حاصلاً بسبب الاسناد اور اگر یہ باالصاق کیلئے ہوتو عبارت یوں بنے گی تضمناً ملصقاً بالاسناد.

ولا یتاتی

ولایتأتی سے کلام کی تقسیم کی طرف اشارہ ہے

سوال:۔ اتیان بمعنی ''آنا'' یہ تو ذی روح کی خاصیت ہے پھر آپ نے کلام کی صفت اتیان کیوں ذکر کی؟

جواب:۔ یہاں پر لا یتاتی بمعنی لا یحصل کے ہے۔

سوال:۔کلمہ کی تقسیم کے وقت آپ نے اسم فعل اور حرف کہہ دیا اور کلمہ حصر کو ذکر نہیں کیا اور کلام کی تقسیم میں آپ نے حصر کو کیوں بیان کیا؟

جواب:۔ کلمہ کی عقلاً تین ہی صورتیں بنتی تھیں یعنی اسم، فعل اور حرف تو ان تینوں کو ذکر کر دیا اور کلام کی عقلاً چھ صورتیں بنتی ہیں جن میں دو صورتیں صحیح ہیں باقی چار صورتیں کلام نہیں بن سکتیں اس لئے حصر کو ذکر کیا تا کہ باقی چار کی نفی ہو جائے۔

سوال:۔ کلام کے مرکب ہونے کی عقلاً چھ صورتیں کون سی ہیں اور ان میں کونسی قسمیں صحیح ہیں؟

جواب:۔

1. کلام دو اسموں سے مرکب ہو۔
2. کلام دو فعلوں سے مرکب ہو۔
3. کلام دو حرفوں سے مرکب ہو۔
4. کلام ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہو۔
5. کلام ایک اسم اور ایک حرف سے مرکب ہو۔
6. کلام ایک فعل اور ایک حرف سے مرکب ہو۔

ان میں پہلی اور چوتھی قسم میں کلام صحیح ہوتا ہے باقی چار صورتیں خارج ہیں۔ وہ صورتیں جن میں کلام درست ہوتا ہے، دو اسموں سے مرکب ہو جیسے **زید قائم** اور ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہو جیسے **ضرب زید**۔

سوال:۔ ان دو صورتوں سے کلام حاصل کیوں ہوتا ہے اور باقی چار صورتوں سے کلام کیوں حاصل نہیں ہوتا؟

جواب:۔ کلام کے حاصل ہونے کیلئے مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے اور مسند اور مسند الیہ ان دونوں صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں نہیں پائے جاتے۔

سوال:۔ آپ نے کہا کہ کلام دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے تو **غلامُ زیدٍ** یہ دونوں اسم

ہیں مگر کلام نہیں؟

جواب:۔ دو اسموں سے مراد ایسے دو اسم ہیں جو مسند اور مسند الیہ بن سکتے ہوں یہاں غلام اور زید دونوں ملکر مسند بن سکتے ہیں یا مسند الیہ فقط۔

اشکال:۔ آپ نے کہا تھا کہ کلام ایک اسم اور فعل سے حاصل ہوتا ہے تو ضربک میں ضرب فعل اور ک ضمیر مخاطب ہے جو کہ اسم ہے مگر یہ کلام نہیں۔

جواب:۔ ہم نے پہلے کہہ دیا کہ کلام مسند اور مسند الیہ سے حاصل ہوتا ہے تو یہاں پر ضرب مسند تو ہے لیکن مسند الیہ موجود نہیں ک ضمیر مفعول کی ہے اور ضربک کا فاعل یعنی ضرب میں جو ھُوَ ضمیر ہے اس کا مرجع نہیں ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ اسم اور حرف سے کلام مرکب نہیں ہوتا جبکہ یا زید میں ایک اسم اور ایک حرف ہے اور یہ کلام ہے۔

جواب:۔ یہ اصل میں ایک اسم اور ایک فعل سے مل کر بنا ہے کیونکہ ''یا'' حرف نداء ہے جو کہ قائم مقام ادعو فعل کے ہے اور ادعو فعل ہے اور اس میں انا ضمیر فاعل ہے جو کہ اسم ہے لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

الاسم ما دلّ

سوال:۔ ما سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ اس کے بارے میں چار احتمال ہیں۔ ① لفظ ② شئی ③ اسم ④ کلمہ۔

۱) لفظ: یہ احتمال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں مرکب بھی داخل ہوگا جو کہ کلام ہے

۲) شئی: یہ احتمال بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں دوال اربعہ یعنی عقود، خطوط،

اشارات، اور نصب داخل ہونگے۔

۳) اسم: یہ احتمال بھی صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں اخذ المحد ود فی الحد لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

۴) کلمہ: یہ احتمال بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں راجع اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی یعنی دلّ میں ھو ضمیر فاعل ہے اور وہ مذکر ہے جو لوٹ رہی ہے کلمہ کی طرف جو کہ مؤنث ہے۔

لفظ ما کا حل:۔

ا سے مراد کلمہ ہی ہے۔

عتراض:۔ پھر راجع اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی۔

ۋاب:۔ دلّ کے اندر جو ضمیر ہے وہ لفظ ما کی طرف لوٹ رہی ہے نہ کہ کلمہ کی طرف جو کہ ما سے مراد لیا گیا ہے لہٰذا راجع اور مرجع میں مطابقت پائی گئی۔

فائدہ:۔ دوال اربعہ کی تفصیل

عقود:۔ انگلیوں کے مخصوص اشارے ہیں جن سے گنتی کی جاتی ہے۔

خطوط:۔ ریت میں راستے کے نشان کو ظاہر کرنے کیلئے کھود کر نہریں بنائی جاتی ہیں ان کو خطوط کہتے ہیں۔

نصب:۔ پہاڑی راستوں میں نشان کیلئے پتھروں سے منارہ سا بنایا جاتا ہے اسے نصب کہتے ہیں۔

اشارات:۔ جیسے ہاں یا نہیں کے لئے سر کو اوپر نیچے اور دائیں یا بائیں ہلا دیا جاتا ہے۔

من خواصه

خواص جمع ہے خاص کی اور خاص کہتے ہیں **خاصة الشئی ما یوجد فیه ولا یوجد فی غیره**

سوال:۔ خواص جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس سے کم پر نہیں ہوتا حالانکہ مصنفؒ نے کتاب میں صرف پانچ خاصیات بیان کی ہیں یہ کیوں؟ دوسری بات یہ ہے کہ مصنفؒ اختصار کو پسند کرتے ہیں تو یہاں پر من لانے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف ''خواصه'' کر دیتے۔

جواب:۔ ۱) جمع کثرت کا صیغہ لاکر اشارہ فرمایا کہ اسم کے خواص بہت زیادہ ہیں بعض نے تیس 30 تک بتائے ہیں اور شروع میں من تبعیضیہ لاکر اشارہ کیا کہ ان میں سے بعض یہاں ذکر ہیں اور باقی ذکر نہیں ہیں۔

سوال:۔ اسم کے باقی خواص کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب:۔ طالبعلم کی جدو جہد اور شوق پر چھوڑ دیا کہ دیکھتے ہیں آپ کتنی خاصیات معلوم کرتے ہیں۔

اعتراض:۔ خاصہ کی تعریف تو یہ ہے کہ **ما یوجد فیه ولا یوجد فی غیره** حالانکہ لام تو جیسے اسم میں آتا ہے اسی طرح فعل میں بھی آتا ہے جیسے **لیضرب** پس لام اسم کی خاصیت نہ ہوا۔

جواب:۔ لام سے مراد لام تعریف ہے اور فعل پر جو لام داخل ہوتا ہے وہ یا تو لام امر ہوتا ہے یا لام تاکید ہوتا ہے۔

سوال:۔ جیسے لام تعریف کیلئے آتا ہے اسی طرح میم بھی تعریف کیلئے آتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب ایک دیہاتی نے حضور ﷺ سے پوچھا **أمن امبر امصیام**

فی امسفر (کیا سفر کے دوران روزہ رکھنا ثواب ہے؟) تو نبی کریم ﷺ نے جواب میں فرمایا! لیس من امبر امصیام فی امسفر (کہ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے) تو حرف تعریف کیوں نہیں کہا تا کہ میم بھی داخل ہو جاتا؟

جواب:۔ ۱) میم تعریف کے لئے بہت کم آتا ہے۔ ۲) فصیح زبان میں میم تعریف کیلئے نہیں آتا۔

سوال:۔ نبی کریم ﷺ سے زیادہ فصیح کون ہو سکتا ہے جب حضور ﷺ نے استعمال فرمایا ہے تو آپ کیسے کہتے ہیں کہ میم فصیح زبان میں تعریف کے لئے نہیں آتا؟

جواب:۔ نبی کریم ﷺ اس بدّو کی اپنی زبان میں جواب دینا چاہتے تھے اس لئے جیسے اس بدّو نے الفاظ استعمال کیے تھے ویسے ہی حضور ﷺ نے الفاظ استعمال فرمائے۔

سوال:۔ اگر لام اسم کی خاصیت میں سے ہے تو پھر یہ لام اس کے بعض افراد سے جدا کیوں ہوتا ہے؟ بلکہ اسم کے بعض افراد کے ساتھ اس لام کا جمع ہونا ممتنع ہے جیسے اسمائے اشارات اور ضمائر وغیرہ۔

جواب:۔(۱) خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔ ① شاملہ ② غیر شاملہ۔

خاصہ شاملہ:۔ جو تمام افراد کو شامل ہو جیسے کتابت بالقوۃ انسان کے لئے۔

خاصہ غیر شاملہ:۔ جو تمام کو شامل نہ ہو بلکہ بعض افراد کو شامل ہو جیسے کتابت بالفعل انسان کیلئے، اور اسم پر لام کا دخول غیر شاملہ میں سے ہے۔

جواب:۔(۲) دوسرا یہ کہ لام اسمائے اشارات وغیرہ میں اس لئے نہیں آتا کہ یہ لام تعریف کے لئے آتا ہے اور اسمائے اشارات وغیرہ پہلے ہی سے معرفہ ہیں اب اگر لام کو داخل کریں گے تو تحصیل حاصل لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں ہے۔

سوال:۔ حرف تعریف صرف لام ہے یا الف لام دونوں ہیں؟

جواب:۔اس میں تین قول ہیں۔

① امام سیبویہؒ کا قول:۔ امام سیبویہؒ کے نزدیک صرف لام حرف تعریف ہے اور شروع میں جوالف ہے وہ لام کے ساکن ہونے کی وجہ سے تکلم نہ ہونے کی بنا پر لایا گیا ہے۔ (کیونکہ ابتداء بالسکون محال ہوتا ہے)

② امام خلیلؒ کا قول:۔ امام خلیلؒ کے ہاں الف اور لام دونوں حرف تعریف ہیں۔

③ امام مبردؒ کا قول:۔ امام مبردؒ کے ہاں صرف الف حرف تعریف ہے اور لام جو اس کے بعد لایا گیا ہے وہ اس لئے تا کہ ہمزہ تعریف اور ہمزہ استفہامیہ میں فرق ہو جائے۔

سوال:۔ لام اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب:۔(۱) لام تعریف کیلئے آتا ہے اور تعریف و تنکیر اسم کے ساتھ خاص ہے۔ (حاشیہ زینی)

(۲) لام کو ایسے معنی مستقل کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ لفظ کے ساتھ اس کی دلالت مطابقی ہو اور یہ بات صرف اسم میں پائی جاتی ہے بخلاف حرف اور فعل کے، کیونکہ حرف تو اس لئے کہ وہ اپنے معنی میں مستقل ہی نہیں ہوتا اور فعل اپنے معنی میں مستقل تو ہوتا ہے مگر لفظ کے ساتھ اس کی دلالت تضمنی ہوتی ہے۔

جرّ

جر بھی اسم کے خواص میں سے ہے اور یہ اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ ''جر'' حروف جارہ کی وجہ سے آتا ہے اور جر اثر ہے حرف جر کا، اور چونکہ حرف جر اسم کا خاصہ ہے اس وجہ سے جر بھی اسم کا خاصہ ہوا۔

سوال:۔ حرف جر اسم کا خاصہ کیوں ہے؟

جواب:۔ جر کے معنی کھینچنے کے آتے ہیں یہ بھی فعل کے معنی کو کھینچ کر اسم تک پہنچاتے ہیں، اس لئے یہ اسم کا خاصہ ہے جیسے مررت بزیدٍ۔

تنوین

اسم کی خاصیات میں سے ایک تنوین بھی ہے اور وہ اس وجہ سے کہ تنوین کی کل پانچ قسمیں ہیں۔

① تمکن:۔ جو اسم کے منصرف ہونے پر دلالت کرنے کیلئے آتی ہے۔ جیسے زیدٌ.

② تنکیر:۔ جو اسم کے نکرہ ہونے پر دلالت کرنے کیلئے آتی ہے۔ جیسے صہٍ اس کا معنی ہے اسکت سکوتاً ما فی وقتٍ ما۔ یعنی کسی بھی وقت خاموش ہو جاؤ۔ اور اگر اس پر تنوین نہ ہوتی تو اس کے معنی یہ ہوتے اسکت السکوت الآن یعنی ابھی خاموش ہو جاؤ۔

③ عوض:۔ جو کہ مضاف الیہ کے بدلے میں آتی ہے جیسے یومئذٍ یہاں ذال پر جو تنوین ہے یہ مضاف الیہ کے حذف ہونے کی وجہ سے آئی ہے اصل میں یوم اذ کان کذا تھا۔

④ مقابلہ:۔ یہ وہ تنوین ہے جو جمع مذکر سالم کے نون کے بدلے میں جمع مؤنث سالم کے آخر میں آتی ہے۔ جیسے مسلماتٍ.

⑤ ترنم:۔ یہ وہ تنوین ہے جو ابیات اور مضارع کے آخر میں ہوتی ہے۔ جیسے

اَقلی اللومَ عاذلُ و العتابن　　وقولی اِن اصبتُ لقد اصابن

اس شعر میں عتابن اور اصابن کا جو نون ہے یہ تنوین ترنم ہے جو نون سے بدل دیا گیا ہے۔

ان میں پہلی چار قسمیں اسم کے خواص میں سے ہیں اور آخری قسم اسم اور فعل دونوں میں آتی ہے۔

سوال:۔ جب تنوین ترنم اسم کی خاصیت نہیں تو مطلقاً تنوین کو اسم کی خاصیت کیوں قرار دیا؟

جواب:۔ چونکہ اس کی اکثر قسمیں بلکہ ایک کے علاوہ باقی سب اسم کے خواص میں سے تھیں تو للاکثر حکم الکل کے قاعدے کے تحت مطلقاً تنوین کو اسم کی خاصیت قرار دیا

اضافت

اضافت بھی اسم کا خاصہ ہے اور یہ اس لئے کہ اس کے لوازم تعریف، تخصیص، تخفیف یہ سب اسم کے خاصیات میں سے ہیں۔ تو جب لازم اسم کا خاصہ ہے تو ملزوم بھی اسم کا خاصہ ہوگا۔

اسناد الیہ

اسناد الیہ بھی اسم کی خاصیات میں سے ہے اور یہ اس لئے کہ اسناد الیہ اسے کہتے ہیں جو اپنے معنی پر مستقل ہو اور مسند الیہ ہو، حرف تو اپنے معنی میں مستقل ہی نہیں ہوتا فعل اگر چہ اپنے معنی میں مستقل تو ہوتا ہے مگر واضع نے فعل کو وضع ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ مسند ہو اب ہم اگر فعل کو مسند الیہ بنائیں تو یہ واضع کی وضع کے خلاف لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

وهو معرب و مبنی

اسم کی تعریف اور اس کے خواص ذکر کرنے کے بعد اب اس کی تقسیم بیان کر رہے ہیں اس کی دو قسمیں ہیں۔ ① معرب ② مبنی

یہاں پر چار باتیں یاد کرنے کی ہیں۔

① عبارت کی ترکیب ② معرب کو معرب کیوں کہتے ہیں؟ ③ مبنی کو مبنی کیوں کہتے ہیں؟ ④ معرب کو مبنی پر مقدم کیوں کیا؟

ترکیب:۔ ھو مبتداء معرب ومبنی اس کی خبر، مبتداء اپنی خبر کے ساتھ ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اعتراض:۔ھو عام ہے معرب ومبنی یہ خاص ہیں اور خبر کا حمل مبتداء پر ہوتا ہے اس صورت میں خبر مبتداء کے تمام افراد کو شامل ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اسم کے تمام افراد معرب ہیں، اسم کے تمام افراد مبنی ہیں۔تو یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ نہ تو اسم کے تمام افراد معرب ہیں اور نہ ہی مبنی۔ بلکہ اسم کے بعض افراد معرب ہیں اور بعض مبنی۔

جواب:۔ھو کی خبر معرب اور مبنی نہیں بلکہ اس کی خبر محذوف ہے اور وہ ہے نوعان ۔معرب اور مبنی خبر ہیں مبتداء محذوف کیلئے۔اس کی عبارت یوں ہے اولھما معرب و ثانیھما مبنی

سوال:۔سوال معرب کو معرب کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ معرب مشتق ہے اعراب سے اور اعراب کے معنی ہیں اظہار کے اور معرب میں بھی معنی کے اظہار کے لئے علامتیں ہوتی ہیں پس معرب مرفوع ہو تو معلوم ہوگا کہ اس میں (مثلاً) فاعلیت کے معنی ہیں، اور منصوب ہو تو مفعولیت کے معنی ہیں، جبکہ مبنی کی ایک ہی حالت ہوتی ہے اس لئے اس میں فاعلیت یا مفعولیت کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔

سوال:۔ مبنی کو مبنی کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ مبنی ''بنا'' سے مشتق ہے جس کے معنی مستحکم اور عدم تغیر کے ہیں اور مبنی کا آخر بھی عوامل کے بدلنے سے متغیر نہیں ہوتا اس لئے مبنی کو مبنی کہتے ہیں۔

سوال:۔ معرب کو مبنی پر کیوں مقدم کیا؟

جواب:۔ (ا) معرب کی ابحاث بہت زیادہ ہیں اور مبنی کی کم اس لئے معرب کو مقدم کیا۔

(۲) معرب مبنی سے زیادہ اشرف ہے اس لئے کہ معرب میں اظہار معانی کے لئے علامتیں ہوتی ہیں (جیسے رفع ،نصب ،جر)اور جہاں پر غرض کا حصول ظاہری علامات سے ہو وہ اشرف ہوتا ہے اور مبنی میں کوئی ظاہری علامت نہیں ہوتی جبکہ معرب میں ظاہری علامات موجود ہیں اس وجہ سے معرب کو مبنی پر مقدم کیا۔

فالمعرب المركب الذي ......

مصنفؒ اسم کی تقسیم کے بعد اسم کی اقسام کی تفصیل ذکر فرما رہے ہیں۔

اعتراض :۔ معرب اعراب سے مشتق ہے اور اعراب مشتق منہ ہے جو کہ اصل ہوتا ہے اور اصل کو مقدم کیا جاتا ہے مگر مصنفؒ نے معرب کو اعراب پر کیوں مقدم کیا؟

جواب :۔ معرب محل ہے اور اعراب حال ہے تو عقلی اور نقلی طور پر محل حال سے مقدم ہوتا ہے تو مصنفؒ نے ذکری طور پر بھی محل کو مقدم کیا تاکہ عقل اور ذکر میں مطابقت ہو جائے۔

اعتراض :۔ معرب کی تعریف میں مرکب کالانا صحیح نہیں اس لئے کہ معرب اسم کی اقسام میں سے ہے اور اسم کلمہ کی اقسام میں سے ہے اور کلمہ کے مفہوم میں افراد کا لحاظ کیا جاتا ہے اور افراد و ترکیب میں منافات ہے لہٰذا معرب کی صفت المرکب لانا درست نہیں۔

جواب :۔ یہاں مرکب سے لغوی مرکب مراد ہے یعنی ایک چیز دوسری چیز سے ملی ہوئی ہو اور اس معنی کے اعتبار سے مرکب اور مفرد میں کوئی منافات نہیں۔

اعتراض :۔ پھر ضرب زید پر بھی آپ کی تعریف صادق آتی ہے کیونکہ یہ مرکب بھی ہے اور مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ بھی نہیں۔

جواب :۔ مرکب سے ہماری مراد اسم مرکب ہے کیونکہ یہاں تعریف ہی اسم معرب کی ہو رہی ہے مطلقاً معرب کی نہیں اور ضرب اسم نہیں بلکہ فعل ہے۔

وحکمه ...... الخ

اعتراض:۔آپ نے کہا کہ معرب کا اثر یہ ہے کہ عوامل کے مختلف ہونے سے اس کا آخر بدلتا رہے مگر جاء نی زیدٌ ، رأیت زیداً، مررت بزیدٍ میں ہر ایک کے آخر میں حرف دال باقی ہے وہ تو بدلا ہی نہیں۔

جواب:۔اختلاف کی دوقسمیں ہیں (۱) ذاتی (۲) وصفی

اختلاف ذاتی:۔ وہ اختلاف ہے کہ ایک حرف کے بدلے میں دوسرا حرف آجائے جیسے جاء ابوک،رایت اباک، مررت بابیک وغیرہ

اختلاف وصفی:۔ وہ اختلاف ہے کہ ایک حرکت کے بدلے میں دوسری حرکت آجائے، جیسے جاء نی زیدٌ، رایت زیداً، مررت بزیدٍ وغیرہ

اور یہاں پر اختلاف وصفی ہوا ہے ذاتی نہیں۔

اعراب کی قسمیں:۔

اعراب کی دوقسمیں ہیں ایک اعراب بالحرف اس کو اختلاف ذاتی بھی کہتے ہیں اور دوسرا اعراب بالحرکت اس کو اختلاف وصفی بھی کہتے ہیں ۔اختلاف ذاتی وہاں ہوگا جہاں اسم معرب ہو حروف کے ساتھ جیسے جاء ابوک، رایت اباک وغیرہ اور اختلاف وصفی وہاں ہوگا جہاں اسم معرب بالحرکت ہو یعنی حرکت کے ساتھ معرب ہو جیسے جاء نی زیدٌ ، رایت زیداً۔

اعتراض:۔آپ نے یہ کہہ دیا کہ جہاں اعراب بالحرف ہوگا وہاں اختلاف ذاتی ہوگا تو ہم آپ کو ایک ایسا اسم بتاتے ہیں کہ جس میں اختلاف ذاتی نہیں حالانکہ وہ معرب بالحرف

ہے جیسے رایت مسلمین ،مررت بمسلمین ، یہاں پر عامل تو بدل گیا مگر معرب نہیں بدلا یعنی دونوں حالتوں (نصبی و جری) میں مسلمین ہی رہا جبکہ معرب بالحرف ہے معرب بالحرکت نہیں۔

جواب:۔ اختلاف ذاتی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی ، (۲) حکمی

جمع مذکر سالم میں حقیقتا تو نہیں مگر حکماً بدل گیا ہے یعنی اختلاف ذاتی حکمی ہے حقیقی نہیں۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا جو معرب بالحرکت ہو تو وہاں اختلاف وصفی ہوگا لیکن غیر منصرف میں اختلاف وصفی نہیں ہوتا جبکہ وہ معرب بالحرکت ہے جیسے مررت بعمرَ.

جواب:۔ یہاں لفظاً جر نہیں ہے مگر حکماً اور تقدیراً موجود ہے۔

العوامل

اعتراض:۔ عوامل جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معرب پر جب تین عوامل آئیں گے تو اس کا آخر بدلے گا ورنہ نہیں لیکن جاء زیدٌ اور رایت زیداً میں عامل ایک ہے مگر اس کا آخر بدل گیا ہے۔

جواب:۔ العوامل پر الف لام جنس کا ہے اور جب جمع پر الف لام جنسی داخل ہوتا ہے تو اس کی جمعیت کو ختم کر دیتا ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ معرب پر کوئی ایک عامل بھی داخل ہو جائے تو اس کا آخر بدل جائے گا۔

اعراب

مصنفؒ اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد اب ''ما بہ الاختلاف'' یعنی جس سے اختلاف واقع ہوتا ہے اس کو ذکر فرما رہے ہیں۔

سوال:۔ الاعراب مبتداء ہے اور ما اس کی خبر ہے اور یہ دونوں معرفہ ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ

جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو ان دونوں کے درمیان "ضمیر فصل" لائی جاتی ہے تو یہاں پر کیوں نہیں لائی گئی؟

جواب:۔ یہاں ما سے مراد یا تو حروف ہیں یا حرکت اور یہ دونوں نکرہ ہیں اس لئے ان میں ضمیر فصل لانے کی ضرورت نہیں۔

المعتورة

سوال:۔ المعتورة، اعتور سے ہے اور یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے تو اس کو "علیٰ" کے ذریعہ متعدی کیوں کیا؟

جواب:۔ یہاں صنعت تضمین ہوئی ہے۔

سوال:۔ صنعت تضمین کسے کہتے ہیں؟

جواب:۔ ایک فعل یا شبہ فعل کا اس طرح ہونا کہ اس کے اندر دوسرے فعل یا شبہ فعل کا معنی موجود ہو اور اس دوسرے فعل یا شبہ فعل کا صلہ جو آ سکتا ہو اس کو اس پہلے فعل کے ساتھ ملا دینا جیسے یہاں پر المعتورۃ کے صلہ میں اگر چہ علیٰ نہیں آتا لیکن چونکہ "المعتورۃ" "الواردۃ" کے معنی میں ہے اور الواردۃ کے صلہ میں علیٰ آ سکتا ہے اس لئے المعتورۃ کے صلہ میں بھی علیٰ کو لایا۔

و انواعه رفعٌ و نصبٌ و جرٌ

مصنفؒ اعراب کی تعریف کرنے کے بعد اعراب کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں تو اعراب کی تین قسمیں ہیں:۔ رفع، نصب، جر

سوال:۔ اعراب تو کل چار ہیں رفع، نصب، جر، جزم۔ تو مصنفؒ نے صرف تین کو ذکر کیوں کیا؟

جواب:۔ مصنفؒ یہاں پر اسم کے اعراب ذکر فرما رہے ہیں، نہ کہ مطلق اعراب، تو اسم میں صرف یہی تین اعراب آتے ہیں اس لئے ان تینوں کو ذکر فرمایا۔

اعراب کی تقسیم از ابن ہشام

ابن ہشامؒ فرماتے ہیں کہ اعراب کی چار قسمیں ہیں۔ رفع، نصب، جر اور جزم، ان میں سے رفع اور نصب اسم اور فعل دونوں میں مشترک ہیں، یعنی رفع اور نصب اسم اور فعل دونوں میں آتے ہیں جیسے رفع کی مثال زیدٌ یقوم، نصب کی مثال جیسے ان زیداً لن یقوم اور جر خاص ہے اسم کے لئے جیسے مررت بزیدٍ اور جزم خاص ہے فعل کے لئے جیسے اضربْ، لیضربْ.

سوال:۔ یہاں پر رفع، نصب، جر کہہ یا اعراب بالحروف کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب:۔ رفع، نصب، جر کہنے سے اعراب بالحرکت اور بالحروف دونوں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ رفع، نصب، جر کا اطلاق جس طرح اعراب بالحرکت پر ہوتا ہے اسی طرح اعراب بالحروف پر بھی ہوتا ہے۔

سوال:۔ رفع، نصب، جر اور ضمہ، فتحہ، کسرہ میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ رفع نصب اور جر معرب کے لئے خاص ہیں اور ضمہ، فتحہ اور کسرہ مبنی کیلئے۔ مگر بعض دفعہ یہ معرب پر بھی آتے ہیں (یعنی ان کا اطلاق حرکات بنائیہ اور اعرابیہ دونوں پر ہوتا ہے البتہ ضم، فتح اور کسر (یعنی آخر میں تا نہ ہو تو) یہ مبنی کے ساتھ خاص ہیں۔

سوال:۔ رفع کو رفع، نصب کو نصب اور جر کو جر کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ رفع...... ۱) رفع کو رفع اس لئے کہتے ہیں کہ رفع کے معنی بلندی کے ہیں اور اس کو تلفظ کرتے وقت نچلے ہونٹ اوپر کو اٹھ جاتے ہیں یعنی بلند ہوتے ہیں۔ ۲) رفع

اپنے اخوین (نصب اور جر) سے بلند ہوتا ہے کیونکہ رفع فاعل پر آتا ہے اور فاعل کے بغیر کلام تمام نہیں ہوتا (یعنی فاعل کلام میں عمدہ ہوتا ہے) اس لئے رفع کو رفع کہتے ہیں۔

نصب...... نصب کا معنی ہے کھڑا ہونا اور نصب کو ادا کرتے وقت دونوں ہونٹ اپنی جگہ پر کھڑے رہتے ہیں۔

جر)...... ۱) جر کے معنی کھینچنے کے آتے ہیں اس کے ادا کرتے وقت نیچے والے ہونٹ نیچے کھنچ جاتے ہیں۔ ۲) یہ فعل کے معنی کو کھینچ کر اسم تک لیجاتا ہے اس لئے اس کو جر کہتے ہیں۔

فالرفع علم الفاعلية، والنصب علم المفعولية، والجر علم الاضافة۔

سوال:۔ یہاں فاعلیت اور مفعولیت میں تو ''یا'' مشددہ لائے ہیں اور ''الاضافۃ'' میں ''یا'' کیوں نہیں لائے؟ یوں کہہ دیتے کہ **والجر علم الاضافية**

جواب:۔ یہاں پر ہمیں معنی مصدری مطلوب تھا اس لئے فاعلیۃ اور مفعولیۃ لائے اور اضافت میں چونکہ پہلے ہی سے معنی مصدری پایا جاتا ہے اس لئے وہاں ''یا'' نہیں لائے۔

مذکورہ عبارت کا ترجمہ:۔

پس رفع فاعل ہونے کی علامت ہے اور نصب مفعول ہونے کی علامت ہے اور جر اضافت کی علامت ہے یعنی (مضاف الیہ کی)

سوال:۔ رفع کو فاعل کیلئے نصب کو مفعول کے لئے اور جر کو اضافت کے لئے خاص کیوں کیا؟

جواب:۔ رفع...... فاعل کے افراد چونکہ قلیل تھے اور رفع حرکات میں ثقیل تھی تو اس لئے

رفع فاعل کو دیدیا کیونکہ یہ بہت کم آتا ہے، ہم نے کہا کہ یہ کبھی کبھی آتا ہے چلو اس ثقل کو برداشت کرلے گا اس لئے رفع کو فاعل کے لئے خاص کردیا۔

نصب...... مفعولیت کے افراد چونکہ زیادہ تھے تو نصب ان کو دیدیا کیونکہ یہ اخف الحرکات ہے۔

جر...... چونکہ رفع فاعل کو دیا تھا اور نصب مفعول کو اب صرف جر باقی تھا، اس لئے اضافت کیلئے جر کو خاص کردیا۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ رفع فاعل کے لئے خاص ہے حالانکہ مبتداء، خبر، خبر انّ، اسم کان، وغیرہ بھی مرفوع ہوتے ہیں، حالانکہ وہ فاعل نہیں۔

جواب:۔ حقیقتاً فاعل تو نہیں لیکن حکماً ضرور ہیں وہ اس طرح کہ جس طرح فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی مسند الیہ ہوتے ہیں یا جس طرح فاعل جملے کا جز ثانی ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی جملے کا جز ثانی واقع ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔ (انشاءاللہ)

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ نصب کو مفعول کے لئے خاص کیا ہے حالانکہ تمیز، حال، اسم انّ، خبر کان، وغیرہ بھی منصوب ہوتے ہیں جبکہ وہ مفعول نہیں۔

جواب:۔ حقیقتاً تو مفعول نہیں لیکن حکماً ضرور ہیں اس لئے کہ جس طرح مفعول کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی کلام کے تمام ہونے کے بعد واقع ہوتے ہیں۔

سوال:۔ مصنفؒ نے الاعراب مااختلف آخرہ بہ لیدل میں متعلق کو مؤخر کیا ہے اور اس کے عامل کو مقدم کیا ہے لیکن العامل مابہ یتقوم میں متعلق کو عامل سے مقدم کیا ہے ایسا کیوں کیا ہے؟

جواب:۔ حصر کے لئے، چونکہ اعراب کی تعریف یہ کی ہے کہ اسم کا آخر اس کی وجہ سے مختلف ہو جائے تو آخر عامل کی وجہ سے بھی بدلتا ہے اسلئے وہاں پر متعلق کو اپنی اصلی جگہ پر رکھا اور عامل کی تعریف میں چونکہ حصر کی ضرورت تھی کیونکہ معنی مقتضی للاعراب منحصر ہے عامل کیلئے اس لئے متعلق کو مقدم کیا تا کہ حصر کا معنی پایا جائے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ **التقدیم ماحقه التاخیر یفید الحصر والاختصاص۔**

سوال:۔ یتقوم کے معنی قائم ہونے کے ہیں اور یہ ذی روح کے لئے آتا ہے تو یہاں پر یتقوم کیوں استعمال کیا؟

جواب:۔ یتقوم بمعنی تحصل کے ہے۔

فالمفرد المنصرف، والجمع المكسر المنصرف بالضمه رفعاً

مصنفؒ اعراب کی قسموں کو بیان کرنے کے بعد اب ان کی تقسیم بیان فرما رہے ہیں کہ کون سا اعراب کس پر آئے گا، تو سب سے پہلے بتا دیا کہ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کو حالت رفعی میں ضمہ، حالت نصبی میں فتحہ اور حالت جری میں کسرہ دیا جائیگا۔

سوال:۔ اعراب کی دو قسمیں ہیں۔ ۱) اعراب بالحرکت ۲) اعراب بالحرف، ان میں اعراب بالحرکت کو مقدم کیوں کیا؟

جواب:۔ اعراب بالحرکت اصل ہے اور اعراب بالحرف فرع ہے اس لئے اعراب بالحرکت کو مقدم کیا۔

فائدہ:۔ مفرد کا لفظ چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ ۱) مرکب کے مقابلے میں آتا ہے۔ ۲) جملہ کے مقابلے میں آتا ہے۔ ۳) تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے۔ ۴) مضاف کے مقابلے میں آتا ہے۔

عبارت میں فصول:۔ عبارت میں مفرد کی قید سے مرکبات نکل گئے اور منصرف کہنے سے غیر منصرف نکل گیا ان کے اعراب بعد میں آئیں گے جمع مکسر کہنے سے جمع سالم خارج ہوگئی اور منصرف کہنے سے غیر منصرف خارج ہوگیا، کیونکہ ان کے اعراب آگے آرہے ہیں۔

سوال:۔ ان اعراب کو مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کیلئے کیوں خاص کیا؟

جواب:۔ اعراب میں سے اعراب بالحرکت اصل ہے اور حالات میں اصل یہ ہے کہ حالات ثلاثہ میں حرکات ثلاثہ آجائیں، یعنی حالت رفع، نصب اور جر کے لئے الگ الگ اعراب آئیں۔ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف بھی اصل تھے اس لئے ان اعراب کو ان کے ساتھ خاص کردیا۔

سوال:۔ مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف کس طرح اصل ہیں؟

جواب:۔ مفرد منصرف اور جمع مکسر اصل اس طرح ہیں کہ مفرد اصل ہے تثنیہ وجمع کے اعتبار سے اور منصرف اصل ہے غیر منصرف کے اعتبار سے اور جمع مکسر منصرف اصل ہے جمع مکسر غیر منصرف کے اعتبار سے۔

جمع المؤنث السالم بالضمة والكسرة

جمع مؤنث سالم اس وقت بنتی ہے جب اس کے واحد میں الف اور تاء بڑھا دیا جائے چاہے اس کا واحد مذکر ہو یا مؤنث جیسے مسلمات جس کی واحد مسلمة آتی ہے اور مرفوعات جس کی واحد مرفوع آتی ہے۔

سوال:۔ جمع مؤنث سالم کی حالت نصبی حالت جری کے تابع کیوں کردی؟

جواب:۔ جمع مؤنث سالم جمع مذکر سالم کی فرع ہے کیونکہ اصل (جمع مذکر سالم) میں نصب، جر کا تابع تھا اس لئے فرع میں بھی نصب کو جر کا تابع کردیا۔ اصل میں کیوں تابع

کیا تھا اس کا جواب جمع مذکر سالم کے اعراب میں آئے گا۔

سوال:۔ جمع مؤنث سالم فرع تھی تو فرع کو اصل سے مقدم کیوں کیا؟

جواب:۔ تقدیم اور تاخیر میں ہم نے اعراب کا لحاظ کیا ہے چونکہ اعراب میں اصل اعراب بالحرکت ہے اس لئے جمع مؤنث سالم کو مقدم کیا کیونکہ اس میں اعراب بالحرکت ہے۔

سوال:۔ جمع مؤنث سالم کو غیر منصرف سے مقدم کیوں کیا؟ جبکہ غیر منصرف میں بھی اعراب بالحرکت ہے۔

جواب:۔ اس لئے کہ جمع مؤنث سالم اپنی اصل سے اتنی خالف نہیں جتنا کہ غیر منصرف اپنی اصل سے مخالف ہے کیونکہ غیر منصرف میں ایک حرکت بھی نہیں آتی اور تنوین بھی نہیں آتی وغیرہ۔

غیر المنصرف بالضمة والفتحة

سوال:۔ غیر منصرف میں حالت جری، حالت نصبی کے تابع کیوں ہے؟

جواب:۔ غیر منصرف فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے چونکہ فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی اس لئے اس کے (غیر منصرف کے) جر کو نصب کے تابع کر دیا۔

سوال:۔ حالتِ جری کو حالت رفعی کے تابع کیوں نہیں کیا حالت رفعی کے تابع کیوں کیا؟

جواب:۔ رفع اور جر میں منافات اور تباین پایا جاتا ہے اسلئے یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ رفع عمدہ پر آتا ہے اور جر فضلہ پر اور نصب اور جر میں تناسب ہے کیونکہ نصب بھی فضلہ پر آتا ہے اور جر بھی فضلہ پر آتا ہے۔ اس لئے حالت جری کو حالت رفعی کا تابع نہیں کیا۔

سوال :۔ جب غیر منصرف منصرف کی فرع ہے تو اس کو اعراب فرعی یعنی اعراب بالحرف کیوں نہیں دیا؟

جواب :۔ یہ اعراب بھی فرعی ہیں کیوں کہ وہ اعراب جس کے حالات ثلاثہ میں صرف دو اعراب آئیں وہ فرع ہے بنسبت اس اعراب کے کہ جس کے حالات ثلاثہ میں حرکات ثلاثہ آئیں۔

فائدہ :۔ ابوک، اخوک، حموک، ھنوک، فوک، ذو مال، میں سے پہلے چار ناقص واوی ہیں پانچواں اجوف واوی ہے اور آخری لفیف مقرون ہے۔

سوال :۔ ناقص واوی کو اجوف واوی اور لفیف مقرون سے کیوں مقدم کیا؟

جواب :۔ کثرت استعمال کی وجہ سے، کیونکہ کلام میں ناقص واوی کثیر الاستعمال ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔

سوال :۔ حموکِ کے کاف کے نیچے کسرہ کیوں ہے؟ یعنی ضمیر مؤنث کی کیوں لائی ہے حالانکہ باقی سب کے کاف پر فتحہ ہے۔

جواب :۔ چونکہ یہ لفظ خاوند کی طرف سے عورت کے جو رشتہ دار ہیں ان پر بولا جاتا ہے اس لئے کاف پر کسرہ لگا دیا۔ جیسے سسر، دیور وغیرہ

سوال :۔ ان تمام اسماء کی اضافت ضمائر کی طرف ہے اور ذو کی اضافت اسم جنس کی طرف کیوں ہے؟

جواب :۔ ذو کو اس بات کے لئے وضع کیا گیا ہے کہ یہ اسم جنس کو کسی کے لئے صفت بنا دے اس لئے اس کی اضافت اسم جنس کی طرف کر دی۔

اسمائے ستہ مکبرہ میں اعراب کے لئے شرائط :۔

اسمائے ستہ مکبرہ میں اعراب بالحرف تب آئے گا جب ان میں چار شرطیں پائی جائیں ورنہ ان کے اعراب اعراب بالحروف نہیں ہونگے اور وہ شرطیں درج ذیل ہیں۔

(۱) مکبرہ:۔ مکبرہ ہوں مصغرہ نہ ہوں ورنہ ان کے اعراب اعراب بالحرکت لفظی ہوں گے جیسے جاء نی ابیٌک رأیت ابیًک مررت بابیِک.

(۲) موحدہ:۔ موحدہ ہوں تثنیہ وجمع نہ ہوں ورنہ تثنیہ کے اعراب ہوں گے جیسے جاء نی اخواک، رأیت اخوَیک مررت باخوَیک۔

(۳) مضاف:۔ مضاف ہوں اگر مضاف نہ ہوں تو اس کے اعراب اعراب بالحرکت لفظی ہوں گے جیسے جاء نی ابٌ، رأیت اباً، مررت بابٍ۔

(۴) مضاف الیٰ غیر یاءِ متکلم ہوں:۔ یائے متکلم کی طرف اضافت نہ ہو ورنہ اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا جیسے جاء نی اخی، رأیت اخی، مررت باخی۔

اتفاقی مثال: جاء نی ابوک رأیت اباک مررت بابیک۔

المثنیٰ و کلا مضافا الیٰ مضمر واثنان و اثنتان

مصنفؒ ابھی ان اسماء کا تذکرہ فرمارہے ہیں جن کے حالات ثلاثہ میں صرف دو حرف آتے ہیں۔

سوال:۔ مثنیٰ سے مراد مثنیٰ کے افراد ہیں تو پھر کلا اور اثنان واثنتان کو کیوں ذکر کیا؟

جواب:۔ یہ کلا اور اثنان وغیرہ مثنیٰ کے افراد نہیں ہیں کیونکہ مثنیٰ وہ ہوتا ہے جسکے مفرد کے آخر میں الف اور نون بڑھادیا ہو جیسے رجلٌ سے رجلانِ وغیرہ لیکن کلا وغیرہ کا کوئی مفرد نہیں آتا اسلئے یہ مثنیٰ کے لواحقات میں سے ہیں حقیقت میں مثنیٰ نہیں یعنی شکل وصورت میں یہ مثنیٰ کے مشابہ ہیں اس لئے ان کو مثنیٰ کے اعراب دے دیئے ہیں۔

سوال :۔ کلا کوذکر کیا کلتا کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب :۔ کلا اصل ہے اور کلتا فرع ہے اصل کو ذکر کر کے فرع کو ترک کر دینا جائز ہے۔

سوال :۔ اثنان اصل اور اثنتان فرع دونوں کو کیوں ذکر کیا؟

جواب :۔(۱) بعض نسخوں میں اثنتان کو ذکر نہیں کیا ہے پھر تو کوئی اشکال ہی نہ رہا۔

جواب :۔(۲) اسمائے عدد اکثر قیاس کے مخالف ہوتے ہیں جیسے **ثلاثة رجالٍ** اور **ثلاث نساءٍ** اسلئے مصنفؒ نے دونوں کو صراحتاً ذکر فرمایا کہ یہاں پر کوئی اختلاف نہیں دونوں کے اعراب ایک جیسے ہیں۔

جواب :۔(۳) پہلی صورت یعنی کلا میں اصل کو ذکر اور فرع کو ترک کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اصل کو ذکر کر کے فرع کو ترک کر دینا درست ہے اور دوسری صورت اثنان میں اصل اور فرع دونوں ذکر کر کے اشارہ کر دیا کہ اصل اور فرع دونوں کو ذکر کرنا اولیٰ ہے اگرچہ فرع کو ترک کر دینا بھی جائز ہے۔

سوال :۔ کلا کے ساتھ مضاف کی شرط کیوں لگائی؟

جواب :۔ کلا میں دو اعتبار ہیں (۱) باعتبار لفظ کے یہ مفرد ہے۔ (۲) باعتبار معنیٰ کے یہ تثنیہ ہے، ان دونوں میں سے مفرد تقاضا کرتا ہے کہ اس میں اعراب بالحرکت آ جائے اور باعتبار معنیٰ کے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان میں اعراب بالحرف ہو، تو ہم نے دونوں کا اعتبار کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ اگر یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب تثنیہ والا ہوگا اور اگر اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا جیسے **جاء نی كلا الرجلين، رأيت كلا الرجلين ، مررت بكلا الرجلين** تینوں صورتوں میں ظاہراً ''کلا'' میں کوئی فرق نہیں آیا۔

جمع المذکر السالم و اولو، و عشرون و اخواتها

ان سب کا اعراب حالت رفعی میں واوٴ ما قبل مضموم اور حالت نصبی و جری میں یاء ما قبل مکسور ہوگا جاء نی مسلمون و ألو مال و عشرون رجلاً و رأیت مسلمین و مررت بمسلمین.

سوال:۔ جمع مذکر سالم کہنے سے اس کے افراد مراد ہوتے ہیں چونکہ اولو اور عشرون بھی اس کے افراد میں سے ہیں تو ان کو دوبارہ کیوں ذکر کیا؟

جواب:۔ اولو اور عشرون جمع مذکر سالم نہیں ہیں کیونکہ جمع مذکر سالم وہ ہوتا ہے جس کے واحد کے آخر میں واوٴ اور نون لگا دیا گیا ہو جبکہ عشرون کا مفرد ہی نہیں آتا اور اولو کے آخر میں واوٴ اور نون نہیں اس لئے یہ جمع مذکر سالم نہیں بلکہ اس کے ملحقات میں سے ہیں۔

سوال:۔ کیا عشرون کا مفرد عشرۃ نہیں ہے؟

جواب:۔ عشرۃ، عشرون کا مفرد نہیں یعنی عشرون عشرۃ کی جمع نہیں ہے کیونکہ جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اب عشرۃ کو تین مرتبہ جمع کرو تو اس کا حاصل جمع تیس (۳۰) ہوتا ہے اور عشرون بیس کے عدد پر دلالت کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ عشرون عشرۃ کی اسی طرح اربعون اربعۃ کی اور ثلاثون ثلاثۃ کی جمع نہیں ہے۔

سوال:۔ ان کو اعراب بالحرکت یعنی اصلی اعراب کیوں نہیں دیا؟

جواب:۔ یہ فرع ہیں اس لئے ان کو فرعی اعراب دیئے گئے۔

سوال:۔ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مثنیٰ اور جمع کی حالت رفعی میں واوٴ، حالت نصبی میں الف، اور حالت جری میں یا ہو کیونکہ رفع کیلئے اعراب بالحروف میں واوٴ اور اعراب بالحرکت میں ضمہ ہوتا ہے اسی طرح نصب کے لئے بالترتیب الف اور فتح اور جر کیلئے یا اور کسرہ ہوتے

ہیں لیکن یہاں اعراب اس اصول کے خلاف کیوں ہے؟

جواب:۔ اعراب بالحرف کل ہمارے پاس تین تھے، الف واؤ اور یا اور حالتیں کل چھ تھیں۔تثنیہ کی حالت رفعی، نصبی، جری۔اسی طرح جمع کی حالت رفعی، نصبی، جری۔اب تینوں اعراب اگر تثنیہ کو دے دیئے جائیں تو جمع خالی رہ جاتی ہے اور اگر جمع کو دیں تو تثنیہ خالی رہ جاتا ہے اور دونوں کو دے دیں تو التباس لازم آجاتا ہے تو چونکہ فعل کے اندر تثنیہ میں الف اس کا فاعل ہوتا ہے جیسے ضربا تو اس وجہ سے تثنیہ کی حالت رفعی کو الف دیدیا۔اور جمع میں واؤ اس کا فاعل ہوتا ہے جیسے ضربوا، تو اس وجہ سے جمع کی حالت رفعی کو واؤ دیدیا۔اب اعراب صرف ایک ''یا'' باقی تھا اور حالتیں کل چار باقی تھیں، تثنیہ و جمع کی حالت نصبی و جری، تو یا کو تثنیہ و جمع کی حالت جری کو دیکر نصبی کو جر کے تابع کردیا۔

سوال:۔ حالت نصبی کو جری کے بجائے حالت رفع کے تابع کیوں نہیں کیا؟

جواب:۔ رفع اور جر میں منافات و تباین ہے اس وجہ سے دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور نصب اور جر میں چونکہ تناسب ہے اس لئے نصب کو جر کے تابع کردیا اس کی تفصیل غیر منصرف میں گزر چکی ہے دوبارہ دیکھ لیں۔

التقدیر فی ما تعذر

اعراب کو ذکر کرنے کے بعد مصنفؒ اب ان مقامات کو ذکر فرما رہے ہیں جہاں اعراب تقدیراً آتے ہیں یہاں التقدیر فیما کے اندر جو مَا ہے اس سے مراد معرب ہے۔

تقدیری اعراب کے مواضع:۔

تقدیری اعراب دو مواضع میں آتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

۱) جہاں پر اعراب لفظی کا آنا ممکن نہ ہو جیسے عصا اور غلامی

۲) جہاں پر اعراب لفظی ثقیل ہو جیسے قاض اس کی تفصیل بعد میں آئے گی عصا سے مراد وہ اسم معرب ہے جسکے آخر میں الف مقصورہ ہو چاہے وہ الف ساقط ہو یا ثابت۔

سوال:۔ عصا میں اعراب تقدیری کیوں ہے لفظی کیوں نہیں؟

جواب:۔ اس میں اعراب لفظی ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے آخر میں الف ہے اب اگر ہم اس کو حرکت دیں گے تو وہ الف باقی نہیں رہے گا بلکہ ہمزہ بن جائے گا اس لئے اس کو اعراب تقدیری دے دیئے گئے۔

غلامی سے مراد وہ اسم معرب ہے جو جمع مذکر نہ ہو اور مضاف ہو یائے متکلم کی طرف یعنی وہ اسم جمع مذکر سالم نہ ہو کیونکہ جمع مذکر سالم جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس کے اعراب آگے آئیں گے۔

سوال:۔ غلامی میں اعراب لفظی کیوں نہیں تقدیری کیوں ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ اس میں میم پر جو کسرہ آیا ہے وہ ''ی'' کی نسبت کی وجہ سے آیا ہے اب اگر ہم اس پر اعراب لفظی بھی رکھ دیں تو دو حرکتوں کا ایک اسم پر ہونا لازم آئیگا اور یہ درست نہیں چاہے وہ حرکت ضمہ ہو یا فتحہ ہو یا کسرہ۔

مطلقاً

۱) مطلقاً یا تو حال ہے عصا اور غلامی دونوں سے، تو اس صورت میں معنیٰ ظاہر ہے یعنی ان دونوں اسموں کی تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا۔

۲) یا حال ہے صرف غلامی سے تو اس صورت میں مصنفؒ ان نحویوں پر رد کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ غلامی کی حالت جری میں اعراب لفظی ہیں، وہ اس طرح کہ اس کی یا سے پہلے کسرہ ہے تو مصنفؒ نے فرمایا کہ اس پر جو کسرہ ہے وہ عامل کی وجہ سے نہیں آیا بلکہ یا کی

مناسبت سے آیا ہے کیونکہ عامل کی وجہ سے جو حرکت آتی ہے وہ عوامل کے بدلنے سے بدل جاتی ہے مگر اس کی حرکت کبھی نہیں بدلتی، اس سے معلوم ہوا کہ غلامی پر جو کسرہ آیا ہے وہ عامل کی وجہ سے نہیں بلکہ یا کی مناسبت سے آیا ہے۔

۳)اعراب تقدیری آنے کی دوسری جگہ وہ ہے جہاں اعراب لفظی کا آنا ناممکن اور ممتنع نہیں مگر ثقیل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے (۱) قاضٍ (۲) مسلمّی

قاضٍ :۔ قاضٍ سے مراد وہ اسم معرب ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو چاہے وہ یاء ساقط ہو یا ثابت، اور اس کو اسم منقوص کہتے ہیں اس کا اعراب حالت رفعی میں تقدیراً ضمہّ جری میں تقدیراً کسرہ اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی ہوگا۔ **جاء القاضِیُ رأیت القاضِیَ مررت بالقاضِیِ**

اس پر اعراب تقدیراً اس لئے آتے ہیں کہ اس کے آخر میں یاء ہے اور یاء پر چونکہ ضمہ اور کسرہ ثقیل تھے اس لئے ان کو تقدیری کر دیا اور چونکہ فتحہ اخف الحرکات تھا اس لئے فتحہ کو لفظی ہی رکھا۔

مُسْلِمِیَّ:۔ مسلمی سے مراد وہ جمع مذکر سالم ہے جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف اس کی حالت رفعی میں تقدیراً واؤ نصبی اور جری دونوں حالتوں میں یاء لفظاً ہوگی۔

سوال:۔ اس کی حالت رفعی میں واؤ تقدیراً کیوں ہے لفظاً کیوں نہیں؟

جواب:۔ اس میں تعلیل ہوئی ہے اور تعلیل کے بعد واؤ موجود ہی نہیں ہوتی، کیونکہ مسلمی اصل میں مسلمون تھا اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا مسلموی ہو گیا پھر واؤ کو یاء سے تبدیل کر دیا اور یاء کی نسبت سے ماقبل کے میم کو کسرہ دیا اب دو یا جمع ہو گئے تو ان کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا تو مسلمی بن گیا۔ اب جبکہ اعلال کے

بعد واؤ باقی نہیں رہا تو ہم نے کہا واؤ تقدیری ہوگا۔

غیر المنصرف

اعراب کی تقسیم کے بعد مصنفؒ اب اسم معرب کی تقسیم کر رہے ہیں اس میں پہلے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسم کی دو قسمیں ہیں (۱) منصرف (۲) غیر منصرف، تو یہاں مصنفؒ نے غیر منصرف کو ذکر کیا اور منصرف کو ترک کر دیا اس کی دو وجوہ ہیں۔

۱) منصرف کثیر ہوتا ہے اور غیر منصرف قلیل، اس لئے مصنفؒ نے قلیل چیز کو ذکر فرمایا اور کثیر کو چھوڑ دیا۔

۲) غیر منصرف کی تعریف سے منصرف خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔

غیر منصرف اس کو کہتے ہیں جسمیں اسباب منع صرف میں سے دو یا ایک سبب جو دو اسباب کے قائم مقام ہو پایا جائے۔ اور اسباب منع صرف کل نو ہیں جن کو شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔

عدل و وصف و تانیث و معرفة

و عجمة ثم جمع ثم ترکیب

والنون زائدة من قبلها الف

ووزن الفعل وهذاالقول تقریب

فائدہ:۔ یہ دونوں شعر سعید انباری کے ہیں اور ان سے پہلا شعر ہے

موانع الصرف تسع کلما اجتمعت   ثنتان منهافما للصرف تصویب

مثالیں:۔ ① عمر (عدل، معرفہ) ② احمر (وصف، وزن فعل) ③ طلحۃ (تانیث لفظی، معرفہ) ④ زینب (تانیث معنوی، معرفہ) ⑤ ابراہیم (عجمہ، معرفہ) ⑥

مساجد (جمع منتہی الجموع) ⑦ معدیکرب (ترکیب، معرفہ) ⑧ عمران (الف نون زائدتان، معرفہ) ⑨ احمد (وزن فعل، معرفہ)

اعتراض:۔ آپ کی تعریف مانع عن دخول غیر نہیں کیونکہ آپ کی تعریف ضَرَبَتْ پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں۔ ایک وزن فعل اور دوسرا سبب تانیث حالانکہ یہ غیر منصرف نہیں بلکہ مبنی ہے۔

جواب:۔ ہم نے جو غیر منصرف کی تعریف میں ما فیہ علتان کہا ہے اسمیں ما سے مراد اسم معرب ہے تو معلوم ہوا کہ ضربت ہماری تعریف میں داخل نہیں کیونکہ وہ فعل ہے۔

اعتراض:۔ آپکی تعریف جامع نہیں کیونکہ حضار کے اندر دو سبب (معرفہ، تانیث) پائے جاتے ہیں مگر پھر بھی مبنی ہے غیر منصرف نہیں۔

جواب:۔ غیر منصرف کی تعریف میں مافیہ علتان میں جو ما ہے اس سے مراد اسم معرب ہے اور آپ خود فرماتے ہیں کہ حضار مبنی ہے اور غیر منصرف معرب کی قسم ہے اس میں مبنی کس طرح داخل ہوگا۔

اعتراض:۔ ہم آپ کو ایسا اسم بتا سکتے ہیں جو اسم معرب بھی ہے اور اس میں دو سبب بھی پائے جاتے ہیں مگر پھر بھی منصرف ہے جیسے نوح اس میں ایک سبب معرفہ ہے اور دوسرا عجمہ مگر یہ پھر بھی منصرف ہے۔

جواب:۔ عجمہ کے غیر منصرف بننے کیلئے دو شرطیں ہیں۔ ۱) علم ہو ۲) دو امروں میں سے کوئی ایک پایا جائے یا تو زائد از ثلاثہ ہو یا متحرک الاوسط ہو اور ''نوح'' نہ تو زائد از ثلاثہ ہے اور نہ ہی متحرک الاوسط ہے تو معلوم ہوا کہ ''نوح'' اسلئے غیر منصرف نہیں کہ اس میں ایک شرط مفقود ہے یعنی امرین (زائد از ثلاثہ، متحرک الاوسط) کے مفقود ہونے کی وجہ سے

منصرف ہے۔

سوال:۔ مصنفؒ نے جو شعر ذکر کیا ہے اس کا پہلا مصرعہ کیوں چھوڑا؟

جواب:۔ اس مصرعہ کو اس لئے بیان نہیں کیا کہ اس میں یہ بات تو تھی کہ اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جائیں تو وہ اسم غیر منصرف ہوگا مگر یہ بات صراحتاً ذکر نہیں تھی کہ ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو وہ موجود ہو تو اس سے بھی اسم غیر منصرف ہوتا ہے۔

اعتراض:۔ شعر کے اندر مصنفؒ نے ثم جمع ثم ترکیب فرمایا ہے اور ثم تراخی کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ''جمع'' یا ''ترکیب'' اس وقت پایا جائیگا جب عدل، وصف، تانیث، معرفہ اور عجمہ اس اسم کے اندر پہلے سے پائے جاتے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً مَساجِدُ اور مَعدِیکرب وغیرہ میں دیکھیں کہ نہ ان میں عدل ہے نہ وصف ہے اور نہ تانیث ہے۔

جواب:۔ یہاں ثم تراخی کیلئے نہیں بلکہ صرف عطف کے لئے ہے اور یہاں وزن شعر برقرار رکھنے کے لئے واؤ کی جگہ ثم استعمال کیا ہے۔

والنون زائدة من قبلها

ترکیب کے لحاظ سے زائدۃ میں دو احتمال ہیں۔ ۱) مرفوع ۲) منصوب

۱) اگر یہ مرفوع ہو تو صفت ہوگی النون کے لئے۔

۲) اور اگر منصوب ہو تو یہ النون سے حال ہوگا۔

دونوں احتمال صحیح نہیں :۔ صفت اس لئے صحیح نہیں کہ ''النون'' معرفہ ہے اور ''زائدۃ'' نکرہ ہے اور موصوف صفت میں تعریف و تنکیر میں مطابقت ضروری ہے جبکہ یہاں مطابقت نہیں اور حال اس لئے صحیح نہیں کہ حال تو وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول کی ہیئت کو

بیان کرے اور النون نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول۔

ترکیب کا حل:۔ دونوں احتمال درست ہیں۔

١) صفت اس لئے درست ہے کہ ''النون'' میں الف لام زائد ہے یا عہد ذہنی کا ہے اور ان دو قسموں سے اسم معرفہ نہیں بنتا۔

٢) حال اس لئے درست ہے کہ اصل میں النون فاعل ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے! **تمنع النون الصّرف حال کونها زائدةً** اس عبارت میں زائدۃ النون سے حال واقع ہے اور الف میں دو احتمال ہیں ١) مبتداء مؤخر ٢) یہ فاعل ہو ظرف کا یعنی من قبلها جس سے متعلق ہے اس کے لئے الف فاعل ہے پھر اس مکمل جملہ **من قبلها الف** میں دو احتمال ہیں ١) یہ جملہ بھی ''النون'' سے حال واقع ہو، اس کو احوال مترادفہ کہتے ہیں ٢) یہ حال ہو ''زائدہ'' کی ضمیر سے اس کو احوال متداخلہ کہتے ہیں۔

سوال:۔ عبارت سے نون کا زائدہ ہونا تو معلوم ہوتا ہے مگر الف کا زائد ہونا نہیں؟

جواب:۔ نون کا زائد ہونا مجہول تھا اسلئے اس کو ذکر کر دیا اور الف کا زائد ہونا چونکہ عام تھا اس لئے اس کو ذکر نہ کیا۔ لیکن بہتر ترکیب یہ ہے کہ **الف زائدة** کا فاعل ہے اور **من قبلها زائدة** سے متعلق ہے اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی **تمنع النون الصرف حال کون الالف زائدة من قبلها** اس میں الف کی زیادتی کا تو عبارت سے پتہ چلا اور نون کا زائدہ ہونا عرب کے محاورہ سے کیونکہ اہل عرب کا محاورہ ہے **جاء زید راکباً من قبله اخوه** اور محاورہ میں یہ معنی ہوتے ہیں کہ وصف رکوب میں زید اور اس کا بھائی دونوں شریک ہیں لیکن آنے میں زید کا بھائی مقدم ہے۔

و هذا القول تقریب

اس عبارت کی تین توجیہات ہوسکتی ہیں ١) مُقَرِّبٌ اِلیٰ الْحِفْظِ یعنی یہ نظم حفظ کے لئے

آسان ہے۔ ۲) **مُقَرَّبٌ اِلیٰ الصَّوابِ** یعنی یہ قول صحت کے اعتبار سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اسباب منع صرف کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک دو اور بعض کے نزدیک نو اور بعض کے نزدیک گیارہ ہیں تو مصنفؒ نے درمیان کو لیا ہے اور یہ قول زیادہ راجح ہے۔ ۳) **تقریبی لا تحقیقی** مجازی ہیں تحقیقی نہیں یعنی اسم کو غیر منصرف بنانے کیلئے حقیقت میں ان میں سے دو چیزیں مل کر علت ہوتی ہیں نہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک علت بن جائے اس اعتبار سے ان کو نو کہنا مجازی ہے حقیقی نہیں۔

غیر منصرف کا حکم:۔ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی۔

سوال:۔ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین کیوں نہیں آتی؟

جواب:۔ یہ فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور چونکہ فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی اسلئے غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آتی اور فعل پر کسرہ اور تنوین اسلئے نہیں آتی کہ یہ اسم کی خاصیت ہے (بقیہ تفصیل اسم کی خاصیات میں گزر چکی ہے) اور یہ مشابہت وجود فرعیتین میں ہے یعنی غیر منصرف اور فعل دونوں فرعیتین کے محتاج ہوتے ہیں۔

غیر منصرف:۔ اسباب منع صرف سب فرع ہیں اور اسم "غیر منصرف" بننے کے لئے سببین کا محتاج ہوتا ہے اور غیر منصرف میں دو سبب پائے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اسم غیر منصرف فرعیتین کا محتاج ہوتا ہے۔

فعل:۔ فعل میں بنسبت اسم کے فرعیتین ہوتی ہیں۔

۱) فاعل کا محتاج ہونا:۔ ۲) اشتقاق کے اعتبار سے مشتق منہ کا فرع ہونا یعنی ان کا محتاج ہونا ہے۔

ویجوز صرفہ للضرورۃ

اسم غیر منصرف کو دو وجہ سے منصرف بنانا جائز ہے۔

۱) ضرورتِ شعری ۲) تناسب

وزن شعری کی تین قسمیں ہیں۔

۱) شعر کا وزن ٹوٹتا ہو جیسے حضرت فاطمہؓ کا شعر ہے

صُبّت علی مصائبٌ لو اَنها صبت علی الایام صرن لیالیاً

یہاں مصائب پر تنوین آئی ہے حالانکہ غیر منصرف پر تنوین نہیں آتی۔

۲) رعایت قافیہ کی بنا پر بھی غیر منصرف کو منصرف بناتے ہیں جیسے حضرت علیؓ کا شعر ہے

سلام علی خیر الاَنام و سیدٍ حبیب الله العالمین محمدٍ

بشیر نذیرٍ هاشميٍّ مکرمٍ عطوفٍ رؤفٍ من یسمیٰ باحمدِ

یہاں ''احمد'' غیر منصرف تھا مگر اس پر کسرہ آیا ہے کیونکہ پہلے شعر کے آخری حرف پر کسرہ ہے۔

۳) سلاست کو برقرار رکھنے کیلئے یعنی شعر کی نرمی کو برقرار رکھنے کے لئے، جیسا کہ امام شافعیؒ کا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں شعر ہے کہ!

اعد ذکر نعمانٍ لنا ان ذکره هو المسک ماکررته یتضوّع

یہاں ''نعمان'' جو کہ غیر منصرف تھا اس پر تنوین آئی ہے۔

تناسب:۔ اسم غیر منصرف کو منصرف بنانے کی دوسری وجہ تناسب ہے یعنی تناسب کی بنا پر بھی اسم غیر منصرف کو منصرف بناتے ہیں تناسب کا مطلب یہ ہے کہ ایک اسم منصرف کے ساتھ کوئی اسم غیر منصرف مذکور ہو تو اس اسم غیر منصرف کو بھی منصرف کر دیتے ہیں جیسے سلا سلا و اغلالاً یہاں پر سلاسل جو کہ مساجد کے وزن پر سلسلة کی جمع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف تھا لیکن اغلالاً کی مناسبت سے منصرف لکھا جاتا ہے۔

سوال:۔ مصنفؒ نے تناسب کی مثال تو دی ہے وزن شعری کی مثال کیوں نہیں دی؟

جواب:۔ تناسب کی مثال اس لئے دی ہے کہ یہ مجہول ہے اور عام نہیں ہے اور وزن شعری چونکہ عام اور معروف ہے اس لئے اس کی مثال نہیں دی۔

سوال:۔ آپ نے اسم غیر منصرف کو منصرف بنانے کا تو ذکر کیا ہے لیکن یہ کیوں نہیں بتایا ہے کہ اسم منصرف سے غیر منصرف بنانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ اسماء میں اصل انصراف ہے یعنی منصرف ہونا، اب اگر ہم منصرف سے غیر منصرف بنانے کا تذکرہ کرتے تو اصل کو فرع کی طرف لوٹانا لازم آتا جو کہ درست نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

سوال:۔ یہاں پر لفظ یجوز کیوں لایا ہے جبکہ بعض جگہوں پر غیر منصرف کو بنانا صرف جائز نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہوتا ہے؟

جواب:۔ یہاں پر لفظ یجوز بمعنی لا یمتنع کے ہے یعنی منع نہیں تو جب منع نہیں تو چاہے ضروری ہو یا نہ ہو اس میں کوئی فرق نہیں۔

عدل کی تشریح:۔

سوال:۔ عدل کو اسباب منع صرف کے دیگر اسباب پر کیوں مقدم کیا؟

جواب (۱):۔ اسلئے کہ باقی تمام اسباب میں کچھ شرائط ہیں مگر عدل میں کوئی شرط نہیں اس لئے عدل بمنزلہ مطلق کے ہے اور باقی اسباب بمنزلہ مقیّد کے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ مطلق مقیّد پر مقدم ہوتا ہے۔

(۲):۔ اجمال (یعنی شعر) میں عدل مقدم تھا لہٰذا تفصیل میں بھی عدل کو مقدم کر دیا۔

سوال:۔ باقی تمام اسباب کی تعریف مصنفؒ نے نہیں کی ہے اور عدل کی تعریف کی ہے یہ

کیوں؟

جواب نمبرا:۔ اس وجہ سے کہ باقی تمام کی تعریفات میں مصنفؒ اور دیگر نحویوں میں فرق نہیں مگر عدل کی تعریف میں مصنفؒ اور دیگر نحویوں میں فرق تھا تو مصنفؒ نے اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے تعریف کی۔

جواب نمبر۲:۔ عدل کی تعریف کا محل ہی یہی تھا کیونکہ باقی اسباب کی تعریف مختلف مقامات پر ہوتی رہتی ہے اس لئے ان کی تعریف کو ترک کر کے صرف عدل کی تعریف کی۔

عدل کے لغوی و اصطلاحی معنی:۔

لغت میں عدل کے بہت سارے معنی آتے ہیں مگر ان میں سے پانچ یہ ہیں۔

۱) عدل کا صلہ اگر عَنْ آجائے تو اس صورت میں اس کے معنی اعراض کرنے کے ہونگے۔

۲) عدل کا صلہ اگر اِلیٰ آجائے تو رجوع ہونے کے معنی میں ہوگا۔

۳) عدل کا صلہ اگر من آجائے تو بعد کے معنی میں ہوگا۔

۴) عدل کا صلہ اگر فی آجائے تو اس کے معنی پختہ ارادہ کے اور متردد ہونے کے آتے ہیں۔

۵) عدل کا صلہ اگر بین آجائے تو اس صورت میں اس کے معنی استوا اور برابری کے آتے ہیں۔

عدل کی اصطلاحی تعریف:۔ خروجه عن صيغته الاصلية الى صيغة اخرى تحقيقاً او تقديراً مع بقآ ء المادّة الاصلية بلاقاعدة و قانون.

فالعدل خروجه

ترکیب:۔ العدل مبتداء خروجہ خبر۔

اشکال:۔ العدل متکلم کی صفت ہے اور خروجہ اسم کی صفت ہے تو ان دونوں میں تباین ہے

اس وجہ سے ان کا مبتداء اور خبر ہونا صحیح نہیں۔

جواب:۔ یہاں العدل معدول کے معنی میں ہے اور معدول بھی اسم کی صفت ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض:۔ معدول ذات مع الوصف اور خروجہ صرف وصف ہے اسی طرح معدول متعدی ہے اور خروج لازم، لہٰذا خروج کا حمل معدول پر درست نہیں۔

جواب:۔ معدول:. کون الاسم معدولاً کے معنی میں ہے اور کون صرف وصف بھی ہے اور لازمی بھی لہٰذا حمل درست ہوا۔

اعتراض:۔ کون الاسم معدولاً حاصل بالمصدر ہے اور خروجہ ذات مصدر ہے پھر بھی تو ان کا مبتداء اور خبر ہونا درست نہیں ہوا۔

جواب:۔ خروجہ:. کون الاسم مخرجاً کے معنی میں ہے لہٰذا دونوں حاصل بالمصدر ہو گئے۔

خروجہ کی ضمیر کا مرجع:۔ خروجہ کی ضمیر کے بارے میں دو احتمال ہیں۔ ۱) اس سے مراد عدل ہو ۲) اس سے مراد اسم ہو۔

اعتراض:۔ یہ دونوں احتمال درست نہیں اسلئے کہ اس سے مراد اگر عدل ہو تو پھر اخذ المحدود فی الحد لازم آئے گا اور اگر اس سے مراد اسم ہو تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور یہ دونوں جائز نہیں۔

جواب:۔ اس سے مراد اسم ہے، اور رہا اضمار قبل الذکر کا اشکال تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا کیونکہ یہ بحث اور مقام ہی اسم کا ہے تو یہ مقام خود دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اسم ہے۔

اعتراض:۔ اسم مادّہ اور صورت کا نام ہے اور صیغہ بھی مادّہ اور صورت کا نام ہے یعنی اسم کے اندر ایک مادہ ہوتا ہے اور ایک صورت اور صیغہ کے اندر بھی ایک مادہ اور ایک صورت ہوتی ہے تو اس وجہ سے عبارت خروجہ عن صیغة کہنے سے خروج الکل عن الکل لازم آتا ہے کیونکہ خروجہ میں ضمیر کا مرجع اسم ہے جو کہ مادہ اور صورت کا نام ہے اور صیغہ بھی مادہ اور صورت کا نام ہے۔

جواب:۔ یہاں خروج الکل عن الکل کی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ یہاں اسم سے مراد مادہ اور صیغہ سے مراد صورت ہے۔

اعتراض:۔ آپکی تعریف مانع عن دخول الغیر نہیں کیونکہ اسمائے مشتقات بھی عدل کی تعریف میں داخل ہوجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے صیغہ اصلیہ سے خارج ہوتے ہیں۔

جواب:۔ ہماری تعریف میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ صیغہ اصلی سے نکلنا، تو اس شرط سے اسمائے مشتقات خارج ہوگئے کیونکہ وہ اپنے صیغہ اصلیہ سے نہیں نکلتے بلکہ وہ مصدر سے نکالے گئے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے معانی ایک جیسے نہیں ہوتے

اعتراض:۔ آپکی تعریف مانع عن دخول الغیر نہیں ہے کیونکہ اسمائے محذوفۃ الاعجاز آپکی تعریف میں داخل ہوجاتے ہیں جیسے یدٌ اور دمٌ اصل میں یدیٌ اور دموٌ تھے اور ان کے معنی میں بھی فرق نہیں تو اس وجہ سے ان پر عدل کی تعریف صادق آتی ہے۔

جواب:۔ یہ عدل کی تعریف میں داخل نہیں کیونکہ ہم نے عدل کی تعریف میں یہ شرط لگائی تھی کہ مع بقاء المادة الاصلية یعنی اس کا مادہ اصلیہ باقی ہو اور یہاں ان کا مادہ اصلیہ باقی نہیں۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف مغیرات قیاسیہ پر صادق آتی ہے کیونکہ ان کے معنی میں بھی

فرق نہیں آتا اور ان کا مادہ اصلیہ بھی باقی ہوتا ہے جیسے مبیعٌ اور مقولٌ اصل میں مبیوعٌ اور مقوولٌ تھے۔

جواب:۔ یہ ہماری تعریف میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم نے عدل کی تعریف میں بلا قاعدۃ وقانون کی شرط لگائی ہے حالانکہ یہ مبیعٌ اور مقولٌ تو قانون سے نکالے گئے ہیں۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف مغیرات شاذۃ پر صادق آتی ہے جیسے اقوس اور انیب یہ قوس اور ناب کی جمع ہے اور یہ اجوف واوی ہیں۔ اور اجوف کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اس کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہے جبکہ یہاں افعال کا وزن نہیں، پس معلوم ہوا کہ اقوسٌ اور انیبٌ ، اقواس اور انیاب سے معدول ہو کر آئے ہیں۔

جواب:۔ ان کی جمع افعال کے وزن پر آتی ہی نہیں بلکہ ابتداء ہی سے اقوس اور انیب آتی ہے اس لئے ان کو مغیرات شاذہ کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ اقواس اور انیاب سے معدول ہو کر نہیں آئے۔

تحقیقاً او تقدیراً

تحقیقاً او تقدیراً سے مصنفؒ عدل کی دو قسموں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ عدل کی دو قسمیں ہیں۔

اقسامِ عدل:۔ ۱) عدل تحقیقی ۲) عدل تقدیری

عدل تحقیقی کی تعریف:۔ عدل تحقیقی اسے کہتے ہیں جہاں اسم کے معدول ہونے پر غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی اور دلیل بھی موجود ہو جیسے ثلٰث، مثلث ، اُخر اور جمعَ .

ثلٰث و مثلث:۔ یہ غیر منصرف ہیں اس میں ایک وصف پایا جاتا ہے اور دوسرا عدل، چونکہ یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے اس لئے اس کے معدول ہونے پر غیر منصرف ہونے کے

علاوہ اور دلیل بھی ہمارے پاس ہے وہ یہ کہ ثلاث اور مثلث ثلاثۃ ثلاثۃ سے معدول ہو کر آئے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ ثلاث اور مثلث کے معنی تین تین کے آتے ہیں اور تکرار المعنی یدل علیٰ تکرار اللفظ (تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے) تو اس سے معلوم ہوا کہ ثلث اور مثلث دونوں ثلاثۃ ثلاثۃ سے معدول ہو کر آئے ہیں۔

اُخر:۔ یہ بھی غیر منصرف ہے اسمیں بھی ایک عدل اور ایک وصف پایا جاتا ہے کیونکہ ''اخر'' الآخر سے معدول ہو کر آیا ہے یا آخر من سے، چونکہ یہ عدل تحقیقی کی مثال ہے اس وجہ سے اس کے معدول ہونے پر دلیل دینا بھی ضروری ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اُخر جمع ہے اخریٰ کی جو مؤنث ہے آخر اسم تفضیل کی اور اسم تفضیل کے استعمال ہونے کے تین طریقے ہیں۔ ۱) من کے ساتھ ۲) اضافت کے ساتھ ۳) الف لام کے ساتھ

۱) اضافت کے ساتھ یہاں استعمال نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف الیہ مذکور ہو گا یا محذوف ہو گا یہاں مضاف الیہ مذکور نہیں اور اگر مضاف الیہ محذوف ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ ۱) یا تو اس مضاف الیہ کے عوض میں تنوین لاتے ہیں جیسے یومئذٍ اصل میں یوم اذ کان کذا تھا۔ ۲) یا مضاف میں تکرار ہوتا ہے جیسے یا تیم تیم عدی۔ ۳) یا مبنی بر ضمہ ہوتا ہے جیسے قبلُ بعدُ، ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی یہاں مستعمل نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اخر، الآخر سے یا آخر من سے معدول ہو کر آیا ہے (یعنی یا تو من کے ساتھ مستعمل ہے اور یا الف لام کے ساتھ)

جُمَع: یہ بھی غیر منصرف ہے اس میں بھی ایک وصف اور ایک عدل پایا جاتا ہے یہ یا تو جُمُعٌ سے یا جماعیٰ سے اور یا جمعاوات سے معدول ہو کر آیا ہے اس لئے کہ جُمَعُ جمع ہے جمعاء کی بروزن فعلاء، اور فعلاء کیلئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر اس میں معنی وصفی کا لحاظ

رکھا جائے تو اس صورت میں اس کی جمع فُعَل کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمُرٌ آتی ہے اور اگر معنی وصفی کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اس وقت اس کی جمع فعالیٰ یا فعلاوات کے وزن پر آتی ہے جیسے صحراء کی جمع صحاری یا صحراوات آتی ہے پس معلوم ہوا کہ جُمَعُ یا تو جُمْعٌ سے معدول ہو کر آیا ہے اور یا جماعیٰ سے یا جمعاوات سے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ اخر اسم تفضیل ہے اسم تفضیل میں تو شدت کے معنی پائے جاتے ہیں لیکن یہاں تو یہ غیر کے معنی میں ہے۔

جواب:۔ ہم نے اس کے اصل کا اعتبار کیا ہے اگر چہ یہاں غیر کے معنی میں ہے لیکن واضع نے اس کو اسم تفضیل کے لئے وضع کیا ہے۔

اعتراض:۔ جُمَع کے اندر آپ نے کہا کہ وصف ہے حالانکہ یہ تاکید کے لئے آتا ہے اس لئے اس میں وصفیت کا اعتبار صحیح نہیں۔

جواب:۔ ہم نے اصل کا اعتبار کیا ہے کیونکہ اصل میں واضع نے اس کو وصف کے لئے وضع کیا ہے اگر چہ بعد میں یہ تاکید کے لئے آتا ہے۔

عدل تقدیری کی تعریف:۔ عدل تقدیری اسے کہتے ہیں جہاں اسم کے معدول ہونے پر غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی دلیل نہ ہو۔ جیسے عمر وغیرہ

عمر:۔ غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں ۱) عدل ۲) معرفہ اور یہ عامر سے معدول ہو کر آیا ہے اور یہ چونکہ عدل تقدیری کی مثال ہے اس لئے اس کے معدول ہونے پر ہمارے پاس سوائے غیر منصرف کے کوئی دلیل نہیں یعنی عرب لوگ چونکہ عمر کو غیر منصرف استعمال کرتے تھے تو ہم نے اس میں اسباب منع صرف کو ڈھونڈا تو ایک معرفہ مل گیا اور دوسرا سبب کچھ نہ ملا تو آخر میں ہم نے مجبور ہو کر یہ کہہ دیا کہ یہ عامر سے

معدول ہو کر آیا ہے۔

و باب قطام فی تمیم

قطام بنی تمیم کے نزدیک غیر منصرف ہے اس میں ایک معرفہ ہے اور ایک عدل اور یہ قاطمۃ سے معدول ہو کر آیا ہے چونکہ یہ عدل تقدیری کی مثال ہے اسلئے ہمارے پاس اس کے معدول ہونے پر سوائے غیر منصرف ہونے کے اور کوئی دلیل نہیں۔

سوال:۔ قطام، قاطمۃ سے معدول ہو کر آیا ہے اس میں ایک تانیث پائی جاتی ہے اور ایک معرفہ اس وجہ سے یہ غیر منصرف بنتا ہے پھر آپ نے اس میں عدل کیوں مانا؟

جواب:۔ ہم اس کو غیر منصرف بنانے کے لئے عدل کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ اس کے نظائر نزال بمعنی انزل پر اس کا حمل کرنے کے لئے اس کا اعتبار کرتے ہیں یعنی فعال کے وزن پر آنے والے دوسرے اسماء میں عدل پایا جاتا تھا تو ہم نے اس میں بھی عدل مان لیا۔

باب قطام سے مراد:۔

باب قطام سے مراد ہر وہ اسم ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور (۱) علم ہو اعیان مؤنثہ کے لئے اور (۲) غیر ذوات الراء میں سے ہو یعنی آخر میں راء نہ ہو۔

فائدہ:۔ فعال کے وزن پر آنے والا اسم چار قسم پر ہے ① بمعنی امر جیسے نزال معنی انزل، یہ مبنی ہے۔ ② مؤنث کی صفت ہو جیسے فَسَاقِ فاسقۃ کے معنی میں ہے۔ ③ مصدر معرفہ کے معنی ہو جیسے فجار الفجور کے معنی میں ہے۔ یہ دونوں چونکہ نزال کے ساتھ وزن اور عدل میں مشابہت رکھتے ہیں اس لئے مبنی ہے۔ ④ علم ہو اعیان مؤنثہ کا۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) آخر میں را ہو جیسے حضار (ستارے کا نام ہے) یہ بھی مبنی ہے۔ (۲) آخر میں را نہ ہو جیسے قطام (عورت کا نام ہے) یہ اہل حجاز کے نزدیک مبنی ہے

اور اکثر بنوتمیم کے نزدیک معرب غیر منصرف۔

....

الوصف

وصف لغت میں تعریف کے معنی میں آتا ہے۔

اصطلاحی معنیٰ:۔ **کون الاسم دالاعلیٰ ذات مبهمة ماخوذةمع بعض صفاتها سواء كانت هذه الدلالةبحسب الوضع او بحسب الاستعمال.**

شرطه ان يكون في الاصل

وصف بھی اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے اور یہ مؤثر سبب تب بنے گا جب وصف اصلی ہو۔ ان یکون فی الاصل سے وصف کی دو قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔

① وصف اصلی ② وصف عارضی

سوال:۔ وصف اصلی کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ اسم کے اندر انصراف اصل ہے اور عدم انصراف فرع ہے تو اسم کو اصل سے فرع کی طرف اصل ہی نکال سکتی ہے فرع نہیں اس لیئے اصلی ہونے کی شرط لگائی۔

فلا تضره الغلبة

یعنی وصف اصلی پر اگر علمیت غالب آجائے تو وہ اسکے غیر منصرف ہونے پر کوئی ضرر نہیں دیتی۔

فلذٰلك صرف اربع

فلذٰلک سے تفریع ہے دو چیزوں کی (۱) **ان يكون في الاصل** (۲) **فلا تضره الغلبة.**

اعتراض:۔ ذالک اسم اشارہ ہے اور اور اسکا اشارہ واحد کیلئے ہوتا ہے اور یہاں اسکے

مشار الیہ دو ہیں تو اسم اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہیں ہوئی۔

جواب:۔ یہ دونوں المذکور کی تاویل میں ہیں۔

یہ اربع منصرف ہے اسلئے کہ اس میں وصف عارضی ہے وصف عارضی اسلئے ہے کہ وصف اصلی ذات مبھم پر دلالت کرتی ہے اور اربع ذات متعین پر دلالت کرتی ہے یعنی اربع سے مراد تین سے اوپر پانچ سے نیچے والا عدد مراد ہے۔

وامتنع اسود

پس اسود ، ارقم، ادھم، یہ تینوں غیر منصرف ہیں باوجود یہ کہ ان میں علمیت غالب آ گئی ہے یعنی ارقم اور اسود یہ سانپ کے نام بن گئے ہیں۔ اسود کالے سانپ کو ارقم چت کبرے (جس میں سیاہ وسفید داغ ہوں) سانپ کو کہتے ہیں۔اور ادھم زنجیر کو کہتے ہیں۔ یہ تینوں غیر منصرف اس وجہ سے ہیں کہ واضع نے ان کو صفت کے لیئے وضع کیا تھا یعنی اسود کالے اور ارقم چتکبرے اور ادھم زیادہ سخت کالے رنگ کے لیئے وضع کئے گئے ہیں۔

وضعف معنی افعٰی

افعٰی ،اجدل اور اخیل کو غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ وصف اصلی میں اگر علمیت غالب آ جائے تو وہ ضرر نہیں دیتی اسکے باوجود وہ اسم غیر منصرف ہی رہتا ہے جبکہ یہاں آپ اسکو غیر منصرف پڑھنا ضعیف کہتے ہیں۔

جواب:۔ان میں وصف اصلی یقینی نہیں بلکہ گمانی ہے اور اسود، ارقم میں وصف اصلی یقینی تھا۔

یہ افعٰی فعوۃ سے مشتق ہے یہ سانپ کو کہتے ہیں اور اجدل جدل سے مشتق ہے شکرہ کو کہتے ہیں اور اخیل خیلان جمع خال، خال سے مشتق ہے یہ بھی ایک سبز رنگ کا پرندہ

ہے جس میں تھوڑی سی سرخی بھی ہوتی ہے۔

التا نیث بالتاء

تانیث کی دو قسمیں ہیں،۱۔ تانیث بالتاء ۲۔ تانیث بغیر التاء۔ یعنی الف مقصورہ اور الف ممدودہ ، پھر تانیث بالتاء کی دو قسمیں ہیں ا۔ تانیث لفظی جس میں تا لفظوں میں موجود ہو جیسے طلحۃ ،۲۔ تانیث معنوی جس میں تا لفظوں میں موجود نہ ہو جیسے زینب ۔ تانیث لفظی کیلئے علمیت کا ہونا شرط ہے اور تانیث معنوی کے لئے بھی علمیت شرط ہے۔

سوال:۔ جب تانیث لفظی اور معنوی دونوں کے لئے علمیت کا ہونا شرط ہے تو پھر دونوں کو اکٹھا ذکر کرتے الگ الگ ذکر کیوں کیا؟

جواب:۔ تانیث لفظی میں علمیت وجوب کیلئے شرط ہے اور تانیث معنوی میں علمیت جواز کیلئے شرط ہے یعنی اگر تانیث لفظی میں علمیت پائی جائے تو اسکو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اور اگر تانیث معنوی میں علمیت پائی جائے تو اسکو غیر منصرف پڑھنا جائز تو ہے مگر واجب نہیں۔

تانیث معنوی کے وجوبا غیر منصرف ہونے کی شرط:۔

تانیث معنوی وجوبا غیر منصرف اس صورت میں ہوگی جب اسمیں علمیت کیساتھ ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے۔

ا۔زائد علی الثلثہ ہو جیسے زَینَبَ ۲۔متحرک الاوسط ہو جیسے سَقَرَ ۳۔وہ اسم لغت عجم میں کسی کا نام ہو جیسے ماہ اور جُور ۔ (دو قلعوں کے نام ہیں)

ھند کو منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے۔غیر منصرف اس وجہ سے کہ اس میں ایک تانیث معنوی ہے اور دوسرا سبب اس میں معرفہ ہے۔اور منصرف اس وجہ سے کہ

اسمیں وجوب کی تینوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی جا رہی۔ یعنی نہ زائد علی الثلاثہ ہے اور نہ متحرک الاوسط اور نہ علم عجمی ہے۔

فان سمی به مذکر

اگر تانیث معنوی کو اٹھا کر کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس صورت میں اسکو غیر منصرف پڑھنے کے لیئے شرط یہ ہے کہ وہ زائد علی الثلاثہ ہو پس عَقْرَب اگر کسی مذکر کا نام رکھدیا جائے تو وہ غیر منصرف ہوگا کیونکہ زائد علی الثلاثہ ہے اور قَدَم کسی مذکر کا نام رکھیں تو منصرف ہوگا اسلیئے کہ یہ زائد علی الثلاثہ نہیں۔

سوال:۔ تانیث کے لئے علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ علامت تانیث محل زوال میں ہوتی ہے یعنی کسی بھی وجہ سے اس کو گرایا جا سکتا ہے۔ اس لئے علمیت کی شرط لگائی تا کہ تانیث کلمہ کو لازم ہو جائے اور علمیت اس کو زوال سے بچائے کیونکہ علمیت کلمہ کو تغیر و تبدل اور زوال سے محفوظ رکھتی ہے۔

سوال:۔ زائد علی الثلاثہ، متحرک الاوسط اور عجمہ کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ مذکورہ شرائط اس لئے لگائی ہیں تا کہ کلمہ خفت سے نکل کر ثقل میں آجائے اور اس میں کچھ قوت پیدا ہو جائے چنانچہ یہاں چوتھا حرف اور متحرک الاوسط میں حرکت قائم مقام تانیث کے ہوتی ہے، اسی طرح جب عجمہ ہوگا تو یہ بات ظاہر ہے کہ اہل لسان پر دوسری زبان ثقیل ہوتی ہے اس ثقل کی وجہ سے منع صرف کا سبب بننے میں قوت پیدا ہوگی۔

المعرفه

معرفہ بھی اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے اور یہ مؤثر سبب تب بنے گا جب اس میں علمیت پائی جائے۔

اعتراض:۔ اسباب منع صرف سب اوصاف کے قبیل میں سے ہیں اور معرفہ ذات ہے یہاں معرفہ کالانا درست نہیں۔

جواب:۔ یہاں المعرفه بمعنی التعریف کے ہے جو کہ مصدر ہے۔

اعتراض:۔ پھر یہاں التعریف کیوں نہیں لایا المعرفہ کیوں لایا؟

جواب:۔ شعر کے اندر معرفہ تھا اس لئے یہاں بھی معرفہ لایا۔

سوال:۔ شعر میں معرفہ کیوں لایا؟

جواب:۔ وزن شعری کو برقرار رکھنے کیلئے۔

سوال:۔ معرفہ کی کل سات قسمیں ہیں ان سب میں صرف علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ معرفہ کی سات قسموں میں سے تین: مضمرات، اسمائے موصولات اور اسمائے اشارات تو مبنی ہیں اس لئے ان کو نہیں لایا باقی معرف باللام (جس میں ندا بھی داخل ہے اس لئے کہ یا رجل کی اصل بھی یا ایھا الرجل ہے) اور مضاف کے ذریعے سے تو غیر منصرف کو منصرف بنایا جاتا ہے پس صرف علم باقی رہا تو معرفہ کے لئے ہم نے علمیت کو شرط قرار دیا۔

سوال:۔ آپ نے معرفہ کو سبب بنایا ہے اور علمیت کو اس کے لئے شرط بنایا اس کے برعکس یعنی علمیت کو سبب بنا کر معرفہ کو اس کے لئے شرط کیوں نہیں قرار دیا؟

جواب:۔ اسباب منع صرف سب فرع ہیں اور یہاں علمیت بھی نکرہ کی فرع ہے اور معرفہ بھی لیکن معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا زیادہ اظہر ہے بنسبت علمیت کے نکرہ کی فرع ہونے سے، اس لئے معرفہ کو سبب بنا کر علمیت کو شرط قرار دیا۔

العجمة

اصطلاحی تعریف:۔ کون الاسم وضعه غیر عرب. عجمہ اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے اور یہ مؤثر سبب اس وقت بنے گا، جبکہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں ا۔علمیت پائی جائے (یعنی لغت عجم میں کسی کا اسم ہو) ۲۔دوسری شرط یہ ہے کہ ان دو امروں میں سے ایک پایا جائے۔ (۱) زائد علی ثلاثۃ ہو (۲) یا متحرک الاوسط ہو جیسے ابراهیم یہ علم بھی ہے اور زائد علی الثلاثۃ بھی ہے اور شَتَرَ (ایک قلعہ کا نام ہے) یہ علم بھی ہے اور متحرک الاوسط بھی ہے۔ (اور یہ دونوں یعنی شتر اور ابراہیم عجمہ بھی ہیں) اور نوح منصرف ہوگا کیونکہ اس میں ایک شرط مفقود ہے یعنی اس میں علمیت تو پائی جاتی ہے مگر نہ تو یہ زائد علی الثلاثۃ ہے اور نہ متحرک الاوسط۔

فائدہ:۔ انبیاء کے ناموں میں سے کچھ منصرف ہیں بقیہ غیر منصرف ہیں، منصرف یہ ہیں صالحؑ، هودؑ، محمد ﷺ، شعیبؑ، نوحؑ، لوطؑ، عزیرؑ، بعض نے شیثؑ بھی ذکر کیا ہے۔

سوال:۔ عجمہ کے لئے علمیت کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ تاکہ اسم تبدیل وتغییر سے بچ جائے اس طریقہ پر کہ ایک زبان کا لفظ دوسری زبان والوں پر ثقیل ہوتا ہے اب ثقیل لفظ کو اگر عرب لوگ استعمال کریں گے تو لامحالہ تغیر و تبدل کریں گے تو ہم نے اس میں علمیت کی شرط لگائی تاکہ تغیر وتبدل سے بچ جائے کیونکہ علمیت کلمہ کو تغیر وتبدل سے بچاتی ہے۔

سوال:۔ زائد علی الثلاثۃ اور متحرک الاوسط کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ اسلئے کہ اگر یہ شرط نہ لگائیں تو کلمہ میں خفت پیدا ہوگی اور اسباب منع صرف میں

سے ایک سبب ثقالت ہے پس یہ صفت اس ثقالت کے معارض ہوگی اور عجمہ کا اثر ختم ہو جائے گا۔

الجمع

جمع اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے مگر یہ اس وقت مؤثر ہوگا جبکہ یہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو اور اس کے آخر میں ایسی تاء (ت) نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہ بن جاتی ہے یہ ایک سبب دو کے قائم مقام ہے۔

جمع منتہی الجموع:۔ جمع منتہی الجموع اسے کہتے ہیں جسکے شروع والا حرف مفتوح ہو اور الف جمع کے بعد دو حرف ہوں اور پہلا مکسور ہو جیسے مَسَاجِدُ یا ایک حرف ہو لیکن مشدّد ہو جیسے دوابّ یا تین حرف ہوں اور ساکن الاوسط ہوں جیسے: مصابیح وغیرذالک۔

سوال:۔ آخر میں تاء نہ ہونے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ اس لئے کہ آخر میں تاء ہوتو یہ مفرد کا وزن بن جاتا ہے جیسے فرازنة بروزن کراھیة، طواعیة جسکی وجہ سے اس جمع کی قوۃ میں کمی آجاتی ہے اور یہ ایک سبب دو کے قائم مقام نہیں بن سکتا۔

فرازنة منصرف

فرازنۃ منصرف ہے اسلئے کہ اسمیں شرط نہیں پائی جارہی ہے اور وہ یہ کہ ہم نے یہ شرط لگائی تھی کہ اسکے آخر میں ایسی ''تاء'' نہ ہو جو وقف میں ''ھاء'' ہو جائے۔

حضاجر:۔ حضاجر غیر منصرف ہے اور یہ بجّو (جو ایک چھوٹا سا جانور ہے) کو کہتے ہیں۔

اعتراض:۔ حضاجر کو غیر منصرف پڑھنا درست نہیں کیونکہ اگر چہ یہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہے مگر خود جمع نہیں تو جب مشروط اور اصل سبب ہی نہیں پایا جاتا ہے تو بغیر مشروط کے

شرط باطل ہے اس وجہ سے حضاجر کو غیر منصرف پڑھنا درست نہیں۔

جواب:۔ حضاجر جمع ہے مفرد نہیں کیونکہ جمع عام ہے چاہے فی الحال ہو یا فی الاصل' تو یہ اگر چہ فی الحال جمع نہیں مگر فی الاصل جمع ہے کیونکہ یہ حضاجر حضجر کی جمع ہے جسکے معنی (کبیر البطن) بڑے پیٹ والے کے آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ حضاجر جمع بھی ہے اور جمع منتہی الجموع بھی ہے تو اسکو غیر منصرف پڑھنا درست اور صحیح ہوا۔

اعتراض:۔ جب یہ فی الاصل جمع ہے تو شروع میں ان یکون فی الاصل کی قید کیوں نہیں لگائی جیسا کہ آپ نے وصف میں قید لگائی ہے کہ الوصف شرطه ان یکون فی الاصل.

جواب:۔ اس لیئے تاکہ سامع کو شبہ نہ ہو کہ جمع کی دو قسمیں ہیں (۱) اصلی (۲) عارضی

اعتراض:۔ سراویل کو آپ غیر منصرف پڑھتے ہیں حالانکہ نہ تو یہ فی الاصل جمع ہے اور نہ فی الحال' لہٰذا سراویل کا غیر منصرف پڑھنا صحیح نہ ہوا۔

جواب:۔ سراویل میں دو قول ہیں ا۔ یہ کہ یہ منصرف ہے تب تو اس میں کوئی اشکال نہیں ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے اور یہی جمہور کا قول ہے پھر انکے دو ۲ گروہ ہیں ا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عجمی ہے ۲۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ عربی ہے۔ (۱) جو کہتے ہیں یہ عجمی ہے وہ کہتے ہیں کہ جمع عام ہے حقیقی ہو یا حکمی، یہاں پر اگر چہ جمع حقیقی نہیں مگر جمع حکمی ضرور ہے یعنی ہم نے اس سراویل کو اوزانِ جموع عرب پر محمول کیا ہے یعنی سراویل، مصابیح اور اناعیم کا وزن ایک ہے تو ہم نے اسکو ان پر محمول کیا اور اسکو غیر منصرف قرار دیا۔ (۲) اور جو کہتے ہیں کہ یہ عربی لفظ ہے تو وہ بھی فرماتے ہیں کہ جمع عام ہے چاہے حقیقی ہو یا اعتباری یہاں پر اگر چہ جمع حقیقی نہیں مگر اعتباری ہے یعنی ہم نے اسکو جمع فرض کر لیا ہے

کیونکہ عرب اسکو غیر منصرف استعمال کرتے تھے، تو ہم نے ڈھونڈا تو کوئی اور سبب نہیں ملا تو ہم نے کہا یہ سروالة کی جمع ہے، کیونکہ اسکا وزن جمع منتہی الجموع کا ہے اور وہ قائم مقام دو سبب کے ہوتا ہے۔

واذا صرف فلا اشکال

اعتراض:۔ یہاں پر اذا کا لانا درست نہیں کیونکہ اذا قطعیت کیلئے آتا ہے اور سراویل کا منصرف ہونا قطعی نہیں بلکہ مشکوک ہے تو یہاں اِنْ استعمال کرنا چاہیے تھا نہ کہ اذا۔

جواب:۔ (۱) ماقبل کی مشابہت کی وجہ سے اذا لایا ہے، کیونکہ پہلے بھی ایک اذا ذکر ہو چکا ہے۔ (۲) جب ہم نے پہلے اذا لم یصرف وھو الاکثر کہا تو اس سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اس کا منصرف ہونا مشکوک ہے اب دوبارہ اگر ان لاتے تو تکرار آتا، اس تکرار سے بچنے کے لئے ان کو ترک کر کے مصنفؒ نے اذا کو ذکر فرمایا۔

نحو جوار رفعاً و جراً کقاضٍ

سوال:۔ جوارٍ سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب:۔ جوارٍ سے ہر وہ جمع منقوص مراد ہے جو فواعل کے وزن پر ہو۔

سوال:۔ جوارٍ اصل میں کیا تھا؟

جواب:۔ جوارٍ اصل میں جوارِیٌ تھا یاء پر ضمہ ثقیل تھا اس کو ساکن کیا پھر یاء کو حذف کیا اور ماقبل راء پر تنوین لگائی تو جوارٍ بن گیا، جیسے قاضی میں بنایا گیا۔

سوال:۔ جوارٍ کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ حالت رفعی اور جری میں قاضی کی طرح ہے اور حالت نصبی میں مفتوح ہوگا۔

سوال:۔ جوارٍ جمع کا صیغہ ہے اور قاضی مفرد ہے تو جمع کو مفرد پر قیاس کرنا درست نہیں، یہاں جمع کو مفرد پر کیوں قیاس کیا؟

جواب:۔ یہ قیاس افراد اور جمع میں نہیں بلکہ حذف یاء اور ادخال تنوین میں ہے یعنی جیسے قاضی میں ''یا'' کے حذف ہونے کہ وجہ سے ''ض'' پر تنوین آتی ہے اسی طرح ''جواری'' میں بھی حالت رفعی اور جری میں یاء حذف ہونے کی وجہ سے ''ر'' پر تنوین آتی ہے۔

سوال:۔ یہاں تو منصرف اور غیر منصرف کی بحث ہے تو مصنفؒ نے نہ یہ فرمایا کہ منصرف ہے اور نہ یہ کہ غیر منصرف ہے بلکہ رفعاً وجراً کہا یہ کیوں؟

جواب:۔ جوارٍ کے منصرف اور غیر منصرف ہونے میں اختلاف ہے اس لیئے مصنفؒ نے اس کو چھوڑ کر اسکے استعمال کا طریقہ بتایا اور اختلاف کو نہیں چھیڑا۔ یہ اختلاف اصل میں ایک اور اختلاف پر مبنی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ میں انصراف اور عدم انصراف مقدم ہے یا اعلال تو اس میں دو مذہب ہیں

ا۔ بعض کہتے ہیں کہ کلمۃ میں انصراف مقدم ہے اور تعلیل و اعلال مؤخر ہے دلیل یہ ہے کہ اعلال کلمہ سے اس کے ثقل کو دور کرنے کے لیئے کیا جاتا ہے اور کلمۃ ثقیل تب ہوگا جبکہ اسکا تلفظ کیا جائے اور تلفظ آپ تب کرینگے جب پہلے اس کے لیئے منصرف اور غیر منصرف کا فیصلہ کریں گے اس کے بغیر آپ تلفظ نہیں کر سکتے۔ انکے نزدیک جواری اعلال سے پہلے غیر منصرف ہے کیونکہ جمع بھی ہے اور جمع منتی الجموع کا صیغہ بھی' اور اعلال کے بعد یہ منصرف ہو گا کیونکہ یہ جوارٍ اگرچہ جمع کا صیغہ تو ہے مگر اب اسکی شرط باقی نہیں رہی یعنی منتی الجموع کا صیغہ نہیں رہا' جب شرط باقی نہ رہی تو اب یہ منصرف ہوگا۔

۲۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اعلال مقدم ہے اور انصراف اور عدم انصراف مؤخر ہے' انکی

دلیل یہ ہے کہ اعلال کلمہ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور انصراف وعدم انصراف وصف سے تعلق رکھتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذات وصف سے مقدم ہوتی ہے۔اب انکے پھر دو گروہ ہیں ا۔بعض کہتے ہیں کہ اب اعلال کے بعد یہ منصرف ہے کیونکہ یہ صیغہ اگر چہ جمع کا ہے مگر منتی الجموع کی شرط نہیں پائی جاتی۔اور اعلال سے پہلے وہ انصراف وعدم انصراف کو نہیں دیکھتے۔

(۲)۔اور بعض حضرات ان میں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ غیر منصرف ہے وہ فرماتے ہیں کہ جوارٍ اگر چہ ظاہراً منتہی الجموع کا صیغہ نہیں لیکن اصلاً ضرور ہے، کیونکہ یہ اصل میں جَوارِيُ تھا، اور جوارٍ کی تنوین ''یاء'' کے حذف پر دلالت کرتی ہے اور قاعدہ ہے کہ المحذوف کالملفوظ یعنی محذوف ملفوظ کے حکم میں ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ غیر منصرف ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور مذہب بھی ہے وہ یہ کہ جوارٍ اعلال سے پہلے بھی منصرف ہے اور اعلال کے بعد بھی منصرف ہے۔

الترکیب

تعریف:۔ صيرورة الكلمتين كلمة واحدة بغير حرفية احد الجزئين۔

(دوکلموں کو ملا کر ایک کر دینا مگر ان دونوں کلموں میں سے کوئی حرف نہ ہو)

ترکیب اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے اور یہ مؤثر سبب اس وقت بنے گا جب اس میں تین شرطیں ہوں، ان تین شرطوں میں ایک شرط وجودی ہے اور دو عدمی ہیں یعنی ترکیب میں علمیت کا پایا جانا ضروری ہے اور اضافت اور اسناد کا نہ ہونا ضروری ہے۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف النجم، بصريٌ اور قائمة پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ یہ بھی مرکب ہیں پس اس وجہ سے ان کو بھی غیر منصرف پڑھنا چاہیے۔

جواب:۔ ہم نے تعریف میں بغير حرفية احد الجزئين کی شرط لگائی ہے یعنی کہ ان

جزؤں میں سے کوئی جزء بھی حرف نہ ہو حالانکہ ان سب میں ایک جزء تو اسم ہے مگر دوسرا جزء حرف ہے مثلاً النجم میں الف لام حرف ہے بصریٌ میں یا حرف ہے اور قائمۃ میں ۃ حرف ہے

سوال:۔ علمیت کی شرط کیوں لگائی ؟

جواب:۔ علمیت کلمہ کو متغیر ہونے سے بچاتی ہے اور اس کے مؤثر ہونے میں قوت دیتی ہے اسلئے یہاں علمیت کی شرط لگائی ہے۔

سوال:۔ اضافت اور اسناد کے نہ ہونے کی شرط کیوں لگائی ؟

جواب:۔ اسلئے کہ اضافت کی وجہ سے اسمِ غیر منصرف کو منصرف بنایا جاتا ہے (یا منصرف کے حکم میں کردیا جاتا ہے بنا بر اختلاف مذاہب جیسے آگے آرہا ہے) اور اسناد مبنیات کے قبیل سے ہے (اور ہماری بحث مبنیات سے نہیں بلکہ معرب سے ہے) اس لیے ان دونوں کے نہ ہونے کی شرط لگائی۔

الف والنون

سوال:۔ اسباب منع صرف سب اوصاف کے قبیل سے ہیں اور الف نون ذوات میں سے ہے تو ان کا سبب بننا درست نہیں پھر ان کو سبب کیوں بنایا؟

جواب:۔ الالف والنون میں الف لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد وہ الف اور نون ہے جو کہ زائد ہوں پس زائدہ ہونا وصف ہے لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

سوال:۔ اسباب منع صرف سب کے سب فروع ہیں الف نون کو سبب قرار کیوں دیا جبکہ یہ فرع نہیں؟

جواب:۔ الف نون زائدتان بھی فرع ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ ان کا اصل کیا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱) کوفیوں کے نزدیک الف نون زائدتان فرع ہیں مزید علیہ کے یعنی یہ دونوں جن سے زائد ہیں ان کے فرع ہیں اب چونکہ ان کی فرعیت ثابت ہوگئی تو منع صرف کیلئے سبب بننے میں کوئی اشکال نہ رہا۔

۲) بصریوں کے نزدیک الف نون زائدتان الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے فرع ہیں کیونکہ الف نون زائدتان مشابہ ہیں الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے اس طور پر کہ جیسے الف مقصورہ اور ممدودہ پر ''تا'' نہیں آتی اسی طرح الف نون زائدتان پر بھی ''تا'' نہیں آتی پس الف نون زائدتان مشابہ ہوئے الف مقصورہ والف ممدودہ کے، اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ مشابہ مشابہ منہ کا فرع ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ الف نون زائدتان الف مقصورہ و ممدودہ کے فرع ہیں اور اسی وجہ سے ان کو سبب بنایا گیا ہے۔

الف نون زائدتان کا طریقہ استعمال:۔

الف نون زائدتان کے استعمال کے دو طریقے ہیں ۱۔ الف نون زائدتان اسم میں پایا جائیگا۔ ۲۔ وصف میں پایا جائے گا۔

اول طریقہ:۔ اگر الف نون زائدتان اسم میں ہو تو اس میں علمیت شرط ہے جیسے عمران یہ غیر منصرف ہے اس میں ایک علمیت ہے اور ایک الف نون زائدتان۔

دوسرا طریقہ:۔ اور اگر الف نون زائدتان وصف میں ہوں تو اس کے لئے کیا شرط ہے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فَعلیٰ کے وزن پر آئے پس سکران دونوں کے نزدیک غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کی مؤنث سکریٰ فَعلیٰ کے وزن پر آتی ہے پہلے والوں کی شرط بھی پوری ہوگئی اس لیے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہیں آتی اور دوسرے مذہب والوں کی شرط بھی پائی جاتی ہے اس لئے کہ

اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہے۔ ندمان جب ندیم سے ہوتو دونوں کے نزدیک منصرف ہوگا اس لئے کہ اس کی مؤنث ندمانۃ بروزن فعلانۃ آتی ہے اور اگر ندمان نادم سے ہوتو دونوں کے نزدیک غیر منصرف ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کی مؤنث ندمیٰ آتی ہے بروزن فعلی کیونکہ دونوں مذاہب کی شرط پائی جاتی ہے اس وجہ سے دونوں کے نزدیک غیر منصرف ہوگا۔

رحمان:۔

رحمان میں اختلاف ہے جو کہتے ہیں کہ الف نون اگر وصف میں ہوتو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے تو ان کے نزدیک رحمٰن غیر منصرف ہوگا کیونکہ اس کی مؤنث ہی نہیں آتی (یہ اللہ تعالیٰ کا صفتی نام ہے) اس وجہ سے یہ غیر منصرف ہوگا اور جو یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کی مؤنث فعلیٰ کے وزن پر آنی چاہیے تو ان کے نزدیک یہ منصرف ہوگا کیونکہ ان کی شرط یہاں نہیں پائی جاتی کیونکہ جب رحمٰن کی مؤنث ہی نہیں آتی ہے تو پھر فعلی کا وزن کس طرح پایا جائے گا اور پہلے والوں کے نزدیک صرف یہ شرط تھی کہ مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ آئے تو یہاں مؤنث ہی نہیں آتی تو فعلانۃ کا وزن کیسے ہوگا یہ تو زیادہ بہتر اور اعلیٰ ہوگا۔

الف والنون ان کانتا فی اسم فشرطه العلمية

سوال:۔ شرطہ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

جواب:۔ اس میں دو احتمال ہیں ۱) اس کا مرجع اسم ہو اس صورت میں عبارت یوں ہو گی فشرط الاسم الذی فیه الالف والنون العلمية۔ ۲) اس کا مرجع الالف والنون بھی ہوسکتا ہے۔

اعتراض:۔ شرطہ کا مرجع الف ونون بنانا درست نہیں کیونکہ ضمیر مفرد کی ہے اور الف نون تثنیہ ہے حالانکہ راجع اور مرجع میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب:۔ یہ دونوں الگ الگ سبب نہیں بلکہ سبب واحد ہے اور اس اعتبار سے ضمیر واحد لوٹانا درست ہے۔

وزن الفعل

وزن فعل کی تعریف:۔ **کون الاسم علی وزن یعد من اوزان الفعل**

وزن فعل بھی اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے مگر یہ مؤثر سبب اس وقت بنے گا جب اس میں دو شرطوں میں سے کوئی ایک پائی جائے۔

۱۔ جب یہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو، ۲۔ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی ایک حرف ہو (یعنی جو حروف مضارع کے شروع میں آتے ہیں، الف، تا، یا اور نون) اور وہ تا کو قبول نہ کرتا ہو۔

اعتراض:۔ آپ نے وزن فعل کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ وہ وزن اوزان فعل کے ساتھ خاص ہو یہ درست نہیں کیونکہ خاص کی تعریف یہ ہے کہ **ما یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ** تو آپکی تعریف صحیح نہیں ہوئی کیونکہ جب وزن فعل کے ساتھ خاص ہوگا تو اسم میں کیسے پایا جائیگا۔

جواب:۔ ہم نے جو تعریف میں **ان یختص بہ** کی قید لگائی ہے وہ اصل کے اعتبار سے ہے یعنی وہ وزن اصل میں فعل ہی کا ہو اور جو اسم میں ہے وہ بھی فعل سے منقول ہو کر آئے جیسے **شمّر** یہ باب تفعیل سے فعل ماضی کا صیغہ ہے جس کے معنی دامن اٹھانے کے آتے ہیں یہ بعد میں حجاج بن یوسف کے ایک تیز گھوڑے کا نام پڑ گیا اب شمّر غیر منصرف ہے ایک اس

میں علمیت پائی جاتی ہے اور ایک وزن فعل اور اسی طرح ضُرِبَ کسی کا نام رکھا جائے تو یہ بھی غیر منصرف ہوگا۔

سوال:۔ صاحب کتاب نے معروف کا صیغہ ضَرَبَ کو کیوں نہیں ذکر کیا؟

جواب:۔ ضَرَبَ کا وزن اکثر اسم میں بھی پایا جاتا ہے اسلئے مصنفؒ نے مجہول کے صیغہ کو ذکر کیا جیسے حَجَرَ شَجَرَ وغیرہ

اگر کوئی وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں تو اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی حرف ہو اور تاء کو قبول نہ کرتا ہو جیسے اَحْمر یہ وزن اگر چہ فعل کے ساتھ خاص نہیں مگر پھر بھی یہ غیر منصرف ہے کیونکہ یہ تاء کو قبول بھی نہیں کرتا اور شروع میں حروف اتین میں سے ھمزہ ہے اور یعمل منصرف ہے اس کے شروع میں اگر چہ یا ہے مگر پھر بھی یہ منصرف ہے کیونکہ یہ تاء کو قبول کرتا ہے جیسے: ناقة يعملة استعمال ہوتا ہے۔

سوال:۔ وزن فعل کے ساتھ ان يختص به (یعنی وہ وزن اوزان فعل کے ساتھ خاص ہو) کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ اسلئے کہ جب یہ وزن فعل سے منتقل ہو کر آئے گا تو اسم میں خلاف عادت یعنی اسم کے خلاف ہو جانے کی وجہ سے ثقیل ہوگا اور یہ جتنا ثقیل ہوگا اتنا ہی غیر منصرف بننے میں زیادہ مؤثر ہوگا۔

سوال:۔ اس کے شروع میں حروف اتین کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ جب یہ وزن فعل کے اوزان کے ساتھ خاص نہ ہوگا تو اس کے شروع میں اگر حروف اتین میں سے کوئی حرف ہوگا تو فعل کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جائے گی جس سے وہ منع صرف میں زیادہ مؤثر ہوگا۔

سوال:۔ تاء کو قبول نہ کرنے کی شرط کیوں لگائی؟

جواب:۔ اسلئے کہ اسم کے آخر میں تاء آتی ہے اب اگر اسکے آخر میں تاء داخل ہوگی تو وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں رہے گا اور وزن فعل سے نکل جائے گا۔

وما فيه علمية مؤثرة اذانكر صرف

یہاں سے مصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ اسباب منع صرف جن میں علمیت پائی جاتی ہے چاہے بطور شرط کے ہو یا صرف سبب محض کے طور پر۔ تو اگر وہاں علمیت کو نکرہ بنادیا جائے تو وہ اسم غیر منصرف سے منصرف بن جائیگا۔ علمیت اگر اسباب منع صرف میں سے کسی کے ساتھ جمع ہوجائے تو وہ دوحال سے خالی نہیں، ۱۔ یا تو یہ علمیت اس سبب کے لئے شرط ہوگی ۲۔ یا سبب محض کے طور پر جمع ہوگی۔

فائدہ:۔ علمیت کو نکرہ بنانے کے دوطریقے ہیں ۱۔ علم بول کر وصف مشہور مرادلیا جائے جیسے لکل فرعون موسیٰ ای لکل مبطل محق ۔ ۲۔ علم کو اٹھا کر پوری جماعت کا نام رکھا جائے جیسے رأیت عمرَو عمراً آخر یہاں دوسرا عمر نکرہ ہے اس لئے منصرف ہے

وہ اسباب جن کے لئے علمیت شرط ہے:۔

وہ اسباب جن میں علمیت بطور شرط اور سبب کے جمع ہوتی ہے وہ کل پانچ ہیں ① تانیث بالتاء، ② معرفہ، ③ عجمہ، ④ ترکیب، ⑤ الف نون زائدتان جبکہ یہ دونوں اسم میں ہوں۔ یہ وہ مقام ہیں جہاں علمیت بطور شرط کے پائی جاتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جن اسباب میں علمیت بطور شرط کے جمع ہوتی ہے وہ چار ہیں وہ حضرات معرفہ کو شمار نہیں کرتے

اور فرماتے ہیں کہ معرفہ علمیت ہی کی ایک قسم ہے

وہ اسباب جن میں علمیت صرف سبب محض کے طور پر جمع ہوتی ہے:۔

وہ جگہیں اور وہ اسباب منع صرف جن میں علمیت اتفاقاً سبب محض کے طور پر جمع ہوتی ہے وہ صرف دو ہیں (۱) عدل اور (۲) وزن فعل۔ وہ اسباب جن میں علمیت پائی جاتی ہے چاہے بطور شرط کے ہو یا سبب محض کے ان میں اگر علمیت کو نکرہ بنادیں تو وہ اسماء منصرف بن جائیں گے اور اگر اس اسم میں علمیت بطور شرط کے تھی تو اب کوئی سبب باقی نہیں رہے گا کیونکہ ایک سبب تو علمیت تھا اس کو نکرہ بنایا تو وہ ختم ہو گیا صرف ایک سبب رہ گیا تھا وہ سبب بھی شرط نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہو جائیگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ **اذا فات الشرط فات المشروط** جیسے **بعلبک** اس میں ایک ترکیب ہے اور ایک علم اور علمیت اس کے لئے شرط ہے اب جب کہ آپ نے علمیت کو نکرہ بنا دیا تو ایک سبب تو اسی وجہ سے ختم ہوا اور دوسرا سبب ترکیب کا وہ شرط کے نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہو گیا اور اسم بلا سبب کے رہ گیا لہٰذا یہ منصرف ہوگا اور اگر علمیت بطور شرط کے نہ ہو بلکہ سبب محض کے طور پر ہو تو اس صورت میں اسم میں ایک سبب رہ جائیگا جو کہ اسم کو غیر منصرف بنانے کے لئے کافی نہیں جیسے **عمر** اس میں ایک عدل ہے اور ایک علم اور علمیت اس کے لئے شرط نہیں اب اگر اس کو ہم نکرہ بنادیں تو صرف ایک سبب عدل رہ جائیگا اور اسم کو غیر منصرف بنانے کے لئے دو اسباب کی ضرورت پڑتی ہے یا جو دو کے قائم مقام ہو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور یہاں صرف ایک سبب ہے اس وجہ سے یہ اسم اب منصرف ہوگا۔

وهما متضادان

یہ ایک اشکال کا جواب ہے اور وہ یہ کہ کوئی آدمی کہہ دے کہ کسی اسم کے اندر وزن فعل اور عدل کے ساتھ علمیت پائی جائے تو اگر وہاں علمیت کو نکرہ بنادیا جائے تو پھر بھی اسم غیر منصرف

ہی رہے گا کیونکہ دوسبب عدل اور وزن فعل اب بھی موجود ہوں گے کیونکہ علمیت ان کے لئے شرط نہیں کہ جس کے ختم ہونے سے یہ بھی سبب نہ رہیں۔تو مصنفؒ نے اس کا جواب **وھما متضادان** سے دے دیا کہ وزن فعل اور عدل میں منافات اور تضاد ہے یہ دونوں کسی اسم میں جمع نہیں ہوسکتے اسلئے کہ اوزان عدل چھ ہیں جو وزن فعل میں نہیں پائے جاتے۔

فائدہ:۔ اوزان عدل

عدل کے کل چھ اوزان ہیں جن کو شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے

اوزان عدل شش بودائے صاحب کمال　　　فَعْلِ فَعَلْ فُعَالَ فُعَلُ مَفْعَلَ فَعَالِ

از ہر یک مثال بگویم ترا اے عزیز　　　اَمْسِ سَحَرُ ثُلٰثَ عُمَرُ مَثْلَثَ نَزَالِ

خالف سيبويه الاخفش فى مثل احمر

سیبویہؒ نے احمر جیسی مثالوں میں اخفشؒ کی مخالفت کی ہے کہ جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے تو منصرف ہونا چاہیے یا غیر منصرف۔

اخفش سے کون مراد ہیں؟ علم نحو میں جب اخفش کا نام آتا ہے تو اس سے تین شخص مراد ہوتے ہیں ❶ سیبویہ کا استاذ ❷ سیبویہ کا شاگرد ❸ سیبویہ کا ہم عصر اور ساتھی، یہاں اخفش سے سیبویہ کا شاگرد مراد ہے (جس کا اصل نام ابوالحسن سعید بن سعدہ تھا)

اعتراض:۔ مخالفت کی نسبت عرب کے محاورے میں ادنیٰ کی طرف کی جاتی ہے اور یہاں سیبویہ جو کہ استاذ ہے اس کی طرف کیوں کی ہے جبکہ استاذ شاگرد سے اعلیٰ ہوتا ہے۔

جواب:۔ یہاں پر مرتبہ کا لحاظ نہیں کیا ہے بلکہ دلیل کی قوت اور ضعف کا اعتبار کیا ہے تو اخفش اگرچہ شاگرد تھا لیکن جمہور نحاۃ کے مذہب کے موافق تھا اور سیبویہ کا مذہب جمہور نحاۃ

کے مخالف تھا لہٰذا مصنفؒ نے مخالفت کی نسبت سیبویہ کی طرف کردی۔

سوال:۔ فی مثل احمر سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ احمر سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کو واضع نے صفت کے لئے وضع کیا ہو اور بعد میں علم بن جائے۔

اختلاف:۔ اب اختلاف یہ ہے کہ سیبویہ فرماتے ہیں کہ احمر سے اگر علمیت کو ختم کیا جائے تب بھی غیر منصرف ہوگا کیونکہ احمر میں معنیٰ وصفی پایا جاتا تھا۔ جب آپ نے اس کو علم بنایا تو اس میں معنیٰ وصفی ختم ہو گیا اب جب کہ اس کو نکرہ بنایا تو علمیت ختم ہوگئی تو وہ معنیٰ وصفی جو علمیت کی وجہ سے معدوم ہوئے تھے دوبارہ لوٹ کر آئیں گے اور احمر غیر منصرف ہوگا وزن فعل اور وصف کی وجہ سے۔ اخفش فرماتے ہیں کہ احمر کو جب نکرہ بنایا تو اب یہ منصرف ہوگا کیونکہ اب اس میں صرف وزن فعل پایا جاتا ہے اور کچھ نہیں پایا جاتا اور وصف چونکہ معدوم ہو چکا ہے اب واپس نہیں لایا جائیگا۔

اصل بات:۔ حقیقت اختلاف یہ ہے کہ سیبویہ معدوم کا اعتبار کرتے ہیں اور اخفش معدوم کا اعتبار نہیں کرتے۔

سیبویہ کہتے ہیں کہ احمر میں اصلاً معنیٰ وصفی پائے جاتے ہیں مگر جب اس میں علمیت آگئی تو اس کی وجہ سے احمر سے معنیٰ وصفی معدوم ہوگئی اب جب نکرہ بنانے کے بعد اس کی علمیت ختم ہوگئی اور معنیٰ وصفی کو جو چیز مانع تھی وہ ختم ہوگئی ہے تو اس وجہ سے اس کی معنیٰ وصفی دوبارہ لوٹ آئے گی۔

اخفش فرماتے ہیں کہ جو چیز معدوم ہوگئی اب دوبارہ اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

اخفش پر سوال:۔ اب سیبویہ اخفش سے سوال کرتے ہیں کہ پھر ارقم اور اسود کو بھی

منصرف پڑھنا چاہئے کیونکہ جب ان پر علمیت غالب آگئی تو ان میں سے معنی وصفی ختم ہوگئے تو آپ ان کو کیوں غیر منصرف پڑھتے ہیں۔

جواب:۔ اخفش اس کا جواب دیتے ہیں کہ ❶ ارقم اور اسود میں اگر چہ علمیت غالب آگئی ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ معنی وصفی پائے جاتے ہیں اور ان سے معنی وصفی من کل الوجوہ ختم نہیں ہوئے کیونکہ اسود مطلق سانپ کو یا سرخ سانپ کو نہیں کہا جاتا بلکہ کالے سانپ ہی کو کہا جاتا ہے جبکہ احمر کسی کا نام رکھ دیا جائے تو اسمیں اس کے معنی من کل الوجوہ ختم ہوجاتے ہیں ❷ دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے ارقم اور اسود کو غیر منصرف بنانے کیلئے وصف کو سبب نہیں قرار دیا بلکہ وزن فعل اور علمیت کو سبب قرار دیا ہے بخلاف احمر کے اس میں چونکہ علمیت ختم ہوگئی ہے اور باقی وزن فعل ہے لہٰذا آپ اس میں وصف کے علاوہ کوئی سبب مان ہی نہیں سکتے۔

سیبویہ پر سوال:۔ امام اخفش سوال کرتے ہیں کہ جب آپ معدوم چیز کا اعتبار کرتے ہیں تو حاتم جیسے اسماء کو غیر منصرف کیوں نہیں مانتے؟ کیونکہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اس میں معنی وصفی پائے جاتے ہیں اور حاتم کے معنی حکم کرنے وغیرہ کے آتے ہیں اس سے معنی وصفی اس لئے زائل ہوئی تھی کہ یہ علم بن گیا تھا تو معدوم کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو بھی غیر منصرف ماننا چاہئے۔

جواب:۔ مصنفؒ نے سیبویہ کی طرف سے اس کا جواب **ولا یلزمہ ......الخ** سے دیدیا کہ اس سے دو متضاد چیزوں کا ایک حکم میں جمع ہونا لازم آئیگا جو کہ جائز نہیں اور وہ دو چیزیں علمیت اور وصف ہیں کیونکہ علمیت ذات معین پر دلالت کرتی ہے اور وصف ذات مبہم پر۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ متضاد کا اجتماع حکم واحد میں جائز نہیں حالانکہ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ ایک جگہ پر متضادین کا اجتماع ہوگیا ہے جیسے **عمر** اور ثلث میں، کیونکہ **عمر**

تو اس وجہ سے غیر منصرف ہے کہ اس میں ایک علمیت اور دوسرا عدل پایا جاتا ہے اور ثلث غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس میں ایک عدل اور ایک وصف پایا جاتا ہے مگر دونوں کا حکم ایک ہے کہ دونوں غیر منصرف ہیں۔

جواب:۔ یہاں ایک جملہ اور ہے وہ یہ کہ مع اتحاد اللفظ یعنی لفظ کا بھی ایک ہونا ضروری ہے اور یہاں عمر اور ثلث دونوں الگ الگ لفظ ہیں۔

باب حاتم سے مراد:۔ باب حاتم سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کو واضع نے وصف کے لئے وضع کیا ہو اور بعد میں علم بن گیا ہو۔

و جمیع الباب باللام او بالاضافة ینجر بالکسر

اسم غیر منصرف کو منصرف بنانے کا طریقہ:۔

اسم غیر منصرف پر اگر الف لام داخل کیا جائے یا اس کی اضافت کی جائے تو وہ اسم کسرہ کے ساتھ مجرور ہوگا جیسے مررت بالاحمدِ اور مررت باحمدِ کم۔

سوال:۔ جمیع الباب سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ وہ تمام اسماء مراد ہیں جو کہ غیر منصرف ہوں۔

سوال:۔ مصنفؒ نے ینجر اور بالکسر دونوں کو لایا صرف ینجر کیوں نہیں لایا؟

جواب:۔ اس لئے کہ بعض اسماء مجرور تو ہوتے ہیں لیکن ان پر فتح آتا ہے جیسے مررت باحمدَ وغیرہ تو یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ مجرور کسرہ کے ساتھ ہوگا۔

سوال:۔ صرف ینکسر کہتے ینجر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب:۔ اس لئے کہ کسرہ اعراب بنائیہ میں سے ہے تو کسی کو شبہ ہو جاتا کہ شاید وہ مبنی بر کسرہ ہو اس لئے مصنفؒ نے ینجر بالکسر فرمایا۔

سوال:۔ یہاں مصنفؒ نے صرف اعراب بتایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ یہ منصرف ہوتا ہے یا غیر منصرف ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ اسم منصرف ہوگا یا غیر منصرف اس وجہ سے مصنفؒ نے صرف اعراب ذکر کر کے چھوڑ دیا اور اس کا حکم نہیں بتایا۔

اصل اختلاف کا سبب اور اختلاف کی وضاحت:۔ اصل اختلاف غیر منصرف کی تعریف میں ہے ❶ بعض کہتے ہیں کہ غیر منصرف وہ ہے جس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا وہ ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو پایا جائے۔ ❷ بعض کے نزدیک غیر منصرف وہ ہے کہ جس پر کسرہ اور تنوین نہ آتی ہو۔

پس (ا) جن کے نزدیک غیر منصرف کی تعریف یہ ہے کہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو پایا جائے، ان کے نزدیک اگر اسم پر الف لام اور اضافت کی وجہ سے کسرہ آ بھی جائے تب بھی یہ غیر منصرف ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک کسرہ مانع منع صرف نہیں ہے اور چونکہ دو سبب یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو، وہ تو کسرہ کے بعد بھی پائے جاتے ہیں اس وجہ سے اس گروہ کے نزدیک وہ اسم غیر منصرف ہی رہیگا۔ (۲) جن کے نزدیک غیر منصرف کی تعریف یہ ہے جس پر کسرہ اور تنوین نہ آئے تو ان میں پھر دو گروہ ہیں۔

ا) بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم کسرہ کے داخل ہونے کے بعد بھی غیر منصرف ہی رہے گا کیونکہ اصل جو مانع منع صرف ہے وہ تنوین ہے اور وہ یہاں اضافت اور الف لام دونوں صورتوں میں داخل نہیں ہوتی جیسے الف لام کی مثال بالاحمر اور اضافت کی مثال جیسے مررت بعمرکم کیونکہ تنوین تمکن پر دلالت کرتی ہے اس وجہ سے اصل صرف سے مانع تنوین ہی ہے اور کسرہ فرع ہے جس کا اعتبار نہیں اسی وجہ سے (کہ یہاں الف لام اور اضافت کے

باوجود) تنوین نہیں آتی تو اسم بدستور غیر منصرف ہی رہیگا۔ ۲) بعض کے نزدیک یہ اسم منصرف ہو جائے گا کیونکہ اب اس پر کسرہ داخل ہو گیا ہے جو کہ مانع منع صرف ہے کیونکہ کسرہ اکثر جگہ بدون تنوین کے نہیں آتا تو جب یہاں کسرہ داخل ہو گیا تو گویا تنوین بھی آگئی اور یہاں تنوین اس وجہ سے نہیں آئی ہے کہ الف لام اوراضافت دونوں مانع تنوین ہیں۔

تمت المقدمة من الكافيه بحمدالله عزّ وجلّ

"المرفوعات"

هو مااشتمل على علم الفاعلية

اس مختصرسی عبارت میں چھ باتیں ہیں (۱) مرفوعات کومنصوبات اور مجرورات پر کیوں مقدم کیا؟ (۲) مرفوعات میں اعراب کا احتمال اورانکی وجوہ (۳) مرفوعات کس کی جمع ہے مرفوع کی یا مرفوعۃ کی؟ (۴) ھُوَ ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ (۵) علیٰ علم الفاعلیۃ کہا ہے علی علم الرّفع کیوں نہیں کہا؟ (۶) علم الفاعلیۃ سے کیا مراد ہے؟

سوال:۔ مرفوعات کومنصوبات اور مجرورات پر کیوں مقدم کیا؟

جواب:۔ مرفوع فاعل ہوتا ہے جو کہ عمدہ ہوتا ہے اور منصوبات ومجرورات فضلہ ہوتے ہیں اس لئے مقدم کیا۔

سوال:۔ المرفوعات میں اعراب کونسے ہیں؟

جواب:۔ المرفوعات میں چاروں اعراب: رفع، نصب، جر، سکون درست ہیں (۱) اگر مرفوعات کومرفوع پڑھیں تو دو احتمال ہیں۔ (۱) یا تو یہ خبر ہے مبتدا محذوف کیلئے اور اصل عبارت یہ ہے هـذه الـمـرفـوعـات (۲) یا تو یہ مبتدا ہے برائے خبر اور خبر هـو مـا

اشتمل...... الخ مذکور ہے۔

(۲) اگر مرفوعات کو منصوب پڑھیں تو یہ مفعول واقع ہوگا فعل محذوف کیلئے اور عبارت یوں ہوگی خذالمرفوعات یا اشرع المرفوعات۔

(۳) اگر المرفوعات کو مجرور پڑھیں تو یہ مضاف الیہ ہوگا مضاف محذوف کیلئے اور عبارت یوں ہوگی بحث المرفوعات یا ھذا الباب فی المرفوعات۔

(۴) اگر المرفوعات کو ساکن پڑھیں تو یہ فصل ہوگا ماقبل اور مابعد کیلئے المرفوعاتْ۔

سوال:۔ مرفوعات کس کی جمع ہے؟

جواب:۔ اس میں دو احتمال ہیں (۱) مرفوعٌ کی (۲) مرفوعۃٌ کی۔

(۱) پہلا احتمال اس لئے صحیح نہیں کہ مرفوعٌ مذکر مفرد ہے اسکی جمع واؤ اور نون کے ساتھ آتی ہے اگر مرفوعٌ کی جمع ہوتی تو پھر مرفوعون آنا چاہیے لیکن مرفوعون نہیں تو معلوم ہوا کہ المرفوعات مرفوعٌ کی جمع نہیں ہے (۲) دوسرا احتمال بھی صحیح نہیں کیونکہ المرفوعات مرفوعۃٌ کی جمع بھی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ مرفوعات صفت ہے اسماء کی اور اسم مذکر ہے اب اگر اسکا مفرد مرفوعۃٌ لائیں تو پھر موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہتی۔

مرفوعات مرفوع کی جمع ہے:۔ پھر اشکال ہوگا کہ مرفوعٌ تو مذکر ہے اسکی جمع الف اور تاء کیساتھ کیسے آئی تو اسکا جواب یہ ہے کہ نحویوں کا ایک قاعدہ ہے۔

قاعدہ:۔ مذکر غیر عاقل کی صفت کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے تو ''اسم'' مذکر غیر عاقل ہے اور مرفوع اسکی صفت ہے اور اسکی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے المرفوعات۔ جیسے الیوم کی صفت خالیٌ آتی ہے اور اسکی جمع خالیات آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے کہ فی الایام الخالیات۔

سوال:۔ ھو کا مرجع کیا ہے؟

جواب:۔اس میں دو احتمال ہیں: اس کا مرجع مرفوعات ہے اور یا مرفوع ہے۔

(۱): مرفوعات اسکا مرجع نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ھو مذکر ہے اور مرفوعات مؤنث اسی طرح ھو واحد ہے اور مرفوعات جمع ہے۔(۲) مرفوعٌ بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس طرح اضمار قبل الذکر لازم آئیگا۔

حل:۔ ھو کا مرجع مرفوعٌ ہے اور اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا کیونکہ جمع کے ضمن میں مفرد پایا جاتا ہے تو مرفوعات کے ضمن میں مرفوع پایا جاتا ہے۔(یعنی جنس مرفوع)

سوال:۔ مصنفؒ نے علم الفاعلیۃ کہا ہے، علم الرفع کیوں نہیں فرمایا؟

جواب:۔ اس لئے کہ ھو سے مراد بھی مرفوعٌ ہے اور اب دوبارہ رفع لے آتے تو تکرار آجاتا اسلئے مصنفؒ نے تکرار سے بچنے کیلئے علم الفاعلیۃ کہا۔

سوال:۔ علم الفاعلیۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ علم الفاعلیۃ سے مراد اعراب بالحرکت میں ضمہ ہے جیسے جاء نی زید۔اور اعراب بالحرف میں الف اور واؤ دونوں ہیں جیسے جاء نی رجلان اور جاء نی مسلمون وغیرہ۔

فمنه الفاعل

سوال:۔ مرفوعات تو کل آٹھ ہیں ان میں سے فاعل کو کیوں مقدم کیا؟

جواب:۔ اس لئے کہ فاعل جمہور کے نزدیک تمام مرفوعات سے اصل ہے اور اس کے اصل ہونے کیوجہ یہ ہے کہ یہ جملہ فعلیہ کا جزء ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں سے اصل ہوتا ہے۔اور جملہ فعلیہ اصل اس وجہ سے ہے کہ اس میں ایک معنی کی زیادتی پائی جاتی ہے جو

دوسرے جملوں میں نہیں پائی جاتی اور وہ معنی کی زیادتی ''زمانہ'' ہے جو کہ صرف جملہ فعلیہ میں پائی جاتی ہے۔

فاعل کی تعریف

ما اسند اليه الفعل او شبهه وقدم عليه على جهة قيامه به.

فاعل ہر وہ اسم ہے جسکی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اور وہ دونوں اس اسم سے مقدم ہوں اور اس طریقے پر نسبت کی گئی ہو کہ وہ دونوں اس اسم کیساتھ قائم ہوں۔ ہر تعریف میں ایک جنس ہوتی ہے اور کئی فصول ہوتی ہیں تو فاعل کی تعریف میں ما جنس ہے۔ اسند اليه الفعل أو شبهه فصل اول ہے اس سے زید أبوک کی ترکیب خارج ہوگئی کیونکہ یہاں زید اسم کی طرف اُبوک کی نسبت تو ہے مگر زید نہ فعل ہے اور نہ شبہ فعل۔ قدم عليه فصل ثانی ہے اس سے زید ضرب کی ترکیب خارج ہوگئی کیونکہ یہاں اسم مقدم ہے۔

علىٰ جهة قيامه به فصل ثالث ہے اس سے ضُرِبَ زیدٌ یعنی فعل مجہول کی ترکیب خارج ہوگئی کیونکہ اس میں فعل زید کے ساتھ قائم نہیں۔ فعل کی مثال قام زید: شبہ فعل کی مثال زید قائم ابوہ۔

والاصل ان يلى الفعل

فاعل کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے فعل کیساتھ ہو اسی وجہ سے ضرب غلامَہ زیدٌ کی ترکیب جائز ہے مگر ضرب غلامُہ زیداً کی ترکیب جائز نہیں۔ ظاہراً یہ دونوں ترکیبیں درست نہیں ہونی چاہیے تھیں کیونکہ ان دونوں ترکیبوں میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لیکن پہلی ترکیب جائز ہے کیونکہ وہاں اضمار قبل الذکر اگرچہ لفظاً ہے لیکن رتبۃً نہیں ہے، کیونکہ غلامہ کی ضمیر زید کی طرف راجع ہے جو فاعل ہے تو زید اگرچہ لفظاً بعد میں واقع ہے لیکن رتبۃً اور معنًا مقدم ہے کیونکہ یہ فاعل ہے اور فاعل کا رتبہ مفعول سے مقدم ہوتا ہے اسوجہ سے یہاں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا بخلاف دوسری ترکیب ضرب غلامُہ زیداً کے کیونکہ اس

میں غلامہ کی ضمیر کا مرجع پھر وہی زید ہے مگر یہاں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، کیونکہ یہاں زیدٌ امفعول واقع ہے جو کہ لفظاً بھی مؤخر ہے اور رتبۃً بھی، تو اس وجہ سے یہ ترکیب درست نہیں۔

واذا انتفی الاعراب

یہاں سے مصنفؒ ان مقامات کو ذکر کر رہے ہیں جہاں فاعل کو مفعول بہ پر مقدم کرنا واجب ہے اور وہ مقامات کل چار (۴) ہیں۔

(۱) جب فاعل اور مفعول دونوں میں اعراب لفظی بھی نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو وہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے: ضرب موسیٰ عیسیٰ یہاں فاعل اور مفعول دونوں اعراب لفظی سے خالی ہیں پس یہاں اگر ہم فاعل کو مفعول بہ پر مقدم کرنا واجب قرار نہ دیں تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے، اگر ان میں اعراب لفظی یا کوئی قرینہ ہو تو مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا جائز ہے اعراب لفظی کی مثال جیسے: ضرب عمرًا زیدٌ قرینہ چاہے لفظی ہو جیسے: ضربت موسیٰ حبلیٰ یہاں موسیٰ مفعول واقع ہے اگر چہ ان دونوں میں اعراب لفظی نہیں ہے لیکن یہ بات پھر بھی ظاہر ہے کہ یہاں حبلیٰ فاعل ہے کیونکہ اگر موسیٰ فاعل ہوتا تو ضربت کے بجائے ضرب (فعل مذکر) ہوتا، یا قرینہ معنوی ہو جیسے اکل الکمثریٰ یحیٰ یہاں اگر چہ اعراب لفظی نہیں ہے لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ آکل یحیٰ ہے اس لئے کہ امرود یحیٰ کو نہیں کھا سکتا۔

(۲) جب فاعل ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مفعول سے مقدم کرنا واجب ہے جیسے ضربتُ زیدًا۔ یہاں مفعول کو فاعل پر اس لئے مقدم نہیں کر سکتے کہ اگر مفعول کو فاعل پر مقدم کریں گے تو ضمیر متصل کو منفصل کرنا پڑے گا اور ضمیر متصل اور منفصل میں منافات ہے اس وجہ سے یہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

(۳) تیسری جگہ جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ جب مفعول الّا کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب زید الاعمراً۔ یہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا اسلئے واجب ہے کہ اگر ہم مفعول کو مقدم کریں گے تو ہمارے مقصود کے خلاف ہوگا، کیونکہ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ زید نے صرف عمرو کو مارا ہے اور کسی کو نہیں یعنی ضاربیت زید منحصر ہے مضروبیت عمرو پر اور اگر یہاں مفعول کو مقدم کریں گے جیسے ماضرب عمراً الا زیدٌ تو ترجمہ یہ ہوگا عمرو کو صرف زید نے مارا ہے اور کسی نے نہیں مارا یعنی اس صورت میں مضروبیت عمرو منحصر ہوگی ضاربیت زید پر اور یہ ہمارا مقصود نہیں بلکہ ہمارا مقصود ضاربیت زید کو مضروبیت عمرو پر منحصر کرنا ہے۔

(۴) جہاں مفعول معنی الا کے بعد واقع ہو تو وہاں بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے انما ضرب زید عمراً، یہاں اگر مفعول کو مقدم کریں تو وہی خرابی لازم آتی ہے جو تیسری صورت میں آتی ہے۔

واذا اتصل به ضمیر مفعول

یہاں سے مصنفؒ ان مقامات کو ذکر فرما رہے ہیں جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے اور وہ بھی کل چار (۴) مقام ہیں۔

(۱) جہاں مفعول کی ضمیر فاعل کیساتھ متصل ہو جیسے ضرب زیدًا غلامُہ یہاں پر مفعول کو فاعل پر مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مفعول پر مقدم کریں گے تو اضمار قبل الذکر لازم آیگا جیسے ضرب غلامُہ زیدا یہاں غلامہ کی ضمیر زید کی طرف لوٹ رہی ہے جو لفظاً اور معنًی مؤخر ہے لفظاً تو ظاہر ہے معنًی اس لئے کہ یہ مفعول واقع ہے اور مفعول معنًی مؤخر ہی ہوتا ہے۔

(۲) دوسری جگہ جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ جب فاعل الا

کے بعد واقع ہو جیسے ماضرب عمراًالا زید" اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر ہم فاعل کو مقدم کریں گے تو مقصود کے خلاف لازم آئے گا کیونکہ ہمارا مقصود مضروبیت عمرو کو ضاربیت زید پر منحصر کرنا ہے اور اگر فاعل کو مقدم کریں گے تو ضاربیت زید کا مضروبیت عمرو پر منحصر ہونا لازم آئے گا جو کہ ہمارا مقصود نہیں ہے۔

(۳) تیسری جگہ ان جگہوں میں سے جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ فاعل معنیٰ الا کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب عمراً زید" یہاں اگر فاعل کو مقدم کیا جائے تو وہی خرابی لازم آتی ہے جو دوسری صورت میں گزر گئی۔

(۴) اگر فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو اور فاعل جدا ہو تو اس صورت میں بھی فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے جیسے ضربک زید یہاں پر اگر فاعل کو مقدم کریں تو مفعول کی ضمیر متصل کو منفصل کرنا پڑے گا حالانکہ ضمیر متصل کو بلا ضرورت منفصل بنانا جائز نہیں۔

وجب تاخیرہ

سوال:۔ مصنفؒ نے پہلے ان مقامات کو ذکر کیا جہاں پر فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے اس کے بعد وہ مقامات ذکر کیے جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے تو مصنفؒ نے کتاب میں یہ فرمایا کہ فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ مفعول کو مقدم کرنا واجب ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ بحث فاعل کی چل رہی ہے تو پہلے فاعل کو مفعول پر مقدم کرنے کی جگہوں کا ذکر کیا تو بعد میں فاعل کو مؤخر کرنے کی جگہوں کا تذکرہ کر رہے ہیں اور اگر مفعول کو مقدم کرنے کا ذکر کرتے یعنی یہ کہتے کہ وجب تقدیم المفعول تو مفعول کی بحث کا فاعل کی بحث میں دخول لازم آتا اور یہ درست نہیں ہے۔

قد يحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً

کبھی کبھی فاعل کے فعل کو جوازاً حذف کیا جاتا ہے جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے زید کہنا اس شخص کے جواب میں جو سوال کرے من قام سے، اب اگر آپ سے سوال کیا جائے کہ من قام تو آپ صرف زید کہیں گے تو گویا کہ آپ نے قام زید کہدیا اس لئے کہ جو سوال میں مذکور ہوتا ہے اسکو جواب میں شامل کیا جاتا ہے جیسے کہا جاتا المذکور فی السوال کالموعود فی الجواب تو یہاں پر قرینہ سوال مذکور تھا اس وجہ سے فاعل کے فعل کو حذف کیا اور کبھی فاعل کے فعل کو حذف کیا جائے گا اور وہاں قرینہ سوال مذکور نہ ہوگا بلکہ سوال محذوف ہوگا جیسے شاعر کا شعر ہے

لِيُبْکَ يَزِيْدُ ضَارِعٌ لِخُصُوْمَةٍ　　　وَمُخْتَبِطٌ مِمَّا تُطِيْحُ الطَّوَائِحُ

ترجمہ:۔ چاہیے کہ یزید پر روئے وہ شخص جو جھگڑے (دشمنی) سے عاجز ہو اور وہ آدمی روئے جو مسکین ہے دنیا کے حوادثات نے اس کے مال کو تباہ کیا ہو

یہاں ضارع سے پہلے یبکی فعل تھا جسکو حذف کیا گیا ہے، اور اس کے حذف ہونے پر سوال مقدر دلالت کرتا ہے جیسے کہ شعر میں ہے لیبک یزید چاہیے کہ یزید پر رویا جائے تو ذھن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کون روئے تو آگے جواب دیا کہ ضارع لخصومة تو یہاں سے فعل کو حذف کیا ہے اور یہ حذف کرنا جوازی ہے وجوبی نہیں۔

سوال:۔ آپ نے لیبک کو فعل مجہول پڑھا اس کو معروف پڑھ لیتے تا کہ یہ ساری مشقت لازم نہ آتی؟

جواب:۔ (۱) اس لئے کہ اس مثال کو ہم نے سوال مقدر کیلئے ہی پیش کرنا تھا اس لئے ہم نے مجہول پڑھا اور اگر معروف پڑھتے تو ہمارا مقصود فوت ہو جاتا۔

(۲) اس شعر میں یزید نائب فاعل ہے اور جب ہم معروف پڑھیں گے تو یزید مفعول بن

جائے گا جو کہ فضلہ ہے اور ایک عمدہ چیز کو فضلہ بنانا درست نہیں اس وجہ سے اس کو مجہول کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا۔

ووجوبا فی مثل وان احد من المشرکین استجارک

یہاں مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ وان احدٌ الخ جیسی مثالوں میں فعل کو حذف کرنا واجب ہے مثل الخ سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں فعل کو حذف کیا گیا ہو اور اس فعل کے حذف ہونے کی وجہ سے ابہام پایا گیا ہو اور اس ابہام کو دور کرنے کیلئے ایک اور فعل لایا گیا ہو تو جس فعل کو پہلے حذف کیا تھا اس کو وجوبا حذف کرنا پڑے گا یعنی دوبارہ اس کا اظہار کرنا جائز نہیں، جیسے وان احد من...... الخ اس آیت کی تقدیری عبارت اس طرح تھی کہ وان استجارک احد من المشرکین تو یہاں پر شروع میں جو استجارک ہے اس کو حذف کیا تو آیت میں ابہام ہو گیا یعنی وان احد من المشرکین فاجرہ بن گیا، تو ترجمہ یہ ہوا کہ ''اور اگر مشرکین میں سے ایک تو امن دو'' تو یہاں مشرکین میں سے ایک کہنے سے ابہام پایا گیا کہ مشرکین میں سے ایک کیا کرے؟ تو اس ابہام کو دور کرنے کیلئے آخر میں فعل لایا جو کہ پہلے فعل کیلئے تفسیر تھا تو اب آیت کریمہ یوں ہو گئی کہ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ اور اس سے ابہام دور ہو گیا۔

یہاں شروع میں اِن کے بعد جو استجارک (فعل) تھا اس کو حذف کیا ہے اب اس کو واپس نہیں لا سکتے کیونکہ اس کا حذف کرنا واجب ہے اگر اس کو ظاہر کر دیں تو مفسر اور تفسیر کا اجتماع لازم آئیگا جو کہ ناجائز ہے۔

سوال:۔ آپ نے کہا کہ مفسر اور تفسیر کا اجتماع جائز نہیں حالانکہ جاء نی رجل ای زید میں رجل مفسر ہے اور زید تفسیر اور دونوں ایک جگہ جمع ہیں۔

جواب:۔ مفسر اور تفسیر میں اجتماع اس صورت میں جائز نہیں جب تفسیر کو اس ابہام کی وجہ

سے لایا ہو جو فعل کے حذف ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو اور یہاں جاء نی رجل ای زیــد میں جو ابہام پایا جاتا ہے وہ رجل کے نکرہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ فعل کے حذف ہونے کی وجہ سے۔

سوال:۔ وان احد...... الخ میں فعل کے حذف ہونے پر قرینہ کیا ہے؟

جواب:۔ اس میں قرینہ یہ ہے کہ ان شرطیہ فعل پر داخل ہوتا ہے نہ کہ اسم پر جبکہ یہاں ان کے بعد اسم ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں فعل محذوف ہے اور وہ استجارک ہے۔

وقد یحذفان معًا فی مثل نعم

کبھی فعل اور فاعل دونوں کو حذف کیا جاتا ہے جیسے نعم کہنا اس آدمی کے سوال کے جواب میں جو کہے اقام زید؟ کیا زید کھڑا ہے تو آپ نے جواب دیا نعم یعنی نعم قام زید.

سوال:۔ آپ جملہ فعلیہ کو مقدر مانتے ہیں جملہ اسمیہ کو مقدر کیوں نہیں مانتے؟

جواب:۔ جملہ فعلیہ کو اس لئے مقدر مانتے ہیں تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے سوال میں اقام زید جملہ فعلیہ ہے لہٰذا جواب میں نعم قام زید ہوگا تاکہ مطابقت پیدا ہو جائے۔ نعم زید قائم صحیح نہیں ہے بوجہ عدم مطابقت کے۔

اذا تنازع الفعلان ظاهرا بعدهما

جب دو فعل تنازع کریں اس اسم ظاہر کے بارے میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو۔ اگر وہ اسم دونوں فعلوں کے درمیان یا مقدم ہو تو اس صورت میں بالاتفاق پہلے فعل کو عامل بنایا جائے گا مگر یہ تنازع اس صورت میں ہے جب یہ اسم دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو۔

سوال:۔ تنازع ذی روح کی خاصیت ہے تو فعل کیلئے لفظ تنازع استعمال کیوں کیا؟

جواب:۔ یہاں تنازع بمعنی اقتضاء کے ہے یعنی دو فعل تقاضا کریں۔ اس تنازع کی چار(۴) صورتیں ہیں۔

(۱): فعل اول وثانی دونوں فاعل کو چاہتے ہوں مثلا ضربنی واکرمنی زیدٌ.

(۲): دونوں مفعول چاہتے ہوں مثلا ضربت واکرمت زیدا.

(۳): فعل اول فاعل اور ثانی مفعول چاہتا ہو مثلا ضربنی واکرمت زید.

(۴): فعل اول مفعول اور ثانی فاعل چاہتا ہو مثلا ضربت واکرمنی زیدا.

تو ان تمام صورتوں میں فعل اول وثانی دونوں میں سے کسی کو بھی عامل بنانا درست ہے لیکن مختار کونسا ہے اسمیں اختلاف ہے چنانچہ بصریین کے نزدیک فعل ثانی کو عامل بنانا زیادہ مناسب ہے اور کوفیین کے نزدیک فعل اول کو عامل بنانا بہتر ہے۔

بصریوں کی دلیل: (۱) الحق للقریب ثم للبعید کے تحت، کیونکہ فعل ثانی اسم ظاہر کے زیادہ قریب ہے۔ (۲) اگر فعل اول کو عامل بنائیں تو عامل اور معمول کے درمیاں اجنبی چیز کا فصل لازم آئے گا جو درست نہیں۔

کوفیوں کی دلیل: (۱) الفضل للمتقدم کے تحت چونکہ پہلا فعل پہلے آتا ہے تو یہ زیادہ مستحق ہے۔ (۲) اگر فعل ثانی کو عامل قرار دیں تو فعل اول میں ضمیر لانا ہوگا جس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں۔

بصریین کے مذہب پر عمل:۔

اگر بصریین کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیں تو فعل اول کی دو صورتیں ہیں، یا تو فعل اول فاعل چاہے گا یا مفعول (۱) اگر فعل اول فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو اس میں ضمیر لائیں گے جیسے ضربنی واکرمت زیدا اور اس میں اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آتا کیونکہ فاعل عمدہ ہوتا ہے اس لئے اگرچہ لفظوں میں مؤخر ہے مگر معنی اور رتبۃ مؤخر نہیں ہے بلکہ مقدم ہے اور یہ

ضمیر اسم ظاہر کے موافق ہوگی یعنی مفرد کے لئے مفرد تثنیہ کیلئے تثنیہ جیسے ضربنی و اکرمت زیدا، ضربانی واکرمت الزیدَین، ضربونی واکرمت الزیدِین.

لیکن امام کسائی اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ فاعل کو حذف کیا جائے گا ضمیر نہیں لائی جائے گی ورنہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور فاعل کو حذف کرنے کی صورت میں اس قباحت سے بچا جائے گا اور فاعل کو حذف کرنے میں قباحت نہیں کیونکہ وہ عمدہ ہوتا ہے یعنی محذوف کی صورت میں بھی ملفوظ کی طرح ہوتا ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ فاعل کیلئے ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا اس لئے کہ فاعل کے لئے ضمیر بشرط تفسیر جائز ہے جیسے قل هو الله احد اور حذف کرنا درست نہیں کیونکہ فاعل عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ کا کلام سے حذف کرنا درست نہیں، اور امام فراء ان دونوں کو جائز نہیں سمجھتے (یعنی جب فعل اول فاعل کا تقاضا کرے تو اضمار قبل الذکر اور حذف فاعل دونوں کو جائز نہیں سمجھتے) لہذا فراء کے نزدیک فعل اول اگر فاعل کا تقاضا کرے تو فعل ثانی کو عمل دینا جائز ہی نہیں (۲) اور اگر فعل اول مفعول کا تقاضا کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں فعل اول مفعول سے مستغنی ہوگا یا نہیں بالفاظ دیگر فعل اول افعال قلوب میں سے ہوگا یا نہیں۔

اگر افعال قلوب میں سے نہ ہو تو فعل اول کے مفعول کو حذف کریں گے کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے اور یوں کہیں گے ضربت واکرمنی زیدا اور اگر فعل اول افعال قلوب میں سے ہے تو اس صورت میں اس کے مفعول کو ظاہر کریں گے۔ جیسے حسبنی منطلقا وحسبت زیدا منطلقا اصل عبارت یہ تھی حسبنی وحسبت زیدا منطلقا. حسبنی کو فاعل کی ضرورت تھی اور ایک مفعول کی بھی کیونکہ یہ افعال قلوب میں سے ہے اور اسی طرح حسبت کو دو مفعولوں کی ضرورت تھی چونکہ فاعل اس میں ضمیر ہے اس وجہ سے اس کو فاعل کی ضرورت نہیں تھی، تو سب سے پہلے تنازع زید پر ہوا حسبنی کا تقاضا تھا کہ زید میرا فاعل بنے اور حسب

کا تقاضا تھا کہ میرا مفعول بنے تو ہم نے بصریوں کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کو عمل دیا یعنی زید کو حسبت کا مفعول اول بنا دیا اور حسبنی کا فاعل ضمیر کو بنا دیا (اور فاعل میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا) پھر منطلقا پر تنازع ہوا حسبنی اور حسبت دونوں کا تقاضا تھا کہ یہ میرا مفعول ثانی بنے تو ہم نے بصریوں کے مذہب کے مطابق حسبت یعنی فعل ثانی کو عمل دیا اور حسبنی کے لئے الگ سے منطلقا کو ظاہر کر دیا اب عبارت یہ ہوگئی حسبنی منطلقا و حسبت زیداً منطلقا یہاں ہم نے مفعول کو ظاہر کر دیا ہے کیونکہ ضمیر اس وجہ سے نہیں لا سکتے تھے کہ مفعول میں اضمار قبل الذکر جائز نہیں اور حذف اس وجہ سے نہیں کیا کہ افعال قلوب کے کسی ایک مفعول کو بھی حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ افعال قلوب کے دونوں مفعول مثل مبتداء، خبر اور موصوف، صفت کے ہوتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو حذف کر کے دوسرے کو باقی رکھنا درست نہیں کیونکہ مبتدا بغیر خبر کے موصوف بغیر صفت کے نہیں آسکتا، بالفاظ دیگر افعال قلوب کے دونوں مفعول قائم مقام ایک کلمہ کے ہیں اور ایک کلمہ کے بعض اجزاء کو حذف کرنا اور بعض کو رکھنا درست نہیں۔

کوفیوں کا مذہب:۔ اگر ہم کوفیوں کے مذہب کا اعتبار کر کے فعل اول کو عمل دیں تو فعل ثانی کی دو صورتیں ہیں (۱) فاعل کو چاہے گا یا (۲) مفعول کو چاہے گا۔ (۱) اگر فعل ثانی فاعل کو چاہتا ہے تو اس میں ضمیر لائیں گے جیسے ضربت واکرمنی زیدا اور یہاں اضمار قبل الذکر کا اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ جب ہم نے زیدا کو ضربت کا مفعول بنایا تو گویا عبارت یوں ہوئی ضربت زیدا واکرمنی تو اس میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا (۲) اور اگر فعل ثانی مفعول کو چاہتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں فعل ثانی مستغنی عن المفعول ہوگا یا نہیں یا بالفاظ دیگر دوسرا فعل افعال قلوب میں سے ہوگا یا نہیں اگر دوسرا فعل مستغنی عن المفعول ہو تو اس کے مفعول کو حذف کرنا بھی درست ہے اور ضمیر لانا بھی، البتہ ضمیر لانا بہتر

ہے، حذف اس وجہ سے جائز ہے کہ مفعول فضلہ ہوتا ہے حذف کی مثال جیسے ضربنی واکرمت زیدٌ اور ضمیر لانا احسن اور بہتر اس لئے ہے کہ اس سے متکلم کی مراد ظاہر ہوجاتی ہے۔ جیسے ضربت واکرمته زیدا اب اگر یہاں ہم ضمیر نہیں لاتے تو سامع کو اشکال ہوتا کہ مارا تو زید کو ہے اور اکرام کسی اور کا کیا ہوگا مگر جب ہم مفعول کے لئے ضمیر لائے تو اب اسکا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے زید کو مارا اور اسی کا اکرام کیا۔ اور اگر دوسرا فعل مستغنی عن المفعول نہ ہو تو اس میں مفعول کو ظاہر کرنا ضروری ہے کیونکہ کل ہمارے پاس تین صورتیں ہیں ا۔ یا تو ضمیر لائیں گے ۲۔ یا حذف کریں گے ۳۔ یا اسم ظاہر لائیں گے۔ پہلی دوصورتیں جائز نہیں، ضمیر اس لئے کہ اگر ہم ضمیر لاتے ہیں تو اس کی دوصورتیں ہیں یا تو ضمیر واحد کی لائیں گے جیسے حسبنی وحسبتهما اياه الزيدان منطلقا تو افعال قلوب کے دونوں مفعولوں میں مطابقت نہ ہوگی حالانکہ افعال قلوب کے دونوں مفعولوں میں مطابقت ضروری ہے اور اگر تثنیہ کی ضمیر لائیں گے جیسے حسبنی وحسبتهما اياهما الزيدان منطلقا تو راجع اور مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی یعنی یہاں جو ایاھما آیا ہے اس کا مرجع منطلقا ہے جو کہ مفرد ہے، پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس میں ضمیر لانا درست نہیں۔ اور حذف کرنا جائز اس لئے نہیں کہ افعال قلوب کے کسی مفعول کا حذف جائز نہیں جب حذف اور ضمیر دونوں درست نہ ہوئے تو ہم نے اس میں اسم ظاہر لایا اور عبارت یہ ہوئی حسبنی وحسبتهما منطلقين الزيدان منطلقا.

وقول امرئی القيس: كَفَانِيْ وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ، ليس منه، لفساد المعنى.

یہ شعر کوفیوں نے استدلال کے طور پر پیش کیا ہے کہ امرء القیس (مشہور شاعر) نے اپنے شعر میں فعل اول کو عامل بنایا ہے یعنی اس مصرعہ میں کفانی پہلا فعل ہے جو فاعل کا تقاضا

کرتا ہےاور لم اطلب دوسرا فعل ہے جو مفعول کا تقاضا کرتا ہےتو شاعر نے قلیل کو رفع دیکر فعل اول یعنی کفانی کیلئے اس کو فاعل بنایا ہے،تو معلوم ہوا کہ فعل اول کو عامل بنانا مختار ہےاس لئے کہ مشہور شاعر نے ایسا کیا ہےتو اس کا جواب مصنفؒ نے دیا کہ لیس منه یعنی یہ شعر تو تنازع فعلین میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اگر ہم اس کو تنازع فعلین میں سے مانیں تو ترجمہ اور مطلب درست نہیں ہوتا ہے۔ترجمہ غلط اس لئے ہوتا ہے کہ اس شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے کہ ولو انما اسعی لادنی معیشة تو اس کے شروع میں لو داخل ہےاور لو شرط کے لئے آتا ہےاور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر یہ جملہ مثبت میں داخل ہو تو منفی اور منفی میں داخل ہو تو مثبت کر دیتا ہے،اور جیسے یہ اپنے مدخول میں عمل کرتا ہے اسی طرح وہی عمل اس جملے میں بھی کرتا ہے جسکا اس پر عطف ہو تو اب اس قاعدہ کی رو سے اس شعر کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''میں ادنیٰ معیشت کے لئے کوشش نہیں کرتا ہوں اس لئے کہ میرے لئے ادنیٰ معیشت کافی نہیں ہوتی اور میں ادنیٰ معیشت طلب کرتا ہوں''تو اجتماع نقیضین لازم آگیا پہلے تو کہا کہ میں ادنیٰ معیشت کے لئے کوشش نہیں کرتا ہوں پھر کہتا ہے کہ میں ادنیٰ معیشت طلب کرتا ہوں،تو معلوم ہوا کہ یہ تنازع فعلین میں سے نہیں اگر بالفرض اس کو تنازع فعلین میں سے مانا جائے تو ترجمہ غلط ہو جاتا ہے بصریین کہتے ہیں کہ اس میں اطلب کا مفعول محذوف ہے جو کہ العز والمجد ہے پورے شعر کا ترجمہ یہ ہوگا میں کم معیشت کے لئے کوشش نہیں کرتا ہوں اس لئے کہ کم معیشت مجھے کافی نہیں ہوتی اور میں کوشش کرتا ہوں بزرگی اور بڑائی کے لئے۔

سوال:۔العز والمجد کے حذف پر کیا قرینہ ہے؟

جواب:۔اس کے حذف پر اس کے بعد میں آنے والا شعر قرینہ ہے اصل میں پورا شعر اس طرح ہے۔

ولو انما اسعیٰ لادنیٰ معیشة :: کفانی ولم اطلب قلیل من المال

ولکنما اسعیٰ لمجد مؤثل :: وقد یدرک المجد المؤثل امثالی

ترجمہ:۔ میں ادنیٰ معیشت کے لئے کوشش نہیں کرتا ہوں کیونکہ کم مال مجھے کافی نہیں لیکن میں کوشش کرتا ہوں دائمی بزرگی کی اور کبھی میرے جیسے لوگ بھی دائمی (پائیدار) بزرگی پا لیتے ہیں۔

مفعول مالم یسم فاعله

مصنفؒ فاعل کی بحث سے فارغ ہوکر نائب فاعل یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کی بحث شروع کررہے ہیں اس کی تعریف یہ ہے کہ **هو کل مفعول حذف فاعله واقیم هو مقامه** یعنی **مفعول مالم یسم فاعله** ہر وہ مفعول ہے جسکے فاعل کوحذف کردیا گیا ہواور اس مفعول کواس فاعل کے قائم مقام بنادیا گیا ہو۔

سوال:۔ ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل سے اس وقت لائی جاتی ہے جب ضمیر متصل پر کسی کا عطف ہو یہاں ضمیر متصل پر کسی کا عطف نہیں تو پھر آپ نے ھو ضمیر منفصل کیوں لائی؟

جواب:۔ اس کے لانے کے دوفائدے ہیں ا۔اگر ھو ضمیر نہ لاتے تو سامع کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ اقیم کا نائب فاعل مقامہ ہو ۲۔ یہ بتانے کے لئے کہ اقیم میں جوضمیر ہے اس کا مرجع مفعول ہے نہ کہ فاعل حالانکہ ضمیر کے لئے جب مرجع قریب میں موجود ہوتو اس کو بعید کی طرف نہیں لوٹایا جاتا، تو یہاں ھولاکر یہ اشارہ کردیا کہ جیسے یہاں ھوخلاف قیاس آیا ہے اسی طرح اقیم کا مرجع بھی خلاف قیاس مفعول ہے جوکہ دور ہے نہ کہ فاعل جوقریب ہے۔ یہ نائب فاعل اس وقت بنایا جائے گا جبکہ فعل مجہول ہو یعنی ماضی میں **فُعِلَ** اور مضارع میں **یُفْعَلُ** کے وزن پر ہو یہ شرط (یعنی ان دواوزان کی) صحیح کے چھ(٦) ابواب کے لئے ہے باقی ابواب میں اوراوزان آتے ہیں جیسے **اُسْتُفْعِلَ یُسْتَفْعَلُ** وغیرہ۔ اس کی تفصیل

صرف کی کتب میں موجود ہے۔

وہ مفاعیل جو مفعول مالم یسم فاعلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے:۔

کل 4 چار مفاعیل ایسے ہیں جو مفعول مالم یسم فاعلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے یعنی وہ نائب فاعل نہیں بن سکتے اور وہ یہ ہیں۔

① **علمت کا مفعول ثانی:۔** باب علمت یعنی افعال قلوب کا مفعول ثانی نائب فاعل نہیں بن سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ علمت کا مفعول ثانی مسند واقع ہوتا ہے کیونکہ افعال قلوب کے دونوں مفعول حقیقت میں مبتداء خبر ہوتے ہیں اسلئے پہلا مفعول مسند الیہ ہوتا ہے اور دوسرا مسند، مگر جب اس کو نائب فاعل بنائیں گے تو وہ مسند الیہ واقع ہوگا اور ایک چیز کا مسند اور مسند الیہ ہونا درست نہیں جیسے علمت زیدا فاضلا، یہاں فاضلا مفعول ثانی مسند ہے اور زید مسند الیہ ہے لیکن جب اس کو نائب فاعل بنائیں گے تو مسند الیہ ہوگا، تو ایک ہی چیز کا مسند و مسند الیہ ہونا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں۔

② **باب اعلمت کا مفعول ثالث:۔** اعلمت کا مفعول ثالث بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے جو علمت میں گزری ہے مثلا اعلمت زیدا عمرا فاضلا. (اعلمت سے ہر وہ فعل مراد ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو)

③ **مفعول لہ:۔** مفعول لہ لام کیساتھ ہوگا یا بغیر لام کے۔ اگر لام کیساتھ نہ ہو تو چونکہ مفعول لہ فعل کیلئے علت اور غرض ہوا کرتا ہے اور اس علت پر اس کا نصب دال ہوتا ہے اور جب اس کو نائب فاعل بنادیں گے تو اس کا نصب ختم ہوکر اس میں رفع آجائے گا تو اس پر کوئی چیز دال نہیں رہے گی اس وجہ سے مفعول لہ نائب فاعل نہیں بن سکتا ہے اور جب مفعول لہ لام کیساتھ ہو تو یہ نائب فاعل بن سکتا ہے جیسے ضُرِبَ للتادیب.

④ مفعول معہ:۔ مفعول معہ نائب فاعل اس لئے نہیں بن سکتا ہے کہ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس کو واؤ کیساتھ لائیں گے یا بغیر واؤ کے۔ واؤ کیساتھ اس وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ واؤ چاہتا ہے انفصال کو اور نائب فاعل اتصال کو چاہتا ہے اور دونوں کے درمیان منافات ہے اس وجہ سے مفعول معہ کا واؤ کیساتھ نائب فاعل بننا درست نہیں اور بغیر واؤ کے اس وجہ سے درست نہیں کہ بغیر واؤ کے مفعول معہ بن ہی نہیں سکتا۔ تو ان وجوہات کی بناء پر مفعول معہ چاہے واؤ کیساتھ ہو یا بغیر واؤ کے مفعول مالم یسم فاعلہ نہیں بن سکتا۔

واذا وجد المفعول به تعين له

نائب فاعل بننے کا سب سے زیادہ حقدار۔

اگر کسی ترکیب اور عبارت میں بہت سارے مفاعیل ہوں تو نائب فاعل کیلئے مفعول بہ متعین ہوگا یعنی مفعول بہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کو نائب فاعل بنایا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفعول بہ کا فعل کے ساتھ تعلق بنسبت دوسرے مفاعیل کے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ فعل جیسے فاعل کا محتاج ہوتا ہے اس طرح مفعول بہ کا بھی محتاج ہوتا ہے مثلاً کوئی آدمی کہے ضرب زید تو یہ بات بالکل ذھن میں آتی ہے کہ اس کے بعد جو بھی ذکر ہوگا وہ مفعول بہ ہوگا۔

مثال:۔ **ضُرِبَ زیدٌ یومَ الجمعة امامَ الامیر ضرباً شدیدًا فی دارہ** ۔اس عبارت میں زید مفعول بہ ہے یوم الجمعۃ ظرف زمان امام الامیر ظرف مکان ضربا شدیدا مفعول مطلق اور فی دارہ مجرور ہے جو فضلہ ہونے میں مفاعیل کے مشابہ ہو کر ان کی طرح فاعل کے موقع میں واقع ہوسکتا ہے، لیکن ان سب کو چھوڑ کر زید کو جو کہ مفعول بہ ہے اس کو نائب فاعل بنایا ہے۔

فان لم يكن فالجميع سواء

اگر مفعول بہ کلام میں نہ ہو تو جسے چاہو نائب فاعل بناؤ سب برابر ہیں۔

والاول من باب اعطيت اولى من الثانى

اعطیت جو کہ دومفعولوں کو چاہتا ہے ان کے دونوں مفعولوں میں سے پہلے والے مفعول کو نائب فاعل بنانا اولیٰ ہے کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ فاعلیت کا معنی پایا جاتا ہے مثلاً اعطیت زیدا درھما، یعنی میں نے زید کو درھم دیا، تو زید نے جب درھم لیا تو اس میں کچھ نہ کچھ معنی فاعلیت پائے جا رہے ہیں لہٰذا یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کو نائب فاعل بنایا جائے بنسبت دوسرے مفعول کے کیونکہ درھم میں اخذ یعنی لینے کی صلاحیت نہیں۔

ومنها المبتدأ والخبر

بعض کتابوں میں منہا لکھا ہے جیسے یہاں اور بعض کتابوں میں منہ لکھا ہے اور بعض کتابوں میں صرف المبتدأ والخبر لکھا ہے یہ سب درست ہیں جن کتابوں میں منها لکھا ہے وہاں منہا کا مرجع مرفوعات ہوگا اور جن کتابوں میں منہ لکھا ہے اُس کا مرجع مرفوع ہے اور جنہوں نے کچھ نہیں لکھا ہے وہ اس لئے درست ہے کہ انہوں نے فمنه الفاعل پر قیاس کیا یعنی شروع میں منہ آ گیا تھا باقی مرفوعات اس کے ضمن میں آ گئے یہ بھی صحیح ہے۔

سوال:۔ مبتدأ اور خبر دونوں کو اکھٹا ذکر کیوں کیا؟

جواب:۔ اس لئے کہ (۱) ان دونوں میں غایت تعلق ہے کیونکہ جہاں مبتدا ہوگا وہاں خبر ضرور ہوگی اور جہاں خبر ہوگی وہاں مبتدا ضرور ہوگا بغیر مبتدا کے خبر نہیں آ سکتی اور بغیر خبر کے مبتدا نہیں آ سکتا (۲) اور دونوں کا عامل بھی ایک ہے یعنی دونوں میں عامل معنوی ہے ان وجوہات کی بناء پر مبتدا اور خبر کو ایک ساتھ ذکر کیا۔

هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية مسندا اليه

مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو۔

اعتراض:۔ مجرد تجرید سے ہے جسکے معنی ''خالی کر دینے'' کے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ

مبتدا میں پہلے عوامل لفظیہ تھے لیکن بعد میں خالی کر دیا گیا ہے۔

جواب:۔ کبھی کبھی امکان وجود کو وجود کے قائم مقام بنا دیا جاتا ہے یعنی مبتدا پر عوامل لفظیہ تو نہیں تھے مگر ان کا امکان ضرور تھا، اس وجہ سے مجرد کا لفظ استعمال کیا جیسے ضیق فم البیر کہا جاتا ہے یعنی کنویں کے منہ کو تنگ کرو تو کنواں کھودنے سے پہلے اس کا منہ تو کشادہ نہیں ہوتا مگر احتمال ہوتا ہے اس لئے کنواں کھودنے سے پہلے ضیق فم البیر کہتے ہیں۔

اعتراض:۔ عوامل جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق کم از کم تین افراد پر ہوتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مبتداء پر تین عامل نہیں آسکتے دو اور ایک عامل آسکتے ہیں۔

جواب:۔ العوامل پر الف لام جنس کا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب الف لام جنسی جمع پر داخل ہو تو اسکی جمعیت کو باطل کر دیتا ہے، تو معلوم ہوا کہ مبتدا پر ایک عامل بھی نہیں آسکتا۔

فوائد قیود:۔ اس عبارت میں الاسم جنس ہے جو تمام اسماء کو شامل ہے المجرد عن العوامل اللفظیة فصل اول ہے اس سے کان کا اسم وغیرہ خارج ہو گئے مسندا الیہ فصل ثانی ہے اس سے مبتداء کی قسم ثانی اور خبر خارج ہو گئے، کیونکہ اگرچہ یہ دونوں عوامل لفظیہ سے خالی ہوتے ہیں مگر مسند الیہ نہیں ہوتے مبتدأ کی مثال زید قائم۔

مبتداء کی قسم ثانی:۔ جان لو کہ نحاۃ کے نزدیک مبتدأ کی ایک اور قسم بھی ہے جس کو مبتداء کی قسم ثانی کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے۔ هو الصفة الواقعة بعد حرف النفي او الف الاستفهام رافعة لظاهر ۔ وہ صیغہ صفت ہے جو حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہو اور اسم ظاہر کو رفع دیتا ہو۔ (صیغہ صفت سے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم منسوب جیسے قریشی مراد ہیں) اور اسم ظاہر حقیقی ہو یا حکمی (حکمی سے مراد ضمیر منفصل ہے کیونکہ جس طرح اسم ظاہر پر تکلم قصدا ہوتا ہے اسی طرح ضمیر منفصل پر بھی تکلم قصداً ہوتا ہے،

برخلاف ضمیر متصل کے) حکمی کی مثال :أراغب أنت عن الهتی۔

فوائد قیود :۔ ہر تعریف میں ایک جنس ہوتی ہے اور کئی فصول ہوتی ہیں اس عبارت میں بھی کئی فصلیں ہیں اس میں جب ہم نے الصفة کہا تو تمام صیغہ صفات اسمیں شامل تھے لیکن جب ہم نے بعد حرف النفی او الف الاستفهام کہد یا تو وہ صفات خارج ہوگئیں جو حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع نہیں اور رافعة لظاهر کہنے سے وہ صفات خارج ہوگئیں جو حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع ہوں لیکن اسم ظاہر کو رفع نہ دیتی ہوں جیسے اقائمان الزیدان ۔ یہاں قائمان صیغہ صفت ہے اور استفہام کے بعد بھی واقع ہے لیکن اس نے اسم ظاہر کو رفع نہیں دیا اس لئے یہ مبتدا کی قسم ثانی میں سے نہیں ہوگا۔

سوال :۔ الزیدان تو مرفوع ہے اس کو رفع کس نے دیا؟

جواب :۔ اس میں عامل معنوی ہے اور یہ مبتدا مؤخر ہے اور أقائمان نے اس کو رفع اس لے نہیں دیا کہ اگر الزیدان قائمان کیوجہ سے مرفوع ہوتا تو قائمان تثنیہ نہ آتا بلکہ قائم مفرد کا صیغہ آتا کیونکہ قاعدہ ہے کہ فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل اور شبہ کو ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے۔

مبتدا کی قسم ثانی کی مثال ماقائم الزیدان واقائم الزیدان.

فان طابقت مفردا جاز الامران

اگر مفرد کیساتھ مطابق ہو جائے تو دونوں صورتیں جائز ہیں۔اصل میں اسکی (یعنی صیغہ صفت اور خبر کی) تین صورتیں بنتی ہیں۔

① صیغہ صفت مفرد ہو اور خبر تثنیہ یا جمع ہو اس صورت میں صیغہ صفت مبتدا کی قسم ثانی ہوگا اور اس کے بعد والا اسم خبر ہوگا جیسے ماقائم الزیدان.

② صیغہ صفت تثنیہ یا جمع ہو اور اس کے بعد کا اسم بھی تثنیہ یا جمع ہو تو اس صورت میں صیغہ صفت کو خبر مقدم بنائیں گے اور بعد کے اسم کو مبتدا مؤخر بنادیں گے مثلاً اقائمان الزیدان

③ اگر صیغہ صفت مفرد ہو اور بعد کا اسم بھی مفرد ہے تو اس صورت میں صیغہ صفت کو مبتدا کی قسم ثانی اور بعد کے اسم کو خبر مان لیا جائے تب بھی درست ہے اور صیغہ صفت کو خبر مقدم اور بعد والے اسم کو مبتدا مؤخر مان لیں تب بھی درست ہے مثلاً اقائم زید.

والخبر هو المجرد المسند به المغائر للصفة المذكورة

خبر وہ ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند بہ ہو اور صفت مذکور کے مخالف ہو۔ اس عبارت میں هو جنس ہے تمام اسماء کو شامل ہے المجرد فصل اول ہے اس سے اِنّ وغیرہ کی خبر نکل گئی، المسند به فصل ثانی ہے اس سے مبتدا خارج ہو گیا کیونکہ وہ مسند الیہ ہوتا ہے المغائر للصفة المذكورة فصل ثالث ہے اس سے مبتدا کی قسم ثانی بھی نکل گئی۔ اور مغایرت کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

① یا تو خبر صیغہ صفت ہی نہ ہو جیسے زید ضرب ② صیغہ صفت تو ہو لیکن حرف نفی اور استفہام کے بعد واقع نہ ہو جیسے زید قائم ③ صیغہ صفت بھی ہو حرف نفی اور استفہام کے بعد بھی واقع ہو لیکن اسم ظاہر کو رفع نہ دے جیسے اقائمان الزیدان.

واصل المبتدأ التقديم.

مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہو یعنی مبتدا کا مقام خبر سے پہلے ہے۔

ومن ثم جاز الخ.

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو تو فی دارہ زید کی ترکیب جائز ہو گی اور صاحبها فی الدار کی ترکیب جائز نہیں ہو گی۔ قاعدہ کے لحاظ سے یہ دونوں ترکیبیں درست نہیں ہونی چاہئے کیونکہ دونوں صورتوں میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو ناجائز ہے لیکن فی دارہ زید کی ترکیب درست ہو گی اس لئے کہ دارہ کی ضمیر زید کی طرف لوٹ رہی ہے جو کہ لفظاً اگرچہ مؤخر ہے لیکن رتبۃً مقدم ہے کیونکہ زید مبتدا ہے اور

رتبے کے لحاظ سے مبتدا خبر سے مقدم ہوتا ہے لیکن صاحبھا فی الدار کی ترکیب درست نہیں ہو گی اس لئے کہ صاحبھا کی ضمیر کا مرجع دار ہے جو کہ خبر ہے یہ جس طرح لفظا مؤخر ہے اسی طرح رتبۃ بھی مؤخر ہے تو اضمار قبل الذکر لفظا اور رتبۃ دونوں لازم آتا ہے جو نا جائز ہے۔

وقد يكون المبتدا نكرة اذا تخصصت بوجه ما

مبتدا کے لئے ضروری ہے کہ وہ معرفہ ہو لیکن نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے جبکہ اس میں کسی وجہ سے تخصیص آجائے۔ تخصیص کا مطلب قلت اشتراک ہے یہ نہیں کہ وہ معرفہ بن کر مبتدا ہو جائے تخصیص کی چند اقسام یہاں پر ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ ولعبد مؤمن خير من مشرك

یہاں عبد نکرہ ہے اس کے باوجود مبتدا واقع ہے کیونکہ اس میں تخصیص ہوئی ہے اور تخصیص صفت ذکر کرنے سے ہوئی ہے وہ اس طرح کہ عبد پہلے عام تھا چاہے مؤمن ہو یا غیر مؤمن لیکن جب مومن کی قید لگائی تو غیر مومن خارج ہو گیا اب قلت اشتراک ہو گیا لہٰذا عبد نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا بن سکتا ہے، اور نکرہ کے مبتدا بننے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔

۲۔ أرجل في الدار ام امرأة

یہاں بھی رجل مبتداء واقع ہے جو کہ نکرہ ہے اور اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہے کیونکہ اس میں تخصیص ہوئی ہے اور یہ تخصیص علم متکلم سے ہے یعنی متکلم کو یہ بات معلوم ہے کہ گھر کے اندر مرد اور عورت میں سے ایک ضرور ہے اور وہ مخاطب سے اس کی تعیین چاہتا ہے اسی وجہ سے اس کا جواب بھی صرف رجل یا صرف امرأۃ سے دیا جاتا ہے یعنی احد الشیئین کی تعیین سے جواب دیا جاتا ہے نعم یا لا سے نہیں۔

۳۔ ما احد خير منك

احد نکرہ ہے جو کہ مبتدا واقع ہے اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے کیونکہ اسمیں تخصیص ہوئی

ہے اور تخصیص اس طرح ہوئی ہے کہ نکرہ تحت النفی واقع ہے اور جب نکرہ تحت النفی واقع ہو تو وہاں عموم ہوتا ہے اور عموم میں تعدد نہیں ہوتا یعنی اس میں افراد کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جیسے سو (۱۰۰) کا لفظ ہے (مائۃ) یہ مصداق کے لحاظ سے تو جمع پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ لفظ خود مفرد ہے اور اس میں افراد کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے یعنی لفظ مائۃ لفظا مفرد اور معنا جمع ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ نکرہ تحت النفی واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے اس میں افراد معتبر نہیں ہوتے ہیں اس وجہ سے مبتدا واقع ہونا درست ہے تو تمرة خير من جرادة میں تمرة مبتدا ہے جو نفی کے تحت واقع نہیں، یعنی (نکرہ تحت النفی نہیں) پھر مبتدا کیوں ہے؟

جواب:۔ ہم نے جب یہ کہا کہ نکرہ تحت النفی واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور عموم کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ جب نکرہ اثبات میں ہو لیکن اس سے عموم اور شمول افراد مقصود ہوں تو وہ بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسے مثال مذکور میں تمرة نے عموم کا فائدہ دیا ہے۔

٤۔ شرٌّ اهر ذاناب

(یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی بہادر شخص میدان سے ناتواں اور عاجز ہو کر فرار ہو جائے) اس عبارت میں شرّ نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہے اور اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے کیونکہ اس میں تخصیص ہوئی ہے اس کی تخصیص کے دو طریقے ہیں ① یا تو اس میں صفت محذوف ہے اصل میں عبارت یوں ہے شرّ عظيم اهرّ ذاناب یہاں عظیم صفت لانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ شرّ کی تنوین تعظیم کیلئے ہے ② یا اس میں تخصیص فاعل کے طریقے پر ہوئی ہے اور فاعل کی تخصیص ذکر فعل سے ہوتی ہے اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی اهر شر ذاناب تو اهر فعل ہے ضمیر اس میں فاعل مبدل منہ اور شر بدل ہے اور بدل چونکہ فاعل حکمی ہوتا ہے تو چونکہ مبدل منہ میں تخصیص ہے تو بدل میں بھی

تخصیص ہوئی یا یہ کہ فاعل فعل کے بعد ہوتا ہے اس طرح فاعل حکمی بھی فعل کے بعد ہوتا ہے لیکن یہاں مقدم کیا ہے تو التقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاختصاص کے قاعدہ کے تحت تخصیص ہوئی۔ اب جبکہ اس عبارت میں تخصیص ہوئی تو گویا یہ عبارت اس عبارت کے قائم مقام ہوگئی ما اھرَّ ذاناب الا شر تو اس عبارت میں ما بھی حصر کیلئے ہے اور الا بھی، تو جب اس میں حصر پایا گیا تو شر کا مبتداء واقع ہونا درست ہوا۔ (اس کی اور بھی تفصیل ہے لیکن اختصاراً یہاں اسی پر اکتفاء کرلیا جاتا ہے)

۵۔ فی الدار رجلٌ

اس میں رجل نکرہ ہے اور مبتدا واقع ہے اس کی وجہ یہ ہے اس میں تخصیص ہوئی ہے اور یہ تخصیص اس قاعدہ التقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاختصاص کے تحت ہوئی ہے کیونکہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہو اور خبر مؤخر ہو لیکن یہاں خبر کو مقدم کیا ہے تو اس وجہ سے اس کو تخصیص حاصل ہوگئی۔

٦۔ سلام علیك

اس میں سلام نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس میں تخصیص ہوئی ہے اور تخصیص متکلم کی جانب سے ہوئی ہے اصل میں سلمت سلامًا علیک تھا یعنی متکلم یہ کہتا ہے کہ آپکو میری طرف سے سلام ہو تو تمام افرد کو خارج کر کے اپنی طرف سے سلام کہہ دیا تو اس میں تخصیص آ گئی اس وجہ سے اس کا مبتدا واقع ہونا درست ہے۔ سلمت سلاماً علیک سے فعل یعنی سلمت کو حذف کیا پھر سلاماً کے نصب کو رفع سے تبدیل کیا تو سلامٌ علیک ہوا۔

سوال:۔ سلام علیک اصل میں سلمت سلاماً علیک تھا تو اس کو منتقل کر کے جملہ اسمیہ کیوں بنایا؟

جواب:۔ دوام اور استمرار کیلئے کیونکہ جملہ اسمیہ میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔

والخبر قديكون جملة

خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو لیکن کبھی خبر جملہ بھی ہو سکتی ہے چاہے جملہ اسمیہ ہو جیسے زید ابوہ قائم یا جملہ فعلیہ ہو جیسے زید قام ابوہ، پہلی مثال میں ابوہ قائم پورا جملہ اسمیہ زید کیلئے خبر واقع ہو رہا ہے اور دوسری مثال میں قام ابوہ جملہ فعلیہ زید کیلئے خبر واقع ہو رہا ہے۔

لطیفہ:۔ مصنفؒ کی عبارت والخبر قديكون جملة قانون بھی ہے اور مثال بھی یعنی خبر جملہ بھی ہوتی ہے اس کی الگ سے مثال دینے کی ضرورت نہیں یہی جملہ اس کی مثال ہے کیونکہ الخبر مبتداء ہے اور قد يكون الخ پورا جملہ اس کی خبر۔

فلا بد من عائد

اگر جملہ خبر واقع ہو تو اس جملے میں عائد کا ہونا ضروری ہے تاکہ خبر اور مبتدا کے درمیاں ربط پیدا ہو جائے کیونکہ جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے۔ اور عائد کئی قسم پر ہوتی ہے۔

عائد کی قسمیں:۔

عائد چار قسم پر ہوتی ہے، (۱) کبھی عائد ضمیر ہو گی جیسے زید ابوہ قائم میں ابوہ کی ضمیر۔

(۲) کبھی الف لام کی صورت میں ہو گی جیسے نعم الرجل زید، نعم الرجل پورا جملہ خبر مقدم ہے اور زید مبتدا مؤخر۔ اور الرجل میں جو الف لام ہے یہی عائد ہے۔

(۳) کبھی اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ پر لایا جاتا ہے جیسے الحاقة ما الحاقة، ما الحاقة پورا جملہ خبر ہے یہاں کوئی ضمیر نہیں۔ لیکن یہ پورا جملہ ضمیر کی جگہ پر واقع ہے کیونکہ الحاقة ماهی ہونا چاہیے تھا۔

(۴) خبر مبتدا کی تفسیر کرے جیسے قل هو الله احد میں ھو مبتدا ہے اور اللہ احد پورا جملہ خبر

ہے۔اور جو مراد ضمیر ''ھو'' سے ہے وہی لفظ اللہ سے ہے یعنی یہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

وقد یحذف

اس عائد کو حذف بھی کرنا جائز ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو جیسے البر الکر بستین درھمًا، اصل میں البر الکر منه بستین درھمًا تھا لیکن اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہاں قرینہ حالیہ ہے یعنی متکلم جو قیمت بتا رہا ہے وہ اسی چیز کی ہے جس کو پہلے ذکر کیا ہے مثلاً کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ ایک کلو گندم ۱۰ اروپے میں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ دس روپے جو کہا ہے وہ ایک کلو چاول کی قیمت ہے بلکہ ہر ایک یہی سمجھے گا کہ یہ دس روپے ایک کلو گندم کے بدلے ہیں اور کسی کے نہیں، تو یہاں قرینہ حالیہ کی وجہ سے عائد جو کہ منه ہے اس کو حذف کیا گیا۔

وما وقع ظرفًا فالاکثر علی انه مقدر بجملة

مسئلہ یہ ہے کہ جار مجرور کس کے متعلق ہوگا مثلاً زید فی الدار میں فی الدار کو کس کے متعلق کریں اس میں اختلاف ہے بصریین کہتے ہیں کہ یہ فعل کے ساتھ متعلق ہوگا کیونکہ عمل کے اعتبار سے فعل اصل ہے اس وجہ سے بصریوں کے ہاں تقدیری عبارت یوں ہوگی زید استقر فی الدار اور کوفیین کہتے ہیں کہ یہ اسم کے ساتھ متعلق ہوگا یعنی شبہ فعل کے ساتھ کیونکہ یہ خبر واقع ہو رہی ہے اور خبر میں افراد افضل ہے اور افراد اسم میں ہوتا ہے نہ کہ فعل میں، تو ان کے نزدیک تقدیری عبارت یہ ہوگی۔ زید ثابت فی الدار۔

واذا کان المبتدا مشتملا علی ماله صدر الکلام

مصنف مبتداء وخبر کی تعریف ذکر کرنے کے بعد وہ مقامات ذکر کر رہے ہیں جہاں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے

کل چار مقامات ایسے ہیں جہاں پر مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

① مبتداء اگر صدارت کلام چاہتا ہو تو وہاں مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے (صدارت کلام چاہے استفہام کی صورت میں ہو یا شرط کی صورت میں یا تمنی وترجی وغیرہ کی صورت میں ہو) جیسے من ابوک یہاں مَن استفہامیہ مبتداء واقع ہے اور یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اب اگر یہاں مبتدا کو مقدم نہیں کریں گے تو اس کی صدارت فوت ہو جائیگی۔

فائدہ:۔ چھ (۶) چیزیں صدارت کلام چاہتی ہیں۔ شرط، قَسم، تعجب، استفہام، نفی، لام ابتدائیہ، جنکو ایک شاعر نے جمع کیا ہے۔ شعر:

شش چیز بود مقتضی صدر کلام　　　در طبع فصیحاں شد این نظم تمام

شرط و قسم وتعجب و استفہام　　　نفی آمد ابتداء گشت تمام

بعض نے تمنی وترجی بھی شامل کی ہے (مصباح المعانی ص ۲۲۱)

② مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو بھی مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے مثلاً اللّٰہ ربنا، آدم ابونا یہاں اگر مبتدا کو مقدم نہیں کریں گے تو التباس کا خوف ہے یعنی یہ دونوں معرفہ ہونے کی وجہ سے مبتدا بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس لئے معلوم نہیں ہوگا کہ مبتدا کونسا ہے اور خبر کونسی ہے۔ اس وجہ سے ہم نے متعین کر دیا کہ ان میں جو بھی پہلے ہوگا اس کو مبتدا اور دوسرے کو خبر قرار دیں گے۔

③ مبتدا اور خبر دونوں میں تخصیص ہوئی ہو، چاہے کسی میں تخصیص زیادہ ہو اور کسی میں کم لیکن نفس تخصیص کے لحاظ سے دونوں برابر ہوں مثلاً افضل منک افضل منی یہاں بھی مبتدا کو اگر مقدم نہیں کریں گے تو خبر کیساتھ ملتبس ہو جائے گا۔

④ خبر مبتدا کیلئے فعل ہو مثلاً زیدٌ ضرب، یہاں اگر مبتدا کو مقدم نہیں کریں گے تو مبتدا اور فاعل کے درمیان التباس لازم آئے گا جیسے ضرب زیدٌ.

واذا تضمن الخبر المفرد

مصنفؒ وہ مقامات جہاں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب تھا ان کے ذکر سے فارغ ہونے کے بعد وہ مقامات ذکر کررہے ہیں جہاں پر خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، وہ بھی 4 چار مقامات ہیں۔

① خبر ایسی مفرد ہو جو صدارت کو چاہتی ہو جیسے این زیدٌ یہاں زید مبتدا مؤخر ہے اور این خبر مقدم یہاں اگر خبر کو مقدم نہ کریں تو اس کی صدارت فوت ہو جاتی ہے اس وجہ سے یہاں پر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ مصنفؒ نے المفرد کہہ کر زید من ابوہ جیسی عبارات سے احتراز کیا کیونکہ یہاں خبر مفرد نہیں بلکہ جملہ ہے اور جملہ ہونے کی وجہ سے خبر کو مقدم کرنا واجب نہیں اس لئے کہ یہاں من استفہامیہ ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو یہ اپنے مدخول کے شروع میں تو واقع ہے اب یہ ضروری نہیں کہ اس کو مبتدا سے بھی پہلے ذکر کیا جائے۔

② او کان مصححا له

دوسری جگہ جہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ خبر کو مقدم کرنا مبتدا کے مبتدا بننے کیلئے ضروری ہو یعنی اگر ہم خبر کو مقدم نہ کریں تو مبتدا کا مبتدا واقع ہونا درست ہی نہ ہو جیسے فی الدار رجلٌ یہاں فی الدار خبر مقدم اور رجلٌ مبتدا مؤخر ہے رجل چونکہ نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا واقع نہیں ہو سکتا جب تک اس میں تخصیص نہ کی جائے اور یہاں تخصیص اس طرح ہوئی ہے کہ اس کو اپنی جگہ سے ہٹا کر مؤخر کیا گیا ہے اب یہاں اگر ہم خبر کو مقدم نہیں کریں گے تو مبتدا کا مبتدا واقع ہونا درست نہ ہوگا اس وجہ سے یہاں خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے۔

③ او لمتعلقه ضمير فى المبتداء

اگر مبتدا میں خبر کے متعلق کیلئے کوئی ضمیر ہو تو اس صورت میں بھی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے اور متعلق سے مراد خبر کا ایسا جزء ہے جو اس سے مقدم نہ ہو سکے جیسے على التمرة مثلها

زبدًا یہاں علی التمرة خبر مقدم ہے اور مثلها مبتداء مؤخر ہے اور متعلق یہاں پر تمرة ہے جو کہ خبر کا جزء ہے اور علٰی سے مقدم نہیں ہو سکتی کیونکہ علٰی حرف جر عامل ہے اور التمرة مجرور معمول ہے اور مجرور حرف جر سے مقدم نہیں ہو سکتا، تو یہاں پر خبر کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر ہم خبر کو مقدم نہ کریں تو پھر اضمار قبل الذکر لازم آئے گا یعنی اس عبارت میں مثلھا کی ضمیر کا مرجع تمرة ہے جو کہ اس سے مقدم ہے، اگر خبر کو مؤخر کریں تو مثلها زبدًا علی التمرة ہوگا اور اس صورت میں بھی مثلھا کی ضمیر کا مرجع وہی تمرة ہے جو کہ مؤخر ہے۔ تو اس اضمار قبل الذکر کی قباحت سے بچنے کیلئے ہم نے یہاں خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب قرار دیا ہے۔

④ او کان خبرا عن اَنَّ

اَنّ سے خبر بھی مقدم ہوگی (یعنی اَنّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویل مفرد ہو کر مبتدا واقع ہو اور اس سے کوئی چیز خبر واقع ہو) مثلاً عندی انک قائم، یہاں عندی خبر مقدم ہے اور اَنّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ ہو کر مبتدا مؤخر ہے۔ یہاں خبر کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر ہم خبر کو مقدم نہیں کریں گے تو اَنَّ، اَنَّ نہیں رہے گا بلکہ وہ اِنَّ ہو جائیگا کیونکہ کلام کے شروع میں اِنَّ آتا ہے اَنَّ نہیں آتا ہے۔

وقد يتعدد الخبر

ایک مبتدا کی کئی خبریں لانا بھی درست ہے وہ اس لئے کہ مبتدا ذات ہوتا ہے اور خبر صفت اور ایک ذات کیلئے کئی اوصاف کا ہونا ممتنع نہیں مثلاً زید عالم، عاقل وغیرہ۔

وقد يتضمن المبتدا

کبھی کبھی مبتدا معنی شرط کو متضمن ہوگا یعنی مبتدا کے اندر شرط کے معنی پائے جائیں گے تو اس صورت میں خبر میں (فا) لانا جائز ہوگا، یعنی جب مبتدا میں شرط کے معنی پائے گئے تو مبتدا

قائم مقام شرط کے ہوگا اور خبر قائم مقام جزاء کے، لہٰذا جس طرح جزاء میں فا آتا ہے اسی طرح اس خبر میں بھی ''ف'' کا لانا درست ہوگا اور یہ کل دو صورتوں میں ہوتا ہے۔ مبتدا (۱) اسم موصول ہو (۲) نکرہ موصوفہ ہو، ان دونوں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ فعل کے ساتھ ۲۔ ظرف کے ساتھ

تو یہ کل صورتیں چار (۴) نکلیں جہاں خبر میں ''ف'' کا لانا درست ہوتا ہے۔

۱۔ مبتدا اسم موصول ہو اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے **الذی یاتینی فله درهم**۔

۲۔ مبتدا اسم موصول ہو اور اس کا صلہ ظرف ہو۔ جیسے **الذی فی الدار فله درهم**۔

۳۔ مبتدا نکرہ ہو اور صفت جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے **کل رجل یاتینی فله درهم**۔

۴۔ مبتدا نکرہ ہو اور صفت ظرف ہو۔ جیسے **کل رجل فی الدار فله درهم**۔

ولیت ولعل مانعان بالاتفاق

لیت اور لعل دخول فا سے مانع ہیں یعنی اگر لیت اور لعل ایسے مبتدا پر داخل ہوں جو متضمن معنی شرط ہو تو اس کی خبر میں ''ف'' نہیں آسکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ لیت اور لعل انشاء کی قسم میں سے ہیں اور جب یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہونگے تو یہ اس جملہ کو انشاء میں داخل کر دینگے اور جب یہ انشاء کی قسم میں سے ہو جائیں گے تو ان کی مشابہت شرط اور جزاء سے زائل ہو جائے گی کیونکہ شرط اور جزاء خبر کی قبیل میں سے ہیں نہ کہ انشاء کی۔ پس **لعل الذی یاتینی فله درهم** کہنا جائز نہیں۔

والحق بعضهم ان بهما

بعض حضرات جن میں سیبویہ بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جیسے لیت اور لعل کے داخل ہونے سے خبر پر فا کا آنا جائز نہیں اسی طرح جب مبتدا پر اِنَّ داخل ہو جائے تب بھی خبر پر فاء کا داخل ہونا جائز نہیں اس لئے شرط اور جزاء میں تردد کے معنی پائے جاتے ہیں اور اِنَّ تحقیق

کیلئے آتا ہے اوران دونوں معنوں میں منافات ہے اس وجہ سے جب مبتدا پر انّ داخل ہوتو خبر پر فا کا لانا جائز نہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ قرآن میں خود فاء کو داخل کیا ہے جیسے اِنَّ الذین کفروا وماتوا وھم کفار فلن یقبل .....الخ

سوال:۔ جیسے اِنَّ کے بارے میں یہ اختلاف ہے اسی طرح اَنَّ اور لٰـکِـنَّ میں بھی اختلاف ہے تو مصنفؒ نے صرف اِنَّ میں اختلاف ذکر کیا بقیہ میں نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ تھے تو یہ دونوں قول ضعیف لیکن پہلے والے قول کا قائل سیبویہ تھا چونکہ سیبویہ نحو کا بڑا امام تھا تو اس وجہ سے اِنَّ کو ذکر کیا باقی کو نہیں۔ اور اَنَّ جس مبتدا پر داخل ہو تو اس کی خبر پر فا کے داخل ہونے کی مثال یہ ہے۔ واعلموا انّما غنمتم من شئی فان لله خمسه

لکن کی مثال:۔ فوالله مافارقتکم قالیالکم ولکن مایقضی فسوف یکون

اللہ کی قسم میں تم سے تمھارے ساتھ دشمنی کر کے جدا نہیں ہوا لیکن جو کچھ خدا کا فیصلہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

وقد یحذف المبتداء لقیام قرینة جوازًا

کبھی کبھی مبتدا کو جوازی طور پر حذف بھی کیا جاتا ہے جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے الھلال واللّٰہ یہاں الھلال خبر واقع ہے اور اس کا مبتداء ھٰذا ہے جو کہ محذوف ہے اور اس کے محذوف ہونے پر قرینہ حالیہ دلالت کرتا ہے، کیونکہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہ پہلے چاند نظر نہ آیا ہو اور لوگ چاند کی تلاش کر رہے ہوں تو اچانک کسی کو چاند نظر آئے تو وہ الھلال والله کہتا ہے۔

سوال:۔ آپ نے یہاں مبتدا کو محذوف مانا ہے اور تقدیری عبارت ھٰذا الھلال نکالی ہے آپ یہاں خبر کو محذوف کیوں نہیں مانتے؟ کہ اس کی اصل الھلال ھذا ہو، تا کہ مبتدا جو کہ اصل ہے اس کا حذف لازم نہ آئے۔

جواب:۔ یہاں قرینہ اس بات پر دال ہے کہ مبتدا محذوف ہے کیونکہ **الھلال ھذا** تو اس وقت کہا جاتا ہے جب پہلے چاند نظر آ گیا ہو اب کسی دوسرے شخص کو دکھانا مقصود ہو لیکن **ھذا الھلال** اس وقت کہا جاتا ہے جب پہلے سے چاند نظر نہ آیا ہو جیسا کہ پہلی سطروں میں گزر چکا ہے۔

والخبر جوازًا

خبر کو حذف کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ جوازًا، ۲۔ وجوبًا اب وہ جگہ ذکر کر رہے ہیں جہاں خبر کو حذف کرنا جائز ہو۔ اگر خبر کے حذف ہونے پر کوئی قرینہ موجود ہو اور خبر کے قائم مقام کوئی چیز نہ ہو تو اس صورت میں خبر کو حذف کرنا جائز ہے جیسے **خرجت فاذا السبع** تو یہاں السبع مبتدا ہے اور اس کی خبر واقف محذوف ہے اور یہاں خبر کے محذوف ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ اذا مفاجاتیہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جبکہ یہاں السبع مفرد ہے تو ہم نے **السبع** کو مبتدا مان لیا اور خبر کو محذوف، کیونکہ مبتداء معرفہ ہوتا ہے اور خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔ چونکہ **السبع** معرفہ تھا اس لئے ہم نے اس کو مبتداء بنایا اور خبر کو محذوف مانا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے ''میں گھر سے نکلا پس درندہ کھڑا تھا''

ووجوبًا فیما التزم فی موضعه غیره

خبر کو اس جگہ پر حذف کرنا واجب ہے جہاں خبر کی جگہ پر اس کے غیر کو قائم مقام بنایا ہوا اور یہ کل چار (۴) جگہوں میں پایا جاتا ہے۔

① لولا زید لکان کذا

اس سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں مبتدا لولا کے بعد واقع ہو۔ اب یہاں **فیما التزم فی موضعه غیره** کی عبارت اس طرح فٹ ہوگی کہ **لولا زید لکان کذا** اصل میں **لولا زید موجود لکان کذا** تھا تو موجود خبر تھی اس کے غیر یعنی **لکان کذا** کو اس کا قائم

مقام بنایا اور موجود کو حذف کر دیا، اس کے حذف ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ لو لا انتفاء ثانی بسبب وجودِ اول کے لئے آتا ہے یعنی انتفائے ثانی ہوا اول کے موجود ہونے کی وجہ سے تو یہی (یعنی لولا کا وجود پر دلالت کرنا) اس کا قرینہ ہے۔

سوال:۔ یہاں خبر کا حذف کرنا واجب کیوں ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ یہاں قرینہ بھی موجود ہے اور قائم مقام بھی۔ اگر یہاں خبر کو حذف نہ کریں تو اصل اور فرع کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ اصل اور فرع کا اجتماع جائز نہیں یا یہ کہ لولا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے لیکن ہم آپ کو ایسا مقام دکھاتے ہیں جہاں لولا کی خبر کو حذف نہیں کیا ہے جیسے امام شافعیؒ کا شعر ہے۔

ولولا خشية الرحمان عندی جعلت الناس کلهم عبيدی
ولولا الشعر بالعلماء يزری لكنت اليوم اشعر من لبيد

یہاں مبتدا لولا کے بعد واقع ہے لیکن اس کے باوجود اس کی خبر کو حذف نہیں کیا گیا (یہاں پہلے شعر میں عندی اور دوسرے شعر میں یزری خبر ہیں)

جواب:۔ لولا کی خبر کا حذف کرنا اس صورت میں واجب ہے کہ جب خبر افعال عموم میں سے ہو ورنہ واجب نہیں، تو یہاں خبر افعال عموم میں سے نہیں، بلکہ افعال خاصہ میں سے ہے اس وجہ سے یہاں خبر کو حذف نہیں کیا۔

② ضربی زیدا قائما

اس سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں مبتدا مصدر ہو (حقیقی ہو یا حکمی) اور اس کی اضافت فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف کی گئی ہو اور اس کے بعد حال واقع ہو، یا مبتدا اسم تفضیل ہو

اس کی نسبت مصدر کی طرف کی جائے اور وہ مصدر چاہے حقیقی ہو یا حکمی اور اس مصدر کی اضافت فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف کی جائے اور اس کے بعد ایک حال واقع ہو اور حال چاہے فاعل سے واقع ہو یا مفعول سے یا دونوں سے۔ اس طرح کل 36 چھتیس صورتیں بنتی ہیں، جو درج ذیل ہیں۔ مبتدا مصدر حقیقی ہو اور اس کی اضافت (۱) فاعل (۲) یا مفعول (۳) یا دونوں کی طرف ہو۔ مبتدا مصدر حکمی ہو اور اس کی اضافت (۴) فاعل (۵) یا مفعول (۶) یا دونوں کی طرف ہو۔ مبتدا اسم تفضیل ہو اس کی نسبت مصدر حقیقی کی طرف ہو اور اس کی اضافت (۷) فاعل (۸) مفعول (۹) یا دونوں کی طرف ہو۔ مبتدا اسم تفضیل ہو اور اس کی نسبت مصدر حکمی کی طرف ہو اور اس کی اضافت (۱۰) فاعل (۱۱) یا مفعول (۱۲) یا دونوں کی طرف ہو۔ ان بارہ میں سے ہر ایک کی تین صورتیں بنتی ہیں (۱) فاعل سے حال واقع ہو۔ (۲) مفعول سے حال واقع ہو۔ (۳) دونوں سے حال واقع ہو۔ لہٰذا بارہ کو تین سے ضرب دینے سے چھتیس صورتیں بن گئیں۔ ان میں سے بارہ صورتیں بمع امثلہ نقشے میں دی گئی ہیں باقی مثالوں کو ان پر قیاس کر کے نکالا جا سکتا ہے۔

فاعل کی طرف:	ان ذھبت راجلاً
مفعول کی طرف:	ان ضرب زید عریانا
دونوں کی طرف:	ان ضرب زید عمرا قائمین
فاعل کی طرف:	ذھابی راجلاً
مفعول کی طرف:	ضرب زید عریاناً
دونوں کی طرف:	ضرب زید عمراً قائمین
فاعل کی طرف:	اکثر ان ذھبت راجلا
مفعول کی طرف:	اکثر ان ضرب زید عریانا
دونوں کی طرف:	اکثر ان ضرب زید عمرا قائمین
فاعل کی طرف:	اکثر ذھابی راجلاً
مفعول کی طرف:	اکثر ضرب زید عریانا
دونوں کی طرف:	اکثر ضرب زید عمرا قائمین

اس نقشے میں کل بارہ صورتیں اوران کی مثالیں ذکر ہیں اب ہم کتاب کی مثال کی تشریح کرتے ہیں اوروہ یہ ہے کہ ضربی زیدًا قائمًا یہاں ضرب مصدر ہےاوراس کی اضافت فاعل کی طرف کی گئی ہےاوراس کے بعد قائمًا حال واقع ہےاصل عبارت یوں تھی ضربی زیدًا حاصلٌ اذاکان قائمًا یہاں پرحاصل خبرتھی اس کوحذف کر کےظرف یعنی اذا کان کواس کے قائم مقام بنادیا پھراذا کان کوحذف کر کے حال یعنی قائمًا کواس کے قائم مقام بنادیا(کیونکہ حال اورظرف میں قدرےاشتراک ہوتا ہےجیسے: رأیت زیدًا راکبًا کے معنی یوں ہے رأیت زیدًافی زمان الرکوب تواس وجہ سےاذا کان کوحذف کردیا) اور یہاں پرحاصل یعنی خبر کے حذف ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ اذا کان ظرف ہے جوکہ مظروف یعنی متعلق کوچاہتا ہےاور ماقبل میں حاصل کے علاوہ اورکوئی نہیں ہے جس کے ساتھ متعلق کیاجائے۔یہ مصدر حقیقی کی مثال تھی۔

اورمبتدااسم تفضیل کی مثال جیسے اکثر شربی السویق ملتوتا۔یہ عبارت اصل میں اکثرشربی السویق حاصل اذاکان ملتوتا تھی یہاں بھی حاصل خبرکوحذف کرکے اذاکان کواوراس کوحذف کرکےملتوتا کوقائم مقام بنایا گویا یہ حال اب خبر کے قائم مقام بن گئی،اس کی بقیہ تفصیل وہی ہے جوپہلی مثال کے تحت ذکر کی ہے۔

③ کل رجل وضیعته

(ہرمرداپنے پیشے کے ساتھ مقرون (ملا ہوا) ہوتا ہے) یہ تیسرامقام ہے جہاں پرخبرکوحذف کرناواجب ہے اس سے ہروہ ترکیب مراد ہے جہاں خبرمقارنت کے معنی پر مشتمل ہواورمبتداپرایک اسم کاواؤ کے ذریعہ عطف کیاہواوروہ واؤ مع کے معنی میں ہوجس کی مثال ابھی ذکر کی ہے یہ اصل میں کل رجل مقرون وضیعته تھایہاں سےاس کی خبر

کو جو مقرون تھی حذف کر دیا اور یہاں پر حذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ اس کا قائم مقام وضیعتہ موجود ہے اگر حذف نہیں کریں گے تو اصل اور فرع کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں اور یہاں خبر کے حذف ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ وضیعتہ میں واؤ مع کے معنی میں ہے تو یہ مضاف مضاف الیہ ظرف، ماقبل مظروف چاہتے ہیں اور مقرون کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں جس کے یہ ظرف ہوتے ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ ان کا مظروف محذوف ہے۔

④ لعمرك لافعلن كذا

یہ چوتھا مقام ہے جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں مبتدا مقسم بہ ہو اور خبر لفظ قسم ہو۔ مقسم بہ کا مطلب یہ ہے کہ جس پر قسم کھائی گئی ہو مثلاً کوئی یہ کہہ دے کہ قرآن کی قسم، تو قرآن مقسم بہ ہوا۔ تو یہاں اس کی اصل عبارت یہ تھی لعمرک قسمي لافعلن كذا ۔ یہاں عمر جو کہ مبتدا ہے اس پر قسم کھائی گئی ہے یعنی وہ مقسم بہ واقع ہے اور قسمی خبر ہے جو کہ لفظ قسم ہے اب یہاں قسمی کو حذف کر کے لافعلن کذا کو اس کے قائم مقام بنایا ہے اور یہاں خبر کا حذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ ورنہ اصل اور فرع کا اجتماع لازم آتا ہے اور خبر کے حذف ہونے پر قرینہ لام قسمیہ ہے یعنی عمر پر جو لام داخل کیا ہے وہی قرینہ ہے کیونکہ یہ دلالت کرتا ہے قسم پر اور قسم یہاں موجود نہیں تو معلوم ہوا کہ لافعلن کذا کو جو کہ جواب قسم ہے خبر کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

خبر ان واخواتها: هو المسند بعد دخول هٰذه الحروف

مرفوعات کی پانچویں قسم اِنَّ اور اس کے اخوات یعنی حروف مشبہ بالفعل کی خبر ہے یہ کل چھ ہیں جن کو ایک شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے

اِنَّ بـأَنَّ كَـأَنَّ لٰـكـنَّ لَيْـتَ لَـعَـلَّ ناصب اسمند ورافع درخبر ضد ما و لا

ان حروف کو حروفِ مشبہ بالفعل کہتے ہیں کیونکہ یہ فعل کے ساتھ لفظاً اور معناً مشابہت رکھتے

ہیں (۱) لفظاً: جیسے فعل ثلاثی اور رباعی ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ثلاثی اور رباعی ہوتے ہیں مثلاً اِنَّ اور اَنَّ ثلاثی ہیں اور کَاَنَّ اور لٰکِنَّ رباعی ہیں۔ (۲) معنیً جیسے انَّ اور اَنَّ حققت کے معنی میں ہیں، کَاَنَّ تشبہت ،لکنّ استدرکت ،لیت تمنّیت کے معنی پر اور لعلّ ترجیت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ عمل کے اعتبار سے بھی فعل کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے یعنی فعل جیسے دو اسموں: فاعل اور مفعول پر داخل ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی دو اسموں: مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، یہاں خبر کی تعریف میں ھو المسند کہنے سے مبتدا کی خبر اور مبتدا کی قسمِ ثانی بھی داخل ہو گئے تھے لیکن بعد دخول ...... الخ کی قید سے ان کو خارج کر دیا مثال ان زیدًا قائم۔

وامرہ کامر خبر المبتدا الافی تقدیمہ الااذاکان ظرفًا

خبر انَّ کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہے یعنی جیسے مبتدا کی خبر مفرد بھی ہوتی ہے اور جملہ بھی اور جب جملہ ہو تو عائد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خبر انَّ کے اندر بھی ایسا ہوتا ہے لیکن ایک بات میں فرق ہے اور وہ یہ کہ مبتدا کی خبر تو بعض اوقات مقدم ہوتی ہے لیکن انَّ کی خبر میں تقدیم جائز نہیں اس لئے کہ اِنَّ عامل ضعیف ہے جب اس کا اسم اور خبر ترتیب سے آئیں تو عمل کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ مگر جب انَّ کی خبر ظرف واقع ہو تو اس صورت میں اس کی خبر کا حکم تمام صورتوں میں مبتدا کی خبر کی طرح ہوگا، کیونکہ جب انَّ کی خبر ظرف ہو تو اس کو انَّ کے اسم سے مقدم کرنا جائز ہوتا ہے کیونکہ ظروف کو کلام میں توسع حاصل ہے یعنی ظروف کلام میں ایسی جگہوں پر بھی آتے ہیں جہاں دوسرے نہیں آتے تو جب یہ معلوم ہو گیا کہ خبر اِنَّ اگر ظرف ہو تو اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو مبتدا کی خبر کا ہے تو اِنَّ کی خبر کا مقدم کرنا بھی کبھی جائز ہوگا اور کبھی واجب جیسے مبتدا کی خبر میں ہوتا ہے۔ تو اِنَّ کا اسم اگر معرفہ ہو تو خبر کا اسم پر مقدم کرنا جائز ہوگا جیسے: اِنَّ الینا ایابھم اور اگر نکرہ ہو تو اس صورت میں خبر کی تقدیم

واجب ہوگی جیسے اِنَّ من البیان لسحرا۔

خبر لاالتی لنفی الجنس: هوالمسند بعد دخولها

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لا جو جنس کی نفی کے لئے ہو، لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے ہوتا ہے جیسے لاغلام رجل ظریف فیها۔ یہاں جنس غلام کی نفی نہیں بلکہ ظریف صفت کی نفی ہے یعنی غلام ظریف نہیں۔

سوال:۔ مصنفؒ نے وہ عام مثال (یعنی لارجل فی الدار) کیوں نہیں دی یہ مثال کیوں دی؟

جواب:۔ اس لئے کہ مثال ایسی پیش کرنی چاہیئے جس میں غیر کا احتمال نہ ہو تو یہاں لارجل فی اندار میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ رجل موصوف فی الدار اس کی صفت ہو کر پھر یہ لائے نفی جنس کا اسم ہو اور خبر محذوف ہو تو یہ احتمال باقی تھا مگر لا غلام رجل ظریف فیها میں یہ احتمال نہیں کیونکہ ظریف غلام کیلئے صفت نہیں بن سکتا کیونکہ یہ مرفوع ہے اور غلام منصوب ہے حالانکہ موصوف اور صفت میں مطابقت لازمی ہے۔

سوال:۔ مصنفؒ نے ایسی مثال پیش کی ہے جہاں دو خبریں ہیں ایک خبر والی مثال کو چھوڑ کر دو خبروں والی مثال کیوں پیش کی؟

جواب:۔ اس میں دو فائدے ہیں (۱) یہ بتانے کے لئے کہ لائے نفی جنس کی خبر ظرف بھی ہوسکتی ہے اور غیر ظرف بھی، فیها ظرف اور ظریف غیر ظرف ہے۔ (۲) اس لئے کہ اگر خبر ثانی کو ذکر نہ کرتے تو یہ جملہ غلط ہو جاتا اور ترجمہ یوں ہوتا کہ کسی آدمی کا غلام شریف نہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس لئے خبرِ ثانی کو بھی ذکر کیا، تو اب ترجمہ یوں ہوگا ''کسی آدمی کا شریف غلام گھر میں نہیں''

....

ویحذف کثیرا

لائے نفی جنس کی خبر اکثر حذف ہوتی ہے جیسے لاالٰہ الا اللّٰہ یہاں موجود خبر محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے۔ لاالٰہ موجود الا اللہ۔

وبنوتمیم لایثبتونہ

اس عبارت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔

(۱) بنوتمیم لائے نفی جنس کی خبر کو محذوف مانتے ہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ وہ لائے نفی جنس کی خبر کے قائل ہی نہیں۔ اس صورت میں ان پر اعتراض ہوتا ہے۔

اعتراض:۔ جب آپ لائے نفی جنس کی خبر کے قائل نہیں تو پھر لااھل ولامال کی ترکیب کیا ہے؟

جواب:۔ لا اسمائے افعال میں سے ہے اور اھل اس کا فاعل ہے لااھل ولامال کا معنی ہے، انتفی الاھل والمال۔

اسم ماولا المشبھتین بلیس ۔ ھوالمسند الیہ بعددخولھا

وہ ما اور لا جو لیس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں ان کا اسم مرفوع ہوگا، یہ مشابہت کئی قسم پر ہے۔

(۱) لیس بھی نفی کے لئے آتا ہے اور ماولا بھی، (۲) لیس بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اور ماولا بھی، (۳) لیس اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے اور ماولا بھی اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اس لئے ان کو ماولا المشبھتین بلیس کہا جاتا ہے۔ مثال مازیدٌ قائماولارجل افضل منک

سوال:۔ مصنفؒ نے ''ما'' کو معرفہ اور ''لا'' کو نکرہ پر داخل کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ یہ بتانے کے لئے کہ ما معرفہ اور نکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے اور لا صرف نکرہ پر، اس وجہ سے مصنفؒ نے ما کو معرفہ پر داخل کیا کیونکہ جب یہ معرفہ (جو اصل ہے اس) پر داخل ہو سکتا ہے تو نکرہ پر بطریقِ اولیٰ داخل ہوگا۔

وھوفی لاشاذ

لیس کی طرح عمل کرنا لا کے اندر شاذ ہے کیونکہ لا کی مشابہت لیس کے ساتھ مکمل نہیں کیونکہ لیس حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور لا مطلق نفی کے لئے آتا ہے اور ما کی مشابہت لیس کے ساتھ تام ہے کیونکہ یہ بھی حال کی نفی کے لئے آتا ہے۔

ما اور لا میں فرق:۔ ما اور لا دونوں نفی کے لئے آتے ہیں مگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے (۱) ما معرفہ اور نکرہ دونوں میں آتا ہے اور لا صرف نکرہ میں (۲) ما حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور لا مطلق نفی کے لئے آتا ہے، خواہ ماضی ہو یا حال یا استقبال۔ (۳) ما کی خبر میں ''با'' داخل ہوتی ہے اور لا کی خبر میں ''با'' داخل نہیں ہوتی جیسے وماربک بظلّام للعبید.

واضح رہے کہ ما و لا کا عمل کرنا اہلِ حجاز کا مسلک ہے، بنو تمیم ما و لا کو عمل نہیں دیتے بلکہ ان کے بعد والے کو مبتدا اور خبر بناتے ہیں ان کی دلیل یہ شعر ہے

ومهفهف كالغصن قلت لهٗ انتسب فاجاب ما قتل المحب حرام

اہلِ حجاز کا مذہب راجح ہے اور انہی کی لغت پر قرآن اترا ہے۔ قولہ تعالیٰ ماھذا بشرًا ۔
ترکیب ما مشابہ بلیس، ھذا اسم اور بشرًا خبر۔

تمت المرفوعات بعون الله وفضله وكرمه

....

المنصوبات

هو مااشتمل علی علم المفعولية

المنصوبات ...... الخ: اس ترکیب میں بعینہ وہی تفصیل ہے جوالمرفوعات کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

سوال:۔ علم المفعولیۃ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مفردات اور غیر منصرف میں فتحہ ،جمع مؤنث سالم میں کسرہ، اسماء ستہ مکبرہ میں الف اور تثنیہ اور جمع مذکر سالم میں یاء ہے۔

اعتراض: جب آپ نے کہا کہ جمع میں ''یا'' علامت مفعولیت ہے اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ تو ہم آپ کو ایسا مقام بتاتے ہیں جہاں ان شرطوں کے پائے جانے کے باوجود وہ مفعول نہیں جیسے مررت بمسلمین یہ جمع بھی ہے اور ''یا'' بھی ہے لیکن اس کے باوجود یہ مفعول نہیں ہے اور اسی طرح مررت بمسلماتٍ اور مررت بعمرَ وغیرہ۔

جواب: ہم نے جو کہا ہے کہ ''یا'' ہو یا ''الف'' ہو یا ''فتحہ'' وغیرہ ہو یہ وہاں پر ہے جہاں حرفِ جر کے ساتھ نہ ہو اور یہاں حرفِ جر کے ساتھ ہے اور مررت بمسلمات میں الف تثنیہ کا نہیں بلکہ جمع کا ہے۔

المفعول المطلق: وهو اسم مافعله فاعل فعل مذكور بمعناه

مفول مطلق وہ اسم ہے جس کو فعلِ مذکور کے فاعل نے کیا ہو اور یہ مفعول مطلق اس فعل کے ہم معنی ہو اور اس فعل کے فاعل کے ساتھ قائم ہو۔

سوال:۔ مفعول مطلق کو دیگر مفاعیل اور منصوبات سے مقدم کیوں کیا؟

جواب:۔ دیگر منصوبات سے تو اس لئے مقدم کیا کہ وہ مفاعیل ہی کے ساتھ ملحق ہوتے

ہیں اور دوسرے مفاعیل سے اس لئے مقدم کیا کہ باقی تمام مفاعیل مقید ہیں کوئی بہ کے ساتھ اور کوئی فیہ کے ساتھ کوئی لہ وغیرہ کے ساتھ بخلاف مفعول مطلق کے کہ وہ کسی کے ساتھ مقید نہیں ہوتا اس وجہ سے اس کو مقدم کیا کیونکہ مطلق مقید سے مقدم ہوتا ہے۔

وقد يكون للتاكيد

مفعول مطلق کی اقسام: مفعول مطلق کی تین قسمیں ہیں (۱) تاکید کے لئے (۲) نوع کے لئے (۳) اور عدد کے لئے۔

وجہ حصر: مفعول مطلق یا تو فعل کے مفہوم (یعنی فعل کے معنی) میں زیادتی پر دلالت کرے گا یا نہیں اگر فعل کے معنی میں زیادتی پر دلالت نہ کرے تو وہ تاکید کے لئے ہے جیسے جلست جلوساً اگر فعل کے معنی میں زیادتی پر دلالت کرے تو اس کی دو قسمیں ہیں یا تو معنی کے ساتھ نوع کا قصد کیا جائے گا یا عدد کا، اگر نوع کا قصد کیا جائے تو وہ نوعی ہے جیسے جلست جِلسة اور اگر عدد کا قصد کیا جائے تو وہ عددی ہے جسے جلست جَلسةً۔

فائدہ:۔ فَعلة کا وزن بیان عدد کے لئے آتا ہے اور فِعلة کا وزن بیان نوع کے لئے۔

فالاول لايثنى ولايجمع بخلاف اخويه

مفعول مطلق جو تاکید کے لئے ہو وہ تثنیہ اور جمع نہیں ہوسکتا کیونکہ مفعول مطلق جب تاکید کے لئے آئے تو وہاں اس سے مراد فعل کی ماہیت ہوتی ہے اور چونکہ ماہیت میں تعدد نہیں ہوتا اس وجہ سے تاکید میں بھی تعدد نہ ہوگا، بخلاف دوسری صورتوں کے یعنی اگر مفعول مطلق تاکید کے لئے نہ ہو بلکہ نوع یا عدد کے لئے ہو تو وہ تثنیہ و جمع ہوسکتا ہے جیسے جلست جَلستين (میں دو مرتبہ بیٹھا) جلست جِلستَين (میں دو طرح بیٹھا)

قديكون بغير لفظه

کبھی مفعول مطلق اپنے فعل کے غیر سے واقع ہوگا یعنی اپنے فعل کا مغایر ہوگا۔

مغایرت کی تین قسمیں ہیں (۱) صرف مادے کے لحاظ سے مغایر ہو جیسے **قعدت جلوساً**، قعد اور جلس کے معنی ایک ہیں لیکن دونوں کا مادہ الگ ہے ایک میں ق، ع، د ہے اور دوسرے میں ج، ل اور س ہیں۔

(۲) صرف باب کے لحاظ سے مغایر ہو مثلاً **انبت اللّٰہ نباتاً**.

(۳) باب اور مادہ دونوں کے لحاظ سے مغایر ہو: مثلاً **فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ** خیفۃ مفعول مطلق ہے اوجس سے، دونوں کا مادہ بھی الگ ہے اور باب بھی۔

وقد یحذف الفعل لقیام قرینۃ جوازا

مفعول مطلق کے فعل کو دو طریقوں پر حذف کیا جاتا ہے (۱) جوازاً (۲) وجوباً: تو اب یہ بیان کرتے ہیں کہ مفعول مطلق کے فعل کو جوازی طور پر حذف کب کیا جاتا ہے، تو مفعول مطلق کے فعل کو قرینہ کی بناء پر حذف کرنا جائز ہے جیسے کسی آنے والے کے لئے خیر مقدم کہنا۔ تو یہاں خیر مقدم مفعول مطلق ہے جس کا فعل محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے **قدمت قدوماً خیر مقدم** تو یہاں قرینہ آنے والے کی حالت ہے۔

ووجوباً سماعاً

کبھی مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے اور اس وجوباً کی بھی دو صورتیں ہیں (۱) سماعًا (۲) قیاسًا: سماعی اسے کہتے ہیں جہاں فعل کے حذف ہونے کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہ ہو بلکہ عرب سے ایسا ہی سنا ہو اور قیاسی اسے کہتے ہیں کہ جہاں فعل کے حذف کے لئے کوئی قاعدہ مقرر ہو۔

سماعی کی مثالیں: **سقیًا، رعیًا، خیبۃً، جدعًا، حمدًا، شکرًا، عجبًا**، اصل عبارت ان میں یہ ہے **سقاک اللّٰہ سقیا، رعاک اللّٰہ رعیا، خاب خیبۃ، جدع جدعا، حمدت حمدا، شکرت شکرًا، عجبت عجبا.**

ترجمہ: اللہ تجھے سیراب کرے، اللہ تیری حفاظت کرے، وہ نامراد اور ناکام ہوا، فلاں نے ناک کان کاٹ دیا۔ میں اللہ کی حمد کرتا ہوں، میں اللہ کا شکر کرتا ہوں، میں نے بہت تعجب کیا۔

وقیاسًافی مواضع

سات مقامات پر مفعول مطلق کے فعل کو قیاسًا حذف کرنا واجب ہے ان میں سب سے پہلا یہ ہے کہ: **منها ما وقع مثبتًا بعد نفی او معنیٰ نفی داخل علی اسم لایکون خبرا عنه**: مفعول مطلق نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور ایسے اسم پر داخل ہو کہ جس سے یہ مفعول مطلق خبر واقع نہ ہو سکے جیسے **ما انت الاسیرا، ماانت الاسیر البلد، انما انت سیرًا**، پہلی دو مثالیں وہ ہیں جہاں مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو اور آخری مثال وہ ہے جہاں مفعول مطلق معنی نفی کے بعد واقع ہو، تو یہاں مفعول مطلق مثبت بھی ہے اور نفی کے بعد بھی واقع ہے اور حرفِ نفی بھی اسم پر داخل ہے اور مفعول مطلق اس اسم (جس پر حرف نفی داخل ہے) سے خبر بھی واقع نہیں ہو رہا، اس لئے یہاں سے فعل کو حذف کیا ہے جو کہ تسیر ہے۔

فوائد قیود:۔ مذکورہ عبارت میں لفظ **ما** جنس ہے اور **مثبتًا** فصل اول ہے اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں مفعول مطلق مثبت نہ ہو جیسے **ما انت تسیر سیرا** یہاں **سیرًا** مفعول مطلق ہے لیکن مثبت نہیں ہے اس لئے اس کے فعل کو حذف نہیں کریں گے اور **ما انت تسیر سیرًا** کہیں گے اور **بعد نفی او معنی نفی** فصل ثانی ہے اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں مفعول مطلق نفی یا معنی نفی کے بعد واقع نہ ہو، جیسے **سرت سیرا** اور **داخل علی اسم** فصل ثالث ہے اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں حرف نفی یا معنی نفی اسم پر داخل نہ ہو جیسے **ما سرت الاسیرا لبرید**، یہاں ما حرفِ نفی سرت فعل پر داخل

ہے نہ کہ اسم پر اس وجہ سے یہاں سے فعل حذف نہیں ہوگا اور **لا یکون خبرًا عنه** فصل رالع ہے اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں مفعول مطلق خبر واقع ہو جیسے **ماسیری الا سیر شدید** یہاں فعل کو حذف نہیں کریں گے کیونکہ سیر خبر ہے ماقبل (سیری) سے اور سیر کو منصوب پڑھنا جائز نہیں۔

سوال:۔ مصنف نے یہاں **ماانت الّاسیرًا** اور **ماانت الّاسیر البرید** دو مثالوں کو ذکر کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے ایک ہی مثال پر اکتفاء کیوں نہیں کیا؟

جواب: یہ بتانے کے لئے کہ مفعول مطلق کبھی نکرہ ہوتا ہے اور کبھی معرفہ۔ تو پہلی مثال میں مفعول مطلق نکرہ ہے اور دوسری مثال میں مفعول مطلق معرفہ ہے۔

(۲) ماوقع مکررًا

مفعول مطلق کے فعل کو وجوبًا قیاسًا حذف کرنے کی دوسری جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو جیسے **زیدٌ سیرًا سیرًا . ای یسیر سیرًا.**

اعتراض:۔ آپ نے کہا کہ جہاں مفعول مطلق مکرر واقع ہو تو وہاں فعل کو حذف کرنا واجب ہے تو ہم آپ کو ایسی ترکیب بتا دیتے ہیں جہاں مفعول مکرر تو ہے مگر فعل کو حذف نہیں کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **کلا اذا دُکت الارض دکًّا دکا**۔ یہاں اس آیت شریفہ میں **دکّا دکا**، مفعول مطلق ہے جو کہ مکرر واقع ہے اس کے باوجود **دُکّت** فعل کو حذف نہیں کیا گیا۔

جواب:۔ مفعول مطلق کے مکرر واقع ہونے کی صورت میں اس کے فعل کو حذف کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ مفعول مطلق ایسے اسم کے بعد واقع ہو جو کہ خبر کا تقاضا کرے اور وہ مفعول مطلق خبر نہ بنے یعنی مفعول مطلق خبر کی جگہ پر واقع ہو جیسے **زیدٌ سیرا سیرا** یہاں زید مبتدا ہو کر خبر کا تقاضا کرتا ہے لیکن **سیرا سیرا** اس سے خبر نہیں بنتا بخلاف

دکّا دکا کے کہ وہاں دکت الارض میں الارض نائب فاعل ہے جو کہ خبر کا تقاضا ہی نہیں کرتا تو دکاد کا خبر کہاں واقع ہوگی پس دکاد کاً کا خبر کی جگہ پر واقع نہ ہونے کی وجہ سے دکت الارض میں فعل کو حذف نہیں کریں گے۔

سوال:۔ ان دونوں صورتوں میں فعل کو حذف کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ فعل کو حذف نہ کرنے کی صورت میں ہمارا مقصود فوت ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں صورتوں میں ہمارا مقصود دوام واستمرار ہے اور چونکہ فعل استمرار کا مخالف ہے اس وجہ سے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

سوال:۔ ان دونوں صورتوں کو ایک ساتھ کیوں ذکر کیا؟ یعنی دوسری قسم کو اول کے ضمن میں کیوں ذکر کیا الگ سے ذکر کرتے؟

جواب:۔ اس لئے کہ دونوں میں قدرے اشتراک ہے یعنی دونوں دو چیزوں میں مشترک ہیں (۱) یہ کہ قسم اول میں بھی دوام اور استمرار مقصود تھا اور قسم ثانی میں بھی (۲) پہلی قسم میں بھی مفعول مطلق اپنے اسم سے خبر نہیں بن سکتا تھا اور دوسری قسم میں بھی یا بالفاظ دیگر یہ کہیں کہ دونوں کا عمل ایک ہے۔

(۳) منها ماوقع تفصيلاً لاثر مضمون جملة متقدمة

مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ متقدمہ کے مضمون کی غایت کا بیان واقع ہو۔ جملہ متقدمہ سے مراد یہ ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے ایک جملہ ہو اور مفعول مطلق اس جملے کے بعد واقع ہو، اور مضمون سے مراد یہ ہے کہ جملے سے حاصل شدہ مصدر کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف کی جائے، اثر سے مراد غایت ہے اور تفصیل سے مراد بیان ہے۔ مثلاً فشدوا الوثاق فامامنابعد واما فداء

اس آیت میں منا اور فداءً دونوں مفعول مطلق ہیں اور ان سے پہلے فشدوا الوثاق جملہ متقدمہ ہے اور مضمون اس طرح ہے کہ یہاں شد مصدر کی اضافت الوثاق کی طرف کی گئی ہے اور یہ مفعول واقع ہے اور غایت یہ ہے کہ یا تو احسان کرو کہ مفت میں چھوڑ دو اور یا فدیہ لے کر چھوڑ دو اور منا اور فداءً اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ یہاں اصل میں تمنّون منا اور تفدون فداءً تھا اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ (جب کفار کو جہاد میں پکڑ لو تو ان کو جکڑ ڈالو) اس کے بعد یا (تو بغیر فدیہ کے چھوڑ کر) احسان کرو اور یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

حذف کی وجہ:۔ اس صورت میں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ (۱) اگر فعل کو حذف نہ کریں تو اشتغال بما لایعنی لازم آتا ہے یعنی منا اور فداءً سے بات معلوم ہو جاتی ہے تو دوبارہ تمنون اور تفدون فعل کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں فعل کا قائم مقام مفعول مطلق موجود ہے اور یہاں حذف پر قرینہ بھی ہے کیونکہ مفعول مطلق کا منصوب ہونا یہ قرینہ ہے کہ یہاں فعل کو حذف کیا گیا ہے۔

(٤) منها ماوقع للتشبيه علاجاً بعد جملة مشتملة على اسم بمعناه وصاحبه

مفعول مطلق کے فعل ناصب کو وجوباً قیاساً حذف کرنے کا چوتھا مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو اور افعالِ جوارح میں سے کسی پر دال ہو اور یہ مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد واقع ہو کہ جو جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے ہم معنی ہو اور صاحب اسم پر بھی مشتمل ہو مثال: مررت به فاذا له صوت صوتَ حمار او صراخ صراخ الثكلیٰ، اصل میں یصوت صوت حمار اور یصرخ صراخ الثكلیٰ تھا۔ اس عبارت میں صوت حمار مفعول مطلق ہے اور یہ تشبیہ واقع ہے اور صوت کا تعلق زبان کے ساتھ ہے جو کہ جوارح میں سے ہے اور مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد ہے جس میں صوت

ہے یعنی فاذا لہ صوت اور مفعول مطلق میں بھی صوت ہے اور صاحب اسم پر بھی مشتمل ہے جیسے فاذا لہ میں ضمیر کا مرجع صاحب اسم ہے۔ اسی طرح صراخ الثکلی کو بھی سمجھیں۔

سوال:۔ یہاں دو مثالیں کیوں پیش کی ہیں؟

جواب:۔ (۱) اس لئے کہ یہ بتانا مقصود تھا کہ مفعول مطلق کبھی مضاف ہوگا ذوی العقول کی طرف اور کبھی غیر ذوی العقول کی طرف۔ پہلی غیر ذوی العقول کی مثال ہے اور دوسری ذوی العقول کی ہے (۲) یہ بتانے کیلئے کہ کبھی تو مفعول مطلق مضاف ہوگا نکرہ کی طرف اور کبھی معرفہ کی طرف پہلی مثال نکرہ کی اور دوسری معرفہ کی ہے۔

فوائد قیود:۔ (۱) مفعول مطلق تشبیہ کیلئے ہو اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں مفعول مطلق تشبیہ کیلئے نہ ہو جیسے لزید صوت صوت حسن (۲) مفعول مطلق افعال جوارح میں سے کسی پر دال ہو اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں مفعول مطلق افعال جوارح میں سے کسی پر دال نہ ہو بلکہ افعال قلوب میں سے ہو جیسے مررت بہ فاذا لہ زھد زھد الصلحاء (۳) بعد جملۃ کہہ کر اس ترکیب کو خارج کر دیا جہاں جملے کے بعد واقع نہ ہو جیسے صوت زید صوت حمار (۴) مشتملۃ علی اسم بمعناہ کہنے سے اس ترکیب سے احتراز ہوگیا جہاں جملہ اسم پر تو مشتمل ہو مگر وہ اسم مفعول مطلق کے ہم معنی نہ ہو جیسے مررت بہ فاذا لہ ضرب صوت حمار اس مثال میں صوت حمار مفعول مطلق ہے اور اس سے پہلے جملہ بھی ہے مگر وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل نہیں جو مفعول مطلق کے ہم معنی ہو، کیونکہ ضرب اور چیز ہے اور صوت اور چیز ہے۔ (۵) صاحبہ اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں جملہ صاحب اسم پر مشتمل نہ ہو۔ جیسے مررت بالبلد فاذا بہ صوت صوت حمار اس مثال میں بہ کا مرجع اگرچہ بلد ہے لیکن وہ صاحب اسم (یعنی صاحب صوت) نہیں۔

سوال:۔ یہاں مفعول مطلق کو کیوں حذف کرتے ہیں؟

جواب:۔ اس کی وہی وجوہات ہیں جو تیسری قسم میں گزر چکی ہیں۔

(۵) منها ما وقع مضمون جملة لا محتمل لها غيره

مفعول مطلق کے فعل ناصب کو وجوبا قیاساً حذف کرنے کی پانچویں جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملے کا خلاصہ ہو کہ اس جملے میں مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو جیسے له علیّ الف درهم اعترافاً اصل میں اعترفت اعترافاًتھا اس ترکیب میں اعترافاً مفعول مطلق ہے اور لہ علی الف درہم جو جملہ ہے اس کا یہ اعترافاً خلاصہ ہے کیونکہ علیّ الف درہم کہنے کا مقصد ہی اپنے اوپر ہزار (۱۰۰۰) درہم کا اعتراف کرنا ہے، اس جملے میں غیر کے معنی کا احتمال بھی نہیں کہ علی الف درہم کا مقصد کچھ اور ہو۔اور اس مفعول مطلق کو تاکید لنفسہ کہتے ہیں کیونکہ جملے کا مدلول اور مفعول مطلق کا مدلول ایک ہے۔

(٦) منها ما وقع مضمون جملة لها محتمل غيره

چھٹا مقام مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً قیاساً حذف کرنے کا یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملے کا خلاصہ ہو کہ اس جملے میں مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ غیر معنی کا بھی احتمال ہو یہ پہلی قسم کی ضد ہے۔جیسے زیدٌ قائم حقًا۔(اصل میں اُحِقُّ حقاً تھا) یہاں مفعول مطلق حقاً ہے جو کہ زید قائم کا خلاصہ ہے اور اس زید قائم میں یہ بھی احتمال تھا کہ ہوسکتا ہے کہ زید کھڑا نہ ہو لیکن حقا کو تاکید لا کر اس احتمال کو دور کر دیا اور اس مفعول مطلق کو تاکید لغیرہ کہتے ہیں، کیونکہ یہ اپنے نفس کی تاکید کرتا ہے اور غیر کا دفاع بھی کرتا ہے۔

سوال:۔ ان دونوں صورتوں میں فعل کو کیوں حذف کرتے ہیں؟

جواب:۔ اس لئے کہ فعل کا قائم مقام مفعول مطلق خود موجود ہے۔

(۷) منها ما وقع مثنی

مفعول مطلق کے فعل کو وجوباً قیاساً حذف کرنے کی ساتویں اور آخری جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ کی صورت میں ہو مگر معنی تثنیہ مراد نہ ہو بلکہ تکرار اور تکثیر کیلئے ہو اور اس کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف کی گئی ہو جیسے: لبیک و سعدیک یہ تثنیہ کی صورت میں تو ہے مگر معنی تثنیہ کے مراد نہیں بلکہ اس کے معنی بار بار کے ہیں اور یہ تثنیہ کی صورت میں اس طرح ہے کہ یہ اصل میں الب لک البابین تھا تو اس سے فعل کو یعنی الب کو حذف کر دیا تو لک البابین رہ گیا البابین جو کہ مصدر ہے اس کے شروع سے ہمزہ کو حذف کر دیا پھر لام کو فتح دیا لک لبابین ہوا پھر لبا کے الف کو حذف کیا اور لک سے لام کو حذف کر دیا اور لببین کی اضافت کاف ضمیر کی طرف کر دی تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا پھر باء کا باء میں ادغام کر دیا تو لبیک ہوا۔ اب یوں دیکھ لو۔ البُّ لک البابین ،لک اِلبابین، لک لَبابین ،لک لَببین، لببیک، لبیک، اسی طرح سعدیک بھی اصل میں اسعدک اسعادین تھا مثل لبیک یہاں بھی تعلیل ہوئی ہے اور یہ سب تخفیف کیلئے ہوا ہے۔ اس کی آسان تعلیل اس طرح بھی کی جا سکتی ہے کہ الب فعل کو حذف کیا پھر البابین جو کہ مزید کا مصدر ہے اس کو مجرد میں لایا پھر لک سے لام حذف کر دیا اور مصدر کی اضافت کاف کی طرف کر دی تو لبیک ہوا۔

اعتراض:۔ ثم ارجع البصر کرّتین، میں کرتین مفعول مطلق ہے اور بصورت تثنیہ ہے معنی تثنیہ مراد نہیں اسکے باوجود اسکے فعل کو حذف نہیں کیا ہے یہ کیوں؟

جواب:۔ اس جیسی صورت میں فعل کو حذف کرنا اس وقت واجب ہے جبکہ مفعول مطلق کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف کی گئی ہو اور یہاں مفعول مطلق کی نہ تو فاعل کی طرف اضافت ہے اور نہ مفعول کی طرف اس وجہ سے فعل کو حذف نہیں کیا گیا۔

سوال:۔ اس صورت میں فعل کو حذف کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ یہاں فعل کو حذف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فعل کا قائم مقام موجود ہوتا ہے یعنی مفعول مطلق اور قرینہ بھی موجود ہے یعنی مفعول مطلق کا منصوب ہونا۔

المفعول به: ما وقع عليه فعل الفاعل

مفعول بہ ہر وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربت زیدًا۔

وقد يتقدم على الفعل

کبھی کبھی مفعول بہ کو اپنے عامل یعنی فعل سے مقدم کرتے ہیں اور یہ جائز ہے جب کوئی مانع نہ ہو کیونکہ فعل عامل قوی ہے چاہے اس کا مفعول مقدم ہو یا مؤخر یہ اس میں عمل کرتا ہے جیسے: زیدًا ضربت اور کبھی مفعول کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب مفعول شرط یا استفہام کے معنی کو متضمن ہو جیسے: من رأيت اور من تكرم يكرمك

وقد يحذف لقيام قرينة جوازًا

کبھی کبھی مفعول بہ کے فعل کو جوازی طور پر حذف کیا جاتا ہے جبکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے زیدًا کہنا اس شخص کے جواب میں جو سوال کرے من اضرب کے ذریعے یعنی میں کس کو ماروں کہے یہاں فعل جو اصل میں اضرب زیدًا تھا کو حذف کر دیا ہے اور حذف کا قرینہ یہ قاعدہ ہے کہ المذكور في السوال كالموعود في الجواب.

ووجوبًا في اربعة مواضع

چار مقامات پر مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

❶ الاول سماعی

ان میں پہلا سماعی ہے۔ سماعی اس کو کہتے ہیں کہ فعل کو کیوں حذف کرتے ہیں اس کے لئے

کوئی قاعدہ نہیں بس عربوں سے یوں سنا گیا ہے جیسے: امرأ و نفسه. وانتهوا خيرًا لكم، اهلًا وسهلًا اصل میں عبارت اترک امرأ و نفسه، انتهوا عن التثليث واقصدوا خيرًا لكم، اتيت اهلاً ووطيت سهلاً تھی۔

❷ الثاني المنادىٰ: هو المطلوب اقباله بحرف نائب مناب ادعو لفظًا او تقديرًا

مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنے کی دوسری جگہ یہ ہے کہ منادی میں فعل کو حذف کرنا واجب ہے اور منادی کی تعریف یوں کی ہے کہ منادی وہ اسم ہے جس کو متوجہ کرنا مقصود ہو ایسے حرف کے ذریعے جو ادعو کے قائم مقام ہو لفظًا او تقديرًا چاہے حرف نداء مذکور ہو جیسے: يازيد اور یا محذوف ہو یعنی تقدیری ہو جیسے يوسف اعرض عن هٰذا۔ اصل میں يا يوسف اعرض عن هٰذا تھا۔

توجہ کی اقسام: توجہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) توجہ حقیقی (۲) توجہ حکمی۔ اگر منادیٰ ذی روح ہو تو اس کو توجہ حقیقی کہتے ہیں جیسے يا زيد اور اگر منادیٰ ذی روح نہ ہو تو اس کو حکمی کہتے ہیں جیسے یا سماء اقلعی وغیرہ توجہ حقیقی کہ پھر دو قسمیں ہیں (۱) توجہ وجہی: جس کے چہرے کو اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو۔ (۲) توجہ قلبی: جس کے دل کو متوجہ کرنا مقصود ہو یعنی جو دیکھ تو رہا ہو لیکن دل سے حاضر نہ ہو جیسے (بعض طلباء سبق میں اس طرح بیٹھتے ہیں کہ خود کلاس میں حاضر ہوتے ہیں لیکن دل حاضر نہیں ہوتا)

منادیٰ کے اعراب: منادیٰ پر چار قسم کے اعراب جاری ہوتے ہیں (۱) رفع (۲) فتح (۳) جر (۴) نصب

۱ يبنىٰ على ما يرفع به ان كان مفردا معرفة

اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الرفع ہوگا چاہے یہ منادیٰ حرف ندا کے دخول سے پہلے

معرفہ ہو یا نہ ہو جیسے: یازید، یارجل، یازیدان، یازیدون۔ ان مثالوں میں پہلی، تیسری اور چوتھی وہ مثالیں ہیں جہاں منادیٰ حرف ندا کے دخول سے پہلے بھی معرفہ تھا اور دوسری مثال اس کی ہے جہاں منادیٰ حرف ندا کے دخول سے پہلے نکرہ تھا اور حرف ندا کے داخل ہونے کے بعد معرفہ بن گیا ہے۔

سوال:۔ بقیہ تینوں صورتوں سے اس صورت کو مقدم کیوں کیا؟

جواب:۔ اس لئے کہ اس کے مواقع دوسروں سے کم ہیں۔

سوال:۔ اس صورت میں منادیٰ مبنی کیوں ہوتا ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ منادیٰ ''کاف'' اسمی کی جگہ پر واقع ہے اور کاف اسمیہ کاف حرفیہ کیساتھ مشابہت رکھتا ہے تو منادیٰ کی کاف اسمیہ کے واسطے سے کاف حرفیہ کیساتھ مشابہت پائی گئی تو چونکہ کاف حرفیہ مبنی الاصل ہے تو اس کیساتھ مشابہت رکھنے والا بھی مبنی ہوگا۔ تو اس وجہ سے یہ منادیٰ مبنی ہوتا ہے جیسے یازید بمنزلہ ادعوک کے ہے اور یہ ادعوک کا کاف اس ''کاف'' کی طرح ہے جو ذلک میں ہے اور چونکہ ذلک کا کاف حرف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے تو جو اس کیساتھ مشابہت رکھے گا وہ بھی مبنی ہوگا۔

سوال:۔ اس منادیٰ کو مبنی علی الرفع کیوں کر دیا سکون یا کوئی اور حرکت کیوں نہیں دی؟

جواب:۔ سکون تو اسلئے نہیں دیا کہ سکون مبنی الاصل کی خاصیت ہے اور یہ منادی مبنی الاصل نہیں بلکہ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہے، مبنی علی الفتح اس لئے نہیں کیا کہ اس صورت میں اس منادی کیساتھ التباس آئیگا جس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی گئی ہو اور پھر اس یاء کو الف سے بدل دیا گیا ہو اور الف سے ماقبل فتح دے کر الف کو گرا دیا گیا ہو جیسے یاغلامَ۔ جو کہ اصل میں یاغلامی تھا اس سے غلاما اور پھر غلامَ کر دیا اور مجرور اس لئے نہیں کیا

کہ اس صورت میں اس منادیٰ کیساتھ التباس آئے گا جس کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی گئی ہو اور پھر وہاں سے یا کو حذف کرنے کے بعد ماقبل میں کسرہ کو باقی رکھا گیا ہو جیسے یا ربِّ اصل میں یا ربیّ تھا۔ توان علتوں کی بنا پر ہم نے اس منادیٰ کو مبنی علی الرفع کردیا۔

② ویخفض بلام الاستغاثة

منادیٰ کی اعراب کے اعتبار سے دوسری قسم یہ ہے کہ منادیٰ مجرور ہوگا جبکہ منادیٰ پر لام استغاثہ داخل ہو جیسے یالَـزیدٍ للمظلوم۔ ایک مستغاث ہوتا ہے اور ایک مستغیث اور ایک مستغاث لہ ان کی تعریفات یوں ہیں۔ مستغیث مدد طلب کرنے والا۔ مستغاث جس سے مدد طلب کی جائے۔ مستغاث لہ جس کے لئے مدد طلب کی جائے۔ اس مذکورہ مثال میں بلانے اور پکارنے والا مستغیث ہے اور زید مستغاث ہے اور مظلوم مستغاث لہ ہے۔

سوال:۔ یہ منادیٰ مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الرفع تھا صرف لام لانے کی وجہ سے اسکو معرب اور مجرور بنادیا یہ کیوں؟

جواب:۔ معرب تو اس وجہ سے کہ پہلے یہ جو مبنی تھا وہ کاف حرفیہ کیساتھ مشابہت کی وجہ سے تھا اور اب وہ مشابہت کمزور ہوگئی کیونکہ اس پر لام جارہ داخل ہوا اور حرف جر اسم پر داخل ہوتا ہے۔ یا بالفاظِ دیگر یہ اسم کی خاصیت ہے تو اس وجہ سے حرف کیساتھ مشابہت کمزور ہوئی اور معرب ہوا، جر اس وجہ سے آیا کہ یہاں زید پر دو عامل ہیں۔ (۱): یا، حرف ندا (۲): لام جارہ، تو "یا" بذاتِ خود عامل نہیں اور زید کے قریب بھی نہیں اس کے برعکس لام جارہ بذاتِ خود عامل بھی ہے اور زید کے قریب بھی ہے اس وجہ سے یہاں حرف جر کو عامل بنایا اور زید کو مجرور کردیا۔

سوال:۔ اگر زید پر داخل شدہ لام لام جارہ ہے تو اسے لام استغاثہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ اسلئے کہ یہ لام مستغاث کی تعیین کے لئے آتا ہے۔

سوال:۔ لام جارہ تو مکسور ہوتا ہے یہ مفتوح کیوں ہے؟

جواب:۔ تاکہ مستغاث لہ کے لام کیساتھ مشابہت نہ آجائے اور اصل میں یہ لام ضمیر پر داخل ہے جیسے لک وغیرہ اور ضمیر پر داخل ہونے والا لام مفتوح ہوتا ہے اس لئے اس لام کو مفتوح اور مستغاث لہ کے لام کو مجرور کردیا تاکہ التباس لازم نہ آجائے۔

③ ويفتح بالحاق الفها ولا لام فيه

اگر منادیٰ کے آخر میں الف داخل ہو اور اسکے شروع میں لام استغاثہ نہ ہو تو اس صورت میں منادیٰ مفتوح ہوگا، یعنی مبنی بر فتحہ ہوگا مبنی اس لئے کہ یہ کاف کی جگہ پر واقع ہے اور مفتوح اس وجہ سے ہوگا کہ الف ماقبل فتحہ چاہتا ہے۔ اور لام کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ لام تقاضا کرتا ہے کہ اس کے آخر میں جر آجائے اور الف تقاضا کرتا ہے کہ اس پر فتحہ آئے تو ان دونوں میں منافات ہے اس وجہ سے یہ شرط لگائی کہ اس پر لام نہ آئے مثال: یازیدا

④ وينصب ما سواهما

اگر منادیٰ مفرد معرفہ بھی نہ ہو اور مستغاث بھی نہ ہو تو اس صورت میں منادیٰ منصوب ہوگا (مستغاث میں لام استغاثہ اور الف استغاثہ دونوں داخل ہیں اس لئے ان دونوں کو ایک شمار کیا اور منادیٰ مفرد معرفہ کو ایک اس وجہ سے ان دونوں کے لئے سواھما میں تثنیہ کی ضمیر لوٹا دی) یعنی اگر منادی مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو اور یا نکرہ غیر معین ہو تو وہ منادیٰ منصوب ہوگا، مضاف کی مثال: یاعبدالله مشابہ مضاف کی مثال: یاطالعاً جبلاً، نکرہ کی مثال: یارجلاً خذ بیدی۔

....

وتوابع المنادیٰ المبنی المفردة من التاکید ..... ترفع علیٰ لفظه وتنصب علی محله

مصنفؒ منادیٰ کے احکام سے فارغ ہوکر اب منادیٰ کے توابع کا حکم بیان فرمارہے ہیں تو فرمایا کہ منادیٰ مبنی کے مفرد توابع کو لفظ پر محمول کر کے مرفوع پڑھنا اور محل پر محمول کر کے انہیں منصوب پڑھنا دونوں جائز ہیں۔ اور وہ توابع یہ ہیں۔ (۱): تاکید (۲): صفت (۳): عطف بیان (۴): اور ایسا معطوف جس پر ''یا'' کا دخول ممتنع ہو یعنی معطوف معرف باللام ہو۔ یہاں منادیٰ مبنی سے مراد وہ منادیٰ ہے جو مبنی علی الرفع ہوتا ہے یعنی مفرد معرفہ ہو اور مفرد سے مراد یہ ہے کہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو اور اضافت سے یہاں اضافت حقیقی مراد ہے کیونکہ اضافت لفظی مفرد کے حکم میں ہوتی ہے۔

امثلہ:۔ تاکید کی مثال جیسے یاتیم اجمعون اجمعین اور صفت کی مثال جیسے یازیدُالعاقلُ العاقلَ ۔عطفِ بیان کی مثال یاغلام بشرٌ بشرًا معطوف بحرف کی مثال یازیدو الحارثُ والحارثَ ۔ان تمام صورتوں میں ان توابع کو ماقبل منادیٰ کے لفظ پر محمول کر کے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ منادیٰ لفظاً مرفوع ہے اور منادیٰ کے محل پر حمل کر کے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ منادیٰ محلاً منصوب ہوتا ہے کیونکہ مثلاً یازید حقیقت میں ادعو زیدًا کے معنی میں ہے۔

والخلیل فی المعطوف یختار الرفع وابو عمرو النصب وابو العباس ان کان کالحسن فکالخلیل والا فکابی عمرو.

یہ بات تو معلوم ہوگئی تھی کہ منادیٰ مبنی کے مفرد توابع کو مرفوع پڑھنا اور منصوب پڑھنا دونوں جائز ہے۔ اور انہی توابع میں سے ایک عطف بحرف (یعنی ایسا معطوف جس پر حرف ندا کا دخول ممتنع ہو) بھی تھا، اس عطف والی صورت میں معطوف کو مرفوع اور منصوب پڑھنے میں

مختار کیا ہے اس کے بارے میں تین مذاہب ہیں (۱): خلیل کا (۲): ابو عمرو کا (۳): ابو العباس مبرد کا۔ تینوں مذاہب ملاحظہ فرمائیں۔

① خلیل کا مذہب اس بارے میں یہ ہے کہ اسکو رفع پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ دلیل:۔ حقیقت میں تابع بھی منادیٰ ہوتا ہے مگر اس پر "یا" یعنی حرف ندا اس لئے داخل نہیں ہوسکتا کہ اس پر پہلے سے الف لام تعریف کا موجود ہے اب اگر ہم یا کو بھی داخل کریں تو دو علامت تعریف کا اجتماع لازم آیگا جو کہ درست نہیں۔

② ابو عمرو کے نزدیک اس کو نصب دینا یعنی منصوب پڑھنا بہتر اور اولیٰ ہے۔ دلیل: یہ بات تو واضح ہوگئی کہ اس پر یا داخل نہیں ہوسکتی تو جب یا کا دخول ممتنع ہونے کی وجہ سے منادیٰ نہیں بن سکتا تو یہاں عطف متعین ہوگیا لہذا اس کو منصوب پڑھیں گے کیونکہ معطوف کو معطوف علیہ کے محل پر حمل کیا جاتا ہے اور یہاں معطوف علیہ منادیٰ ہے جو کہ محلاً منصوب ہے پس اس وجہ سے اس کے توابع کو منصوب پڑھیں گے۔

③ ابو العباس مبرد کہتے ہیں کہ اگر منادیٰ الحسن کی طرح ہو تو خلیل کی طرح رفع پڑھنا اولیٰ ہے ورنہ ابو عمرو کی طرح نصب۔ الحسن سے مراد یہ ہے کہ اس اسم سے الف لام جدا ہوسکتا ہو۔

سوال:۔ وہ کونسا مقام ہے جہاں اسم سے الف لام جدا ہوتا ہے اور کہاں نہیں ہوتا ہے؟

جواب:۔ اگر واضع نے اسم کو وضع کرتے وقت ہی اس اسم پر الف لام داخل کیا ہو تو وہ الف لام اس اسم سے جدا نہیں ہوتا جیسے النجم اور اگر واضع نے وضع کرتے وقت الف لام کو داخل نہ کیا ہو بلکہ بعد میں اس پر الف لام داخل کر دیا گیا ہو تو وہ الف لام اس اسم سے جدا ہوتا ہے جیسے الحسن یہاں واضع نے وضع کرتے وقت صرف حسن کو وضع کیا تھا الف لام

کو بعد میں داخل کر دیا گیا ہے۔

والمضاف تنصب

ابھی تک جن توابع کا بیان تھا وہ منادیٰ مبنی علی الرفع کے مفرد توابع کا بیان تھا تو مصنفؒ اب ان توابع کو ذکر فرما رہے ہیں جو مضاف ہیں تو فرمایا کہ منادیٰ مبنی کے مضاف توابع منصوب ہونگے اور انکو منصوب پڑھا جائے گا (یہاں اضافت سے اضافت حقیقی مراد ہے)۔

سوال:۔ ان توابع کو منصوب کیوں پڑھتے ہیں؟

جواب:۔ اس لئے کہ خود منادیٰ اگر مضاف ہو تو بھی اس کو منصوب پڑھتے ہیں تو توابع اگر مضاف ہوں تو بطریق اولیٰ منصوب پڑھیں گے کیونکہ منادیٰ پر تو حرف ندا بھی داخل ہے اور یہاں حرف ندا بھی داخل نہیں ہے۔

اور منادیٰ مفرد کے مضاف توابع ذیل ہیں۔

(۱): تاکید مثلاً یاتیم کلهم (۲): صفت مثلاً یازید ذاالمال (۳): عطف بیان مثلاً یارجل ابا عبدالله معطوف معرف باللام ان توابع میں داخل نہیں کیونکہ جب معطوف معرف باللام ہوگا تو وہ مضاف نہیں ہوگا جبکہ یہاں تو مضاف کا بیان ہو رہا ہے۔

والبدل والمعطوف غیر ما ذکر حکمه حکم المستقل مطلقًا

اگر منادیٰ مبنی کے توابع میں بدل آجائے یا ایسا معطوف آئے جس پر ''یا'' کا دخول ممتنع نہ ہو تو اس بدل اور معطوف کا حکم منادیٰ مستقل کی طرح ہوگا یعنی اگر مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الرفع اور مضاف ہو تو منصوب وغیرہ۔

مطلقًا۔ مطلقًا کا مطلب یہ ہے کہ چاہے یہ بدل اور معطوف مضاف ہوں یا مشابہ مضاف یا نکرہ وغیرہ ان تمام صورتوں میں منادیٰ مستقل کا حکم ہوگا۔ امثلہ: بدل کی مثالیں۔ ۱: بدل مفرد ہو جیسے یازید عمرو ۲: بدل مضاف ہو جیسے یا زید اخا عمرو ۳: بدل مشابہ

مضاف ہو جیسے یازید طالعًا جبلًا ۴: بدل نکرہ غیر معین ہو جیسے یازید رجلاً صالحًا

معطوف کی مثالیں: ا۔ معطوف مفرد ہو جیسے یازید و عمرو ۲۔ معطوف مضاف ہو جیسے یازید و اخاعمرو، ۳۔ معطوف مشابہ مضاف ہو جیسے یازید و طالعًا جبلًا، ۴۔ معطوف نکرہ غیر معین ہو جیسے یازید و رجلًا صالحًا.

سوال:۔ اس صورت میں بدل اور معطوف کا حکم منادیٰ مستقل کا کیوں ہوتا ہے؟

جواب:۔ بدل تو اس لئے کہ بدل مقصود بالذکر ہوتا ہے یعنی بدل اور مبدل منہ میں سے مقصود بدل ہوتا ہے تو ندا میں بھی مقصود بدل ہوتا ہے جب اصل مقصود ہمارا بدل ہوا تو اسی پر منادیٰ کے احکام جاری ہوں گے مثلاً اگر ہم یوں کہیں کہ یازید عمرو تو یہاں ندا سے مقصود عمرو ہوتا ہے نہ کہ زید جب ندا سے مقصود عمرو ہی ہے تو اسی کو منادیٰ قرار دے کر اس پر منادیٰ کے احکام جاری کر دیئے اور معطوف کا حکم منادیٰ مستقل کا اس وجہ سے کر دیا کہ ندا سے مقصود جس طرح معطوف علیہ ہوتا ہے اس طرح معطوف بھی ہوتا ہے اور کیونکہ معطوف پر الف لام نہیں اس وجہ سے اس پر ''یا'' یعنی حرفِ ندا بھی داخل ہوسکتا ہے تو ہم حرفِ عطف کو یا کے قائم مقام کر دیں گے جیسے یازید و عمرو کہنا ایسا ہے جیسے یازید، یاعمرو کہنا۔

والعلم الموصوف بابن وابنة مضافا الى علم اٰخر يختار فتحه

ماقبل میں یہ بات آئی تھی کہ اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو مبنی علی الرفع ہوگا تو بطورِ استثناء کے مصنفؒ نے اس عبارت کو ذکر کیا کہ اگر منادیٰ مفرد معرفہ علم ہو اور اس کی صفت ابن یا ابنة آئی ہو اور اس ابن یا ابنة کی اضافت علمِ اٰخر کی طرف کی گئی ہو تو علم اول کو یعنی اس منادیٰ کو مرفوع پڑھنا تو جائز ہے مگر فتحہ پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ کلامِ عرب میں اس جیسے منادیٰ کا استعمال بہت کثرت سے ہوتا ہے اس لئے اس کو فتحہ دیا جاتا ہے کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے تاکہ کلام میں ثقل نہ آئے جیسے: یازید بن عمرو۔ یہاں زید پر ضمہ پڑھنا جائز اور فتحہ

اولیٰ ہے۔زید بن عمرو میں زید موصوف ہے ابن مضاف، عمرو مضاف الیہ۔

واذانودی المعرف باللام قیل یاایھاالرجل

جب معرف باللام کو منادیٰ بنانا چاہو تو اس صورت میں حرف ندا اور منادیٰ کے درمیان ایسا اسم مبہم لے آؤ جو ظاہر میں منادیٰ معلوم ہوتا ہو اور معرف باللام اس کی صفت واقع ہو لیکن حقیقت میں منادیٰ وہی معرف باللام ہو، اور یہ اس لئے کہ الف لام بھی تعریف کے لئے آتا ہے اور حرف ندا بھی تعریف کے لئے اب اگر معرف باللام کو منادیٰ بنائیں تو دو علامت تعریف کا ایک اسم میں جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے اور وہ اسم مبہم کبھی تو ایھا لاتے ہیں جیسے یاایھاالرجل اور کبھی صرف ھٰذا لاتے ہیں جیسے یاھٰذاالرجل اور کبھی ای اور ھٰذا دونوں لاتے ہیں جیسے یاای ھٰذاالرجل۔

والتزموا رفع الرجل لانه مقصود بالنداء

یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ

اشکال :۔ آپ نے منادیٰ مفرد معرفہ کی صفت میں رفع ، نصب دونوں کو جائز قرار دیا تھا جیسے یازیدنِ العاقلُ العاقلَ میں لیکن یاایھاالرجل میں صرف رفع پڑھتے ہیں نصب کو جائز قرار نہیں دیتے، یہ کیوں؟

جواب:۔ منادیٰ مفرد معرفہ ایھا یا ھٰذا یا ای ھٰذا ہو اور اس کی صفت معرف بلام ہو تو اس صورت میں نحاۃ نے اس صفت پر رفع کو لازم قرار دیا ہے، اور یہ اس لئے کہ یہاں ندا سے اصل مقصد الرجل ہی ہے نہ کہ ایھا وغیرہ برخلاف یا زیدنِ العاقلُ العاقلَ کے کیوں کہ وہاں مقصود بالندیٰ زید موصوف ہوتا ہے۔

وتوابعه لانها توابع معرب

ماقبل میں یہ ذکر کیا تھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ کے مفرد توابع کو مرفوع اور منصوب دونوں پڑھ

سکتے ہیں لیکن اب مصنفؒ فرمارہے ہیں کہ اگر منادیٰ معرف باللام ہوتو جس طرح اس کومرفوع پڑھنا لازم ہے اسی طرح اس کے توابع کو بھی مرفوع پڑھنا لازم ہے۔ چاہے وہ توابع مفرد ہوں یا مضاف وغیرہ ہوں، کیونکہ جو احکام پہلے گزرے ہیں وہ منادیٰ مبنی کے توابع کے تھے اور یہ حکم منادیٰ معرب کے توابع کا ہے یاایھا الرجل میں الرجل معرب ہے منی نہیں۔ مفرد کی مثال جیسے: یاایھا الرجلُ الکریمُ۔ مضاف کی مثال جیسے: یاایھاالرجلُ صاحبُ الفرس.

وقالو ایاالله خاصة

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ جب معرف باللام کو منادیٰ بنایا جائے تو وہاں حرفِ ندا اور منادیٰ میں اسم مبہم کا فاصلہ لانا ضروری ہے لیکن یا اللہ میں ایسا کیوں نہیں کیا؟

جواب (۱):۔ اللہ کی ذات، ذاتِ مشہور ہے اور ذات مشہور میں اسم مبہم کالانا ناقدری ہے اس لئے اسم مبہم کو نہیں لایا۔

(۲):۔ اگر اسم پر الف لام کسی کے عوض میں آیا ہو اور پھر الف لام اس اسم کے ساتھ لازم ہو گیا ہو تو اب اس معرف باللام کو منادیٰ بناتے وقت اسم مبہم نہیں لاتے کیونکہ الف لام شدتِ اتصال کی وجہ سے ایسے ہوتا ہے جیسے کلمہ کا جزء ہے اور معرف باللام ہے ہی نہیں اور اس الف لام کو الف لام لازم عوضی کہتے ہیں اور اگر الف لام صرف عوضی ہو یا صرف لازمی ہو تو وہاں حرفِ ندا اور منادیٰ کے درمیان اسم مبہم کالانا لازمی ہوگا۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر منادیٰ کا الف لام صرف لازمی ہو یا صرف عوضی ہو تو وہاں اسم مبہم کا فصل لازمی ہے لیکن ہم آپ کو ایسی ترکیب بتادیتے ہیں جہاں الف لام

صرف لازمی یا صرف عوضی ہے اس کے باوجود اسم مبہم کا فصل نہیں مثلاً فیا الغلامان میں الف لام نہ لازمی ہے اور نہ عوضی ہے۔ اس کے باوجود اسم مبہم کا فصل نہیں۔

جواب:۔ یہ اشذ الشاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں۔

ولك في مثل ياتيمَ تيمَ عدی الضم والنصب

یہاں مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں منادیٰ مفرد معرفہ صورۃً مکرر واقع ہو اور اس کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو تو اس منادیٰ (یعنی پہلے والے) میں ضمہ اور نصب دونوں پڑھنا جائز ہے، ضمہ پڑھنے کی صورت میں منادیٰ مفرد معرفہ مبنی علی الرفع ہوتا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن نصب پڑھنے کی صورت میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف اس بات پر نہیں ہے کہ نصب پڑھنا جائز ہے یا نہیں بلکہ علت میں اختلاف ہے کہ یہ منصوب کیوں ہوگا تو اس میں دو مذہب ہیں (۱) سیبویہ کا (۲) مبرد کا

(۱) سیبویہ:۔ سیبویہ فرماتے ہیں تیمِ اول عدی مذکور کی طرف مضاف ہے اور تیمِ ثانی تاکید ہے۔ تو اس صورت میں سیبویہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ پھر تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل آ گیا جو کہ جائز نہیں تو سیبویہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل ایسی چیز کا ممنوع ہے جو کہ غیر ہو یہاں جو فصل ہے وہ مضاف کی جنس میں سے ہے اور اس کی تاکید ہے اس لئے فصل کی قباحت لازم نہیں آتی۔

(۲) مبرد:۔ امام مبرد فرماتے ہیں کہ تیمِ اول عدی محذوف کی طرف مضاف ہے اور تیمِ ثانی عدی مذکور کی طرف مضاف ہے، تو گویا عبارت اصل میں یہ ہے یاتیم عدی یاتیم عدی بہر حال منصوب پڑھنا دونوں کے نزدیک جائز ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سیبویہ کے نزدیک تیمِ اول عدی مذکور کی طرف مضاف ہے اور مبرد کے نزدیک عدی محذوف کی طرف مضاف ہے پورا شعر یوں ہے۔

یاتیمَ تیمَ عدی لاابالکم لایُلقِینّکم فی سوء ۃ عمرو

یہ ابنِ جریر کا شعر ہے جب شاعر عمرو تیمی نے ابنِ جریر کی ہجو اور بے عزتی کا ارادہ کیا تو ابنِ جریر نے پورے قبیلے کو ہدف بنا کر کہا یا تیم الخ جس کا ترجمہ یہ ہے ''اے قبیلہ تیم عدی تمہارا باپ نہیں کہیں عمرو تمہیں برائی میں نہ ڈالے'' یہاں لا اباً لکم سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارا باپ نہیں حرامی تم ویسے بھی ہو اور بھی بے عزتی کراؤ گے اور یہ بھی کہ تم بڑے لوگ ہو تمہارا کوئی باپ نہیں خواہ مخواہ بے عزتی کراؤ گے یعنی بڑائی بیان کرنا مقصود ہو۔

والمضاف الیٰ یاء المتکلم یجوز فیه یاغلامی

اگر منادیٰ کی اضافت یاءِ متکلم کی طرف کی جائے تو اس صورت میں چار صورتیں جائز ہیں۔ (۱) یاء کو فتحہ دینا جیسے یاغلامیَ۔ (۲) یاء کو ساکن پڑھنا جیسے یاغلامیْ (۳) یاء کو حذف کر کے ماقبل کو کسرہ دینا جیسے یـــاغـــلامِ (۴) یاء کو الف سے بدل کر ماقبل کو فتحہ دینا مثلاً یاغلاماَ۔

وبالهاء وقفاً

اور وقف کی صورت میں ''ھا'' بھی آخر میں لگاتے ہیں تا کہ وقف اور وصل میں فرق ہوجائے جیسے یا غلامِیَه ویاغلامِیْه ویاغلامه و یاغلامَاه .

وقالوا یاابی ویاامی

اب اور ام کی اضافت جب یائے متکلم کی طرف کی جائے تو غلامی والی چار صورتیں بھی جائز ہیں اور ان کے علاوہ دو صورتیں اور بھی جائز ہیں وہ یہ کہ (۱) یائے متکلم کو تاء سے تبدیل کریں پھر اس تاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں پڑھنا جائز ہے جیسے یـــا ابـــتِ اور یـــا امـــتِ اور (۲) اس تاء کے بعد الف کو زیادہ کر کے ابتَا اور امتَا بھی پڑھنا جائز ہے۔ اس صوررت میں تاء اور الف دونوں یاء کے عوض میں ہوں گے اور یہ درست ہے لیکن آخر میں تاء کے

ساتھ یا کو زیادہ کر کے یــا ابتی اور یــا امتی کہنا جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں عوض اور معوض کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

یا ابن ام ویا ابن عم خاصة مثل باب غلامی

ابن کی اضافت جب ام یا عم کی طرف کی جائے تو اس میں غلامی کی طرح چار صورتیں جائز ہیں اور اس میں ایک پانچویں صورت بھی جائز ہے اور وہ یہ کہ ام اور عم سے یاء کو حذف کر کے ان کو مفتوح پڑھنا جیسے یــا ابن امَ اور یــا ابن عمَ اور اگر ابن کی اضافت ام اور عم کے علاوہ کی طرف ہو تو اس میں یہ صورتیں جائز نہیں۔

وترخیم المنادیٰ جائز وفی غیرہ ضرورۃ

سوال:۔ مصنف نے ترخیم کی تعریف سے پہلے اس کا حکم بیان کیا۔ یہ کیوں؟

جواب:۔ ہمارا مقصود حکم تھا نہ کہ تعریف اس لئے حکم کو تعریف پر مقدم کیا۔ ترخیم منادیٰ میں بغیر ضرورت کے بھی اور باقی میں ضرورۃً جائز ہے۔

فوائدِ قیود:۔ وھو حذف فی آخرہ جنس ہے اس میں سب داخل ہیں جو قاعدہ کے تحت حذف ہوں یا بغیر قاعدہ کے، لیکن جب تــخفیفاً کہا تو وہ تمام صورتیں یا اسماء خارج ہو گئے جن کے آخر سے تخفیف کے لئے نہیں بلکہ کسی قاعدہ کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے۔

وشرطہ ان لایکون مضافاً

ترخیم کے لئے چار شرطیں ہیں ان میں سے تین عدمی اور ایک وجودی ہے۔ عدمی شرطیں: (۱) مضاف نہ ہو۔ (۲) مستغاث نہ ہو۔ (۳) جملہ نہ ہو (۴) وجودی شرط۔ علم یا تائے تانیث میں سے کوئی ایک ہو۔

(۱) مضاف نہ ہو: مضاف کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر مضاف ہو تو اس سے حذف کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف سے حذف کیا جائے گا یا مضاف الیہ سے اور یہ

دونوں درست نہیں کیونکہ مضاف سے حذف کرنا تو اس لئے درست نہیں کہ معنیٰ اجازت نہیں دیتا کیونکہ معنی کے اعتبار سے مضاف اور مضاف الیہ کلمہ واحدہ کے حکم میں ہیں اور ترخیم کے لئے کلمہ کے درمیان سے حذف نہیں کیا جاتا، اور مضاف الیہ سے اس لئے حذف نہیں کرتے کہ لفظ اجازت نہیں دیتا کیونکہ اصل میں منادیٰ مضاف ہی ہوتا ہے مضاف الیہ نہیں اور ترخیم منادیٰ میں کی جاتی ہے جیسے یا غلام زید۔

(۲) مستغاث نہ ہو: مستغاث کی دونوں قسمیں مستغاث باللام اور بالالف دونوں نہ ہوں۔ مستغاث بالالف کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ الف کو مدِّ صوت کے لئے لایا جاتا ہے اور اب اگر ترخیم کریں گے تو ہمارا مقصد فوت ہو جائے گا اور مستغاث باللام کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اس پر ندا کا اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے (اور ندا کا اثر یہ ہے کہ منادیٰ پر نصب اور رفع وغیرہ آئے) اور ترخیم منادیٰ کی خصوصیات میں سے ہے تو جب اس پر ندا کا اثر یعنی منادیٰ ہونے کی علامت ظاہر نہیں ہوگی تو اس میں ترخیم بھی نہیں ہوگی۔

(۳) جملہ نہ ہو: جملہ نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منادیٰ ایسا علم نہ ہو جو جملے کا منقول ہو یعنی کسی جملے کو لا کر کسی کا نام رکھ دیا جائے جیسے تابط شرًا یہ جملہ تھا بعد میں کسی کا نام رکھ دیا گیا۔ یہاں جملے سے حذف کرنا اس لئے جائز نہیں کہ اس سے مقصود فوت ہو جاتا ہے یعنی جس قصّہ پر یہ جملہ دلالت کرتا ہے اس پر دلالت نہیں کر سکے گا۔ یہ تینوں شرطیں عدمی تھیں اور ایک شرط وجودی ہے اور وہ یہ کہ علم ہو اور یا آخر میں تائے تانیث ہو۔

(۴) علم ہو: علم ہو اور زائد علی الثلاثہ ہو، علم کے ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ ناموں میں عام طور پر اشتباہ نہیں ہوتا اور وہ سمجھے جاتے ہیں اور زائد علی الثلاثہ کی قید اس لئے لگائی تا کہ معرب کے حروف میں کمی نہ آئے کیونکہ معرب کے کم از کم تین حروف ہوتے ہیں تو ترخیم کے بعد یعنی حذف کرنے کے بعد بھی تین حروف باقی رہیں گے۔

تاء التانیث:۔ اگر علم یا زائد علی الثلاثہ نہ ہو تو تاءِ تانیث ہونے کی صورت میں بھی حذف کیا جائے گا یعنی اگر اس کے آخر میں تاءِ تانیث ہو تو وہاں علم ہونے اور زائد علی الثلاثہ ہونے کی شرط نہیں اور یہ اس لئے کہ تاءِ تانیث محلِ زوال میں ہوتی ہے اور اس کو وضع ہی اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ حذف ہو جائے یعنی جو ہم نے پہلے شرط لگائی تھی زائد علی الثلاثہ ہونے کی وہ اس وجہ سے تھی تاکہ معرب تین حرفوں سے کم پر باقی نہ رہے لیکن یہاں پر شرط پہلے سے ہی مفقود ہے کیونکہ تاء الگ کلمہ ہے۔

فان کان فی آخرہ زیادتان فی حکم الواحد۔۔۔حذفتا

اب مصنفؒ یہ تفصیل بتا رہے ہیں کہ کس مقام پر کتنے حروف حذف کیے جائیں گے تو تین مقامات پر دو حرف اکٹھے حذف ہوں گے (۱) اسم کے آخر میں دو حرف ایسے ہوں جن کو ایک ساتھ زیادہ کیا گیا ہو جیسے اسماء بروزنِ فعلاء یہ اسم کی جمع ہے باقی دونوں حروف کو ایک ساتھ زیادہ کیا ہے۔(۲) اسم کے آخر میں ایسے دو حروف ہوں جو ایک کلمہ کے حکم میں ہوں جیسے الف ونون زائدتان مروان تو یہاں دو حروف اس لئے حذف کیے جائیں گے کہ جب ان کو اسم کے آخر میں زیادہ کیا تھا تو ایک ساتھ کیا تھا تو اب جب حذف کریں گے تو بھی ایک ساتھ حذف کریں گے اور (۳) اگر اسم کے آخر میں حرفِ صحیح ہو اور اس کے ماقبل حرفِ علت ہو تو وہاں بھی دو حرف حذف کریں گے لیکن شرط یہ ہے کہ زائد علی الاربعہ ہو جیسے منصور، عمّار، ادریس۔ یہاں سے دو حرف اس لئے حذف کریں گے کہ جب ہم آخر سے حرفِ صحیح کو حذف کریں تو حرفِ علت کو ضرور ہی حذف کرنا پڑے گا ورنہ اس مقولہ کے مصداق ہوں گے صلتَ علی الاسد وبلتَ علی النقد (یعنی تو نے شیر پر تو حملہ کیا اور بکری کے خوف سے پیشاب نکل گیا) کیونکہ حرف صحیح جو کہ عموماً حذف نہیں ہوتا اس کو حذف کر کے حرف علت جو کہ عموماً حذف ہوتا ہے اس کو چھوڑنا

درست نہیں۔

وان كان مركبا حذف الاسم الاخير

اگر منادیٰ دو اسموں سے مرکب ہو یعنی مرکب منع صرف ہو تو وہاں اسم آخر کو حذف کریں گے، کیونکہ یہ اسم آخر تاءِ تانیث کی طرح الگ کلمہ ہوتا ہے جیسے بعلبک سے یابعلُ کہیں گے۔

فان كان غير ذٰلك فحرفٌ واحدٌ

اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی نہ ہو تو وہاں صرف ایک حرف کو حذف کریں گے اور یہ اس لئے کہ جب ایک حرف سے ہمارا مقصود یعنی تخفیف پورا ہوتا ہے تو دوسرے کی ضرورت نہیں جیسے یاحارث سے یاحار۔

وهو فى حكم الثابت على الاكثر

منادیٰ میں تخفیف کے بعد آخری حرف پر حرکت کیا پڑھیں۔ تو نحاۃ اکثر و بیشتر اس کو ثابت کے حکم میں کر دیتے ہیں یعنی جب پورا اسم تھا اس وقت اس حرف پر جو حرکت تھی اب بھی وہی حرکت پڑھیں گے مثال کے طور پر یاحَارِث کے راء پر اب کسرہ ہے تو ''ثاء'' کو حذف کرنے کے بعد بھی یاحارِ راء پر کسرہ ہی پڑھیں گے اور یاثمودُ سے یاثموُ، یاکروان سے یاکروَ پڑھتے ہیں۔

وقد يجعل اسماً براسه

کبھی اس محذوف شدہ منادیٰ کو اسم براسہ سمجھتے ہیں یعنی اسی کو منادیٰ تصور کیا جاتا ہے اور اس کو مستقل منادیٰ تصور کر کے منادیٰ کے اعراب جاری کرتے ہیں اور قاعدہ وغیرہ بھی جاری کرتے ہیں جیسے یاحارث سے یاحارُ اور یاثمود سے یاثمی اور یاکروان سے یاکرا پڑھتے ہیں۔ پہلی صورت میں یعنی حار کو مرفوع کر دیا اس لئے کہ یہ منادیٰ مفرد

معرفہ ہے اور وہ مرفوع ہوتا ہے اور ثـمـود سے ثـمـی اس طرح بنا کہ جب دال کو حذف کیا تو واؤ طرف میں واقع ہو گیا اور واؤ طرف میں ضمہ کے بعد تھا اس لئے یاء سے تبدیل کیا اور یاء کی مناسبت سے ماقبل کسرہ لگایا اور کـروان سے کـرا اس طرح بنا کہ جب الف اور نون حذف ہوئے تو کَرَو رہ گیا تو واؤ متحرک ماقبل مفتوح واؤ کو الف سے بدل دیا تو کرا بن گیا۔

وقد استعملوا صيغة النداء في المندوب

حروفِ ندا میں سے ''یا'' ندا اور مندوب دونوں کے لئے آتا ہے

واختص بواو ۔ مندوب کو واؤ کے ساتھ خاص کر دیا ہے یعنی واؤ کو مندوب کے لئے خاص کر دیا اس طرح کہ واؤ صرف مندوب میں استعمال ہوگا ندا میں نہیں۔

اعتراض:۔ آپ نے ابھی کہا تھا کہ ''یا'' جس طرح ندا کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح مندوب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اب کہتے ہیں کہ واؤ کو مندوب کے ساتھ خاص کیا ہے یہ کیوں؟

جواب:۔ یہاں اختصاص بمعنی ممتاز کے ہے یعنی واؤ صرف مندوب کے لئے استعمال ہوتا ہے جس طرح دوسرے حروفِ ندا صرف ندا کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ معنی نہیں کہ مندوب کے لئے صرف واؤ استعمال ہوتا ہے۔

ولك زيادة الالف في آخره ،فان خفت اللبس قلت واغلامكيه واغلامكموه

مندوب کے آخر میں الف بھی بڑھا سکتے ہیں کیونکہ وہاں صرف مدِّ صوت مقصود ہوتا ہے چاہے مندوب مذکر ہو یا مؤنث، واحد ہو یا جمع جیسے **واغلامکَ، غلامکِ، غلامکم** سے **واغلامکا** اور **واغلامکما** اور اگر التباس کا خوف ہو تو آخری حرکت کے اعتبار سے

اس کے بعد حرفِ علت لائیں گے جیسے غلامکَ اور غلامکِ کے آخر میں الف لگانے سے دونوں غلامکا ہوں گے اسی طرح غلامکم یعنی جمع کے آخر میں الف لگانے سے غلامکما بن جائے گا، پہلی صورت میں مذکر اور مؤنث میں اور دوسری صورت میں تثنیہ اور جمع میں التباس لازم آرہا ہے لہٰذا اس سے بچنے کے لئے آخری حرکت کا اعتبار کر کے حرف علت لائیں گے لہٰذا غلامکَ سے غلامکا، غلامکِ سے غلامکی اور غلامکم سے غلامکمو کہیں گے اور وقف کی حالت میں آخر میں ھا کا اضافہ کر کے یوں پڑھیں گے واغلامکاہ، واغلامکیہ، واغلامکموہ۔

ولاینُدب الاالمعروف

مندوب یعنی ندبہ معروف شخص پر ہوتا ہے مجہول پر نہیں۔

وامتنع وازید الطویلاہ

یہ ایک قاعدہ کی طرف اشارہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر مندوب موصوف ہو تو اسکی صفت کے آخر میں الف نہیں بڑھا سکتے بلکہ موصوف کے آخر میں الف لائیں گے ہاں اگر مندوب مضاف ہو تو وہاں مضاف الیہ کے آخر میں الف کا زیادہ کرنا جائز ہے اور یہ اس وجہ سے کہ صفت موصوف کی جز نہیں ہوتی بلکہ موصوف کی وضاحت یا تخصیص کیلئے آتی ہے برخلاف مضاف الیہ کے کہ مضاف الیہ مضاف کے لئے جزء ہوتا ہے اور مضاف الیہ مضاف کے معنی کو مکمل کرنے کے لئے آتا ہے، اور مضاف الیہ مع مضاف کے کلمہ واحدہ کے حکم میں ہوتا ہے اب اگر آپ مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھا دیں تو یہ ایسا ہے گویا آپ نے اصل مندوب کے آخر میں الف بڑھا دیا لہٰذا مضاف الیہ کے آخر میں الف بڑھانا جائز ہے۔

جیسے یاامیر المؤمنیناہ۔

خلافاًلیونس

یونس ایک نحوی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ مندوب کی صفت کے آخر میں بھی الف کی زیادتی جائز ہے دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مضاف الیہ جو کہ مضاف کا غیر ہوتا ہے جب اس میں الف کی زیادتی جائز ہے تو صفت جو کہ موصوف کی عین ہوتی ہے وہاں تو بطریقِ اولیٰ جائز ہونی چاہیئے جیسے ایک اعرابی کے دو پیالے گم ہو گئے تھے تو اس نے کہا تھا وا جـــمـجـمـتـی الشامیتاہ (ہائے میرے دو شامی پیالے) تو یہاں صفت کے آخر میں الف بڑھایا ہے۔

جمہور نحاۃ جواب دیتے ہیں کہ آپ کا قیاس درست نہیں ہے کیونکہ مضاف مضاف الیہ کلمہ واحدہ کے حکم میں ہوتے ہیں اور موصوف صفت کلمہ واحدہ کے حکم میں نہیں ہوتے کیونکہ صفت موصوف کی توضیح کے لئے آتی ہے باقی رہا اعرابی کا قول تو وہ فصیح نہیں اور شاذ ہے۔

ویجوز حذف حرف النداء الامع اسم الجنس الخ

چار مقامات پر حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ (یہاں حرفِ ندا سے مراد صرف یا ہے)

۱۔ منادیٰ اسم جنس ہو۔ ۲۔ اسم اشارہ ہو۔ ۳۔ مستغاث ہو۔ ۴۔ مندوب ہو۔ حرفِ ندا کے حذف کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ مذکورہ چار قسموں میں سے کوئی نہ ہو ورنہ حرفِ ندا کو حذف کرنا جائز نہیں۔ مذکورہ چاروں کے نہ ہونے کی شرط کیوں لگائی اس کی تفصیل ذیل ہے۔

(۱) منادیٰ اسم جنس نہ ہو۔ اسم جنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منادیٰ حرفِ ندا کے دخول سے پہلے نکرہ ہو چاہے حرفِ ندا کے دخول کے بعد معرفہ بنا ہو یا نہیں تو یہاں سے اس لئے حرفِ ندا کو حذف نہیں کریں گے کیونکہ اسمیں ابہام ہوتا ہے اور ذہن اس طرف نہیں جائے گا کہ یہ منادیٰ تھا یا نہیں مثلاً یا رجل سے یا کو حذف نہیں کریں گے۔

(۲) منادیٰ اسمِ اشارہ نہ ہو اور یہ اس لئے کہ اسمیں بھی ابہام ہوتا ہے اور التباس ہوگا کہ آیا

یہ منادیٰ ہے یا نہیں مثلاً یاھٰذا سے یا کو حذف نہیں کیا جائے گا۔

(۳۔۴) مستغاث اور مندوب اس لئے نہ ہو کہ وہاں تو آواز کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے اور حذف اس کے منافی ہے یعنی حذف کرنے سے آواز کم ہوتی ہے۔

وہ مقام جہاں حرفِ ندا کو حذف کرنا جائز ہے۔

(۱) منادیٰ علم ہو چاہے حرفِ ندا کے عوض میں کچھ لایا جائے یا نہیں جیسے حرفِ ندا کے عوض میں لانے کی مثال یااللّٰہ سے اللّٰھم۔ اور بدلے میں کچھ نہ لانے کی مثال جیسے یوسف اعرض عن ھٰذا۔ اصل میں یا یوسف تھا۔

اعتراض:۔ یوسف کو منادیٰ بنانے کی کیا ضرورت تھی اس کو مبتدا بناؤ اور باقی کو خبر۔

جواب:۔ اگر ہم یوسف کو مبتدا بنائیں تو بن جائے گا لیکن باقی جملہ خبر نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ انشاء ہے اور انشاء خبر نہیں بنتا۔

(۲) منادیٰ لفظِ ایّ ہو اور اس کی صفت معرف باللام ہو اور یا اس کی صفت موصوف ہو معرف باللام کے ساتھ جیسے ایُّھا الرجل وایُّھٰذا الرجل۔ یہاں پہلی مثال میں ای منادیٰ موصوف ہے اور اس کی صفت الرجل معرف باللام ہے اور دوسری مثال میں ایّ موصوف ہے اور اس کی صفت ھٰذا ہے اور ھٰذا خود موصوف بھی ہے اور اس کی صفت معرف باللام ہے۔ یہ دونوں مثالیں اصل میں یاایھا الرجل اور یاایھذا الرجل تھیں۔ یہاں حرفِ ندا حذف ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ ایھا کو لایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ یہ منادیٰ اور حرفِ ندا میں فصل کرے۔

(۳) مضاف ہو معرفہ کی طرف جیسے غلامَ زید اِفْعَلْ کذا.

(۴) موصولات سے بھی حذف جائز ہے جیسے من لایزال محسنا اَحْسِنْ الیَّ۔ ان دونوں مثالوں میں حذف پر قرینہ امر کا صیغہ ہے۔ پہلی مثال میں اِفْعَلْ اور دوسری میں اَحْسِنْ۔

وشذ اصبح لیل

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر منادیٰ اسم جنس ہو تو وہاں حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز نہیں لیکن ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ جہاں منادیٰ کے اسم جنس ہونے کے باوجود حرفِ ندا کو حذف کیا گیا ہے جیسے اصبح لیل ، افتد مخنوق ،اطرق کرا ۔یہ سب اصل میں اصبح یالیل ،افتد یامخنوق اور اطرق یا کرا تھے۔

جواب:۔ یہ سب شاذ ہیں۔

فائدہ:۔ کہا جاتا ہے سلیک بن سلکہ چت لیٹا ہوا سو رہا تھا کہ ایک چور نے آکر اس کا گلا گھونٹ کر کہا کہ افتد مخنوق (اے گلا گھونٹے ہوئے شخص تو فدیہ دے) تاکہ میں تجھے چھوڑ دوں ۔مخنوق اسم مفعول کا صیغہ ہے اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کا گلا گھونٹا گیا ہو، یہ اسم جنس ہے مگر اس کے باوجود اس سے حرفِ ندا کو حذف کیا گیا ہے۔

اصبح لیل : امرأ القیس عجم کے فضلاء میں سے ایک عظیم فاضل اور شاعر تھا کہا جاتا ہے کہ جب یہ عرب گیا تو اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اس کا عربی ہونا مشتبہ ہو گیا اور بعد میں اس کی ایک عرب لڑکی کے ساتھ شادی ہو گئی تو پہلی رات کو اپنی شریکِ حیات سے چراغ بجھانے کے لئے لفظ اطفی السراج کے بجائے اقتلی السراج کہہ دیا تو اس کی بیوی چونکہ عرب تھی تو سنتے ہی کہنے لگی واللہ ھذا عجمی لیس بعربی اور تمام رات روتی رہی اور کہہ رہی تھی اصبح لیل یعنی اے رات جلدی صبح ہو جا، تاکہ میں اس سے چھٹکارا حاصل کروں ۔لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ اتنے بڑے شاعر سے ایسی غلطی ہو بلکہ اس کی بیوی اس کی بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے علیحدگی چاہتی تھی اس وجہ سے اس کی بیوی نے یہ بہانہ بنایا۔

اطرق کرا: یہ اصل میں ایک منتر ہے جب کروان پرندہ (جسے کلنگ کہتے ہیں) کو پکڑنا ہوتو یوں کہتے ہیں **اطرق کرا اطرق کرا ان النعامة فی القریٰ** ترجمہ: اے کروان تو اپنے سر کو جھکالے تحقیق شترمرغ (جو تجھ سے بڑا ہے شکار کرلیا گیا ہے اور) گاؤں میں پہنچادیا گیا ہے تو تو کب چھوٹ سکتا ہے۔

وقد یحذف المنادیٰ لقیام قرینة جوازا مثل الایااسجدوا

کبھی کبھی منادیٰ کو بھی حذف کیا جاتا ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسے **الایااسجدوا**۔ اصل میں **یاقوم اسجدوا** ہے اور یہاں قرینہ یہ ہے کہ حرفِ ندا فعل پر داخل ہے حالانکہ حرفِ ندا اسم پر داخل ہوتا ہے۔

(۳) الثالث مااضمر عاملهٗ علی شریطة التفسیر

مفعول بہ کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کی تیسری صورت مصنفؒ ذکر فرمارہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ اسم جس کے عامل کو پوشیدہ کیا گیا ہو اس شرط پر کہ اس کی تفسیر آگے آرہی ہو اور یہاں فعل کا حذف کرنا اس لئے واجب ہے تاکہ مفسر اور تفسیر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

مااضمر عاملهٗ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ **وھو کل اسم بعدهٗ فعل اوشبهه مشتغل عنه بضمیره او متعلقه بحیث لو سلط علیه هو او مناسبه لنصبه.**

ترجمہ: مااضمر الخ ہر وہ اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم سے اعراض کررہا ہو اس اسم کی ضمیر میں یا متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس طریقے پر کہ اگر اس فعل یا شبہ فعل یا مناسب فعل میں سے کسی ایک کو اس اسم پر مسلط کیا جائے تو وہ اس اسم کو نصب دے۔ مناسب کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مناسب مرادف اور (۲) مناسب لازم۔ اس طرح مااضمر عامله الخ کی عقلاً کل بارہ صورتیں بنتی ہیں وہ اس طرح کہ مااضمر میں اسم کے بعد فعل ہوگا یا شبہ فعل پھر ان میں سے ہر ایک کی پھر دو صورتیں بنتی ہیں اس طرح

کہ وہ فعل یا شبہ فعل اسم کی ضمیر میں عمل کر رہا ہوگا یا متعلق میں یہ چار صورتیں ہوگئیں پھر ان میں سے ہر ایک کی تین صورتیں بنتی ہیں (وہ اس طرح کہ بعینہٖ فعل یا شبہ فعل کو مسلط کیا جائے یا مناسب مرادف کو اور یا مناسب لازم کو) لہٰذا تین کو چار سے ضرب دینے سے بارہ صورتیں نکلیں، البتہ ان میں سے چار صورتیں صحیح نہیں بقیہ آٹھ صورتیں صحیح ہیں وہ چار صورتیں یہ ہیں ① فعل اسم کے متعلق میں عمل کرے اور بعینہٖ فعل یا ② مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے، ③ شبہ فعل اسم کے متعلق میں عمل کرے اور بعینہٖ شبہ فعل کو یا ④ مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے۔ اب تفصیل ملاحظہ فرمائیں

(۱) اسم کے بعد فعل ہو اور عمل کرے ضمیر میں اور اسم پر بعینہ فعل کو مسلط کیا جائے جیسے زیداً ضربته ای ضربتزیداً ضربته.

(۲) اسم کے بعد فعل ہو اور وہ عمل کرے ضمیر میں اور اسم پر مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے جیسے زیداً مررت به ای جاوزت زیداً۔

(۳) اسم کے بعد فعل ہو اور وہ عمل کرے ضمیر میں اور اس اسم پر مناسب لازم کو مسلط کیا جائے جیسے زیدا حبست علیه ای لابست زیداً۔

(۴) اسم کے بعد فعل ہو اور وہ عمل کرے متعلق میں اور بعینہ فعل کو مسلط کیا جائے۔ یہ صورت صحیح نہیں۔

(۵) اسم کے بعد فعل ہو اور وہ عمل کرے متعلق میں اور مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے۔ یہ صورت بھی صحیح نہیں۔

(۶) اسم کے بعد فعل ہو اور وہ عمل کرے متعلق میں اور مناسب لازم کو مسلط کیا جائے جیسے زیداضربت غلامه ای اهنت زیداً۔

(۷) اسم کے بعد شبہ فعل ہو اور وہ عمل کرے ضمیر میں اور بعینہ شبہ فعل کو مسلط کیا جائے۔

زیداانا ضاربہ ای اناضاربٌ زیداً.

(۸) اسم کے بعد شبہ فعل ہواور وہ عمل کرے ضمیر میں اور مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے جیسے زید اانامار بہ ای انا مجاوزٌ زیداً۔

(۹) اسم کے بعد شبہ فعل ہواور وہ عمل کرے ضمیر میں اور مناسب لازم کو مسلط کیا جائے جیسے زیدا انا محبوس علیہ ای ان ملابس زیدا ۔

(۱۰) اسم کے بعد شبہ فعل ہواور وہ عمل کرے متعلق میں اور بعینہ شبہ فعل کو مسلط کیا جائے۔ یہ صورت صحیح نہیں۔

(۱۱) اسم کے بعد شبہ فعل ہواور وہ عمل کرے متعلق میں اور مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے۔ یہ صورت بھی صحیح نہیں۔

(۱۲) اسم کے بعد شبہ فعل ہواور وہ عمل کرے متعلق میں اور مناسب لازم کو مسلط کیا جائے جیسے زیداًانا ضارب غلامہ ای انا مھین زیداً۔

امثلہ کی وضاحت:۔

اب کتاب میں موجود مثالوں کی وضاحت کی جاتی ہے

(۱) زیدا ضربتہ:۔ یہ وہ مثال ہے جہاں اسم کے بعد فعل ہواور وہ عمل کرتا ہو ضمیر میں اور بعینہ فعل کو مسلط کیا جائے جیسے ضربت زیدا ضربتہ۔

(۲) زیدا مررت بہ: ۔ یہ وہ مثال ہے جہاں اسم کے بعد فعل ہواور وہ ضمیر میں عمل کرتا ہو مگر مناسب مرادف کو مسلط کیا جائے جیسے جاوزت زیدامررت بہ۔ یہاں مررت کو مسلط نہیں کر سکتے اس لئے کہ یامررت کو "با" حرفِ جر کے ساتھ مسلط کریں گے یا بغیر حرفِ جر کے، اگر حرفِ جر کے ساتھ کریں تو اسم مجرور ہوگا، اگر با کے بغیر کریں گے تو پھر مررت فعل لازم ہے جو کہ مفعول کا محتاج نہیں لہٰذا ہم نے مررت کے مناسب لفظ جاوزت کو

مسلط کردیا۔

(۳)زیدا ضربت غلامه : یہ وہ مثال ہے جہاں فعل متعلق میں عمل کرے اور مناسب لازم کواسم پر مسلط کیا جائے جیسے اهنت زیدا ضربت غلامه۔ کیونکہ زید کے غلام کو مارنا گویا زید کی توہین ہے اور یہاں بعینہ فعل کو مسلط نہیں کرسکتے کیونکہ اگر غلام کے ساتھ فعل کو مقدم کریں تو زید مجرور ہوگا اور عبارت بنے گی ضربت غلام زید اور اگر صرف ضربت یعنی فعل کو مقدم کریں تو مقصود فوت ہوگا، ہمارا مقصود تو یہ تھا کہ میں نے زید کے غلام کو مارا ہے لیکن اب ضربت زیدا کہنے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ زید کو مارا ہے۔

(۴)زیدا حُبِسْتُ علیه : یہ وہ مثال ہے جہاں فعل ضمیر میں عمل کرے اور مناسب لازم کو مسلط کیا جائے جیسے لابست زیدا حبست علیه۔ یہاں بعینہ فعل کواس لئے مقدم نہیں کرسکتے کیونکہ اگر فعل کو علیٰ حرف جر کے ساتھ مسلط کریں تو زید مجرور ہوگا اور اگر صرف حبست کو مسلط کریں تو زید اس صورت میں مرفوع ہوگا مفعول مالم یسم فاعله کی بناء پر۔

ينصب بفعل مضمر يفسر مابعده

ان مثالوں میں زید منصوب ہے فعلِ محذوف کی وجہ سے اور اس فعل محذوف کی تفسیر بعد میں آنے والا فعل کررہا ہے مثال کے طور پر زیدا ضربته میں زید منصوب ہے اس ضربت کی وجہ سے جو اس زید سے پہلے محذوف ہے اور اس ضربت کی تفسیر بعد میں آنے والا ضربته کررہا ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے ضربت زیدا ضربته.

فوائد قیود:۔ مااضمر عامله کی تعریف میں کل اسم جنس ہے۔ بعدهٗ فعل او شبهه فصلِ اول ہے اس سے زید ابوک جیسی ترکیب کو خارج کردیا کیونکہ یہاں زید کے بعد فعل یا شبہ فعل نہیں بلکہ اسم ہے۔ مشتغل عنه فصلِ ثانی ہے اس سے زیدا ضربت

جیسی ترکیب خارج ہوگئی کیونکہ یہاں ضربت نے زید پر عمل کیا ہے اس سے مستغنی نہیں۔ **بضمیرہ او متعلقہ** فصلِ ثالث ہے اس سے زیدٌ ضربتہ جیسی ترکیب کو خارج کر دیا کیونکہ یہاں اعراض کی (ضمیر کے علاوہ) ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ زید مرفوع ہے ابتدا کی وجہ سے اور اگر ہم زید پر فعل کو مسلط کر دیں تو وہ منصوب ہوگا۔ **لو سلط علیہ** فصلِ رابع ہے اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں مسلط ہی نہیں کر سکتے مثلاً ۔ا زید ذھب بہ وغیرہ۔ **لنصبہ** (نصب دے مفعولیت کی بناء پر) یہ فصل خامس ہے اس قید سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جہاں فعل کو مسلط کرنے سے نصب تو دیتا ہو مگر مفعولیت کی بناء پر نہیں جیسے زیدا کنت ایاہ ۔ یہاں کنت کو مقدم کرنے سے بھی زید منصوب تو ہوگا مگر مفعولیت کی وجہ سے نہیں بلکہ کان کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

ویختار الرفع بالابتداء عند عدم قرینۃ

وہ اسم جو ما اضمر عاملہٗ کی قبیل میں سے ہو یعنی ما اضمر عاملہٗ تو نہ ہو مگر ظاہراً ما اضمر عاملہ معلوم ہو رہا ہو تو اس اسم کو مرفوع پڑھیں یا منصوب تو اس کی پانچ صورتیں ہیں۔

۱۔رفع مختار ۲۔نصب مختار ۳۔رفع ونصب تساوی ۴۔وجوب رفع ۵۔وجوب نصب

(۱) مختار رفع: دو صورتوں میں رفع مختار ہے (۱) اسم مبتدا واقع ہو اور اس کے مرفوع پڑھنے کے خلاف کوئی قرینہ مرجّحہ نہ ہو مثلاً: زید ضربتہ، یہاں زید کو مرفوع پڑھنا اور منصوب پڑھنا دونوں جائز ہیں لیکن رفع پڑھنا اولیٰ ہے، نصب اس لئے جائز ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ما اضمر عاملہٗ ہو اور بعد میں آنے والا فعل اس کی تفسیر ہو، اور مرفوع پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ یہ مبتدا واقع ہے اور بعد کا فعل اس کی خبر۔ اور رفع پڑھنا اولیٰ اس لئے ہے کہ یہاں رفع پڑھنے کی صورت میں کوئی محذوف عبارت نہیں نکالنی پڑتی، بخلاف نصب کے کہ جب منصوب پڑھیں تو وہاں فعل محذوف نکالنا پڑتا ہے، اب چونکہ رفع پڑھنے کی صورت میں

عبارت محذوف ماننے کی قباحت سے بچ جاتے ہیں اس لئے رفع اولیٰ ہے۔(قرینہ مرجّحہ کا مطلب ہے کہ ترجیح دینے کا قرینہ اور قرینہ مصحّحہ کا مطلب ہے کہ اسم کو مرفوع یا منصوب پڑھنا صحیح ہونے کا قرینہ)

(۲) رفع مختار کی دوسری صورت یہ ہے کہ رفع اور نصب دونوں کے لئے قرینہ مصحّحہ اور قرینہ مرجّحہ موجود ہوں مگر رفع کا قرینہ مرجّحہ اقویٰ ہو اور یہ کل دو صورتوں میں ہوتا ہے۔(۱) اسم پر امّا داخل ہو اور اس کے بعد والا جملہ خبریہ ہو انشائیہ نہ ہو جیسے **لقيت القوم و امّا زيد فاكرمتهٗ**۔اس عبارت میں زید پر امّا داخل ہے یہاں زید کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی۔نصب کے لئے قرینہ مصحّحہ یہ ہے کہ زید ما اضمر عاملہٗ ہو اور بعد والا فعل اس کی تفسیر ہو،اور رفع کے لئے قرینہ مصحّحہ یہ ہے کہ یہ ابتداء میں واقع ہے،نصب کے لئے قرینہ مرجّحہ یہ ہے کہ اس صورت میں زید کا عطف القوم پر ہوگا اور جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوگا اور تقدیرِ عبارت یوں ہوگی لقيت القوم و امّا اكرمت زيدًا فاكرمته تاکہ معطوف معطوف علیہ میں مناسبت ہو اور رفع کے لئے قرینہ مرجّحہ یہ ہے کہ زید پر امّا داخل ہے اور وہ تقاضا کرتا ہے کہ زید پر رفع آئے اور رفع کا قرینہ اقویٰ اس طرح ہے کہ اگر ہم زید کا عطف قوم پر نہ کریں تو صرف یہ ہوگا کہ جملہ اسمیہ کا عطف جملیہ فعلیہ پر ہوگا،تو جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر کلامِ عرب میں بہت ہوتا ہے لیکن امّا کبھی فعل پر داخل نہیں ہوتا اس لئے رفع کا قرینہ اقویٰ ہے۔

(۲) جب اسم پر اذا مفاجاتیہ داخل ہو تو تب بھی رفع مختار ہے جیسے **خرجت فاذا زيدٌ يضربه عمرو**۔یہاں زید پر اذا مفاجاتیہ داخل ہے تو زید کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے کیونکہ یہ عواملِ لفظیہ سے خالی ہے اور منصوب پڑھنا بھی درست ہے کیونکہ ممکن ہے کہ بعد والا فعل اس کی تفسیر ہو،رفع کے لئے قرینہ مرجّحہ یہ ہے کہ اس (زید) پر اذا مفاجاتیہ داخل

ہے اور نصب کے لئے قرینہ مرجّحہ یہ ہے کہ جب نصب پڑھیں تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوگا اور رفع کا قرینہ اقویٰ اس طرح ہے کہ کلامِ عرب میں جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر تو ہوتا ہے لیکن اذا مفاجاتیہ کبھی فعل پر داخل نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اسم پر داخل ہوتا ہے اس لئے یہاں رفع کا قرینہ اقویٰ ہے۔

ویختار النصب بالعطف علی الجملة

آٹھ مقامات پر نصب پڑھنا مختار ہے۔

(۱) جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہو اور رفع کے لئے کوئی قرینہ مرجّحہ نہ ہو جیسے خرجت فزیداً لقیته، نصب اس لئے تا کہ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہو، تقدیری عبارت یوں ہے، خرجت فلقیت زیدًا لقیتهٗ۔

(۲) اسم حرفِ نفی کے بعد ہو جیسے مازیدًا ضربتهٗ یہاں نصب اس لئے مختار ہے کہ حرفِ نفی فعل پر داخل ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے ماضربت زیدًا ضربته۔

(۳) اسم پر حرفِ استفہام داخل ہو جیسے أزیدًا ضربتهٗ ، یہاں نصب اس لئے مختار ہے کہ حرفِ استفہام فعل پر داخل ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے أضربت زیدًا ضربتهٗ۔

(۴) اسم اذا شرطیہ کے بعد واقع ہو جیسے اذا زیدًا ضربتهٗ اضربک یہاں نصب اس لئے مختار ہے کہ اذا شرطیہ فعل پر داخل ہوتا ہے نہ کہ اسم پر، تقدیری عبارت یوں ہے اذاضربت زیدًا ضربتهٗ۔

(۵) اسم حیث کے بعد واقع ہو جیسے حیث زیدًا تجده اکرمهٗ یہاں نصب اس لئے مختار ہے کہ حیث شرط کے لئے آتا ہے اور فعل پر داخل ہوتا ہے، تقدیری عبارت یوں ہے حیث تجدزیدًا تجده اکرمه۔

(۶) اسم کے بعد امر ہو جیسے زیدًا اضربه یہاں نصب اس لئے پڑھیں گے کہ مرفوع

پڑھنے کی صورت میں زید مبتدا تو بن جائے گا لیکن اضربہٗ اس کی خبر نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ وہ انشاء میں سے ہے اور انشاء خبر نہیں بن سکتی، تقدیری عبارت یوں ہے اضرب زیدًا اضربہٗ۔

(۷) اسم کے بعد نہی ہو جیسے زیدًا لاتضربہٗ یہاں بھی وہی علت ہے جو امر میں تھی تقدیری عبارت یوں ہے لاتضرب زیدًا لاتضربہ‘۔

(۸) تفسیر کا صفت کے ساتھ التباس لازم آتا ہو جیسے انا کلَّ شیءٍ خلقناہٗ بقدرٍ یعنی ہم نے ہر چیز کو اپنے اندازہ سے پیدا کیا ہے۔ یہاں کلَّ منصوب ہے اگر مرفوع پڑھیں گے تو تفسیر اور صفت کا التباس لازم آئے گا، وہ اس طرح کہ مرفوع پڑھنے کی صورت میں اس عبارت کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔

(۱) کل شیءٍ مبتدا ہو اور اس کا مابعد پورا جملہ خبر ہو اور اس صورت میں ترجمہ درست ہوتا ہے۔

(۲) خلقناہٗ صفت ہو شیءٍ کے لئے پھر موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ ہو ''کل'' کے لئے ''کل'' مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور بقدرٍ خبر ہو۔ تو اس صورت میں ترجمہ صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ترجمہ یوں ہوتا ہے ''ہر وہ چیز جو ہم نے پیدا کی وہ اندازے پر ہے'' تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کیا (نعوذ باللہ) حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے

فائدہ:۔ اصل میں رفع کی صورت میں صفت اور خبر کا التباس لازم آتا ہے، یعنی ایک صورت میں خلقناہ صفت واقع ہو رہا ہے اور دوسری صورت میں خبر، لیکن چونکہ منصوب پڑھنے کی صورت میں تفسیر واقع ہو رہا تھا اس لئے تفسیر کا صفت کے ساتھ التباس کہہ دیا اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی خلقنا کلَّ شیءٍ خلقناہ بقدر۔

....

ويستوى الامران فى مثل زيدٌ قام وعمروا اكرمتهٗ

مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جہاں ما اضمر عاملہٗ کا عطف ایسے جملے پر ہو جو ذات الوجہین ہو، ذات الوجہین کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جملہ اسمیہ پر عطف ہو جس کی خبر جملہ فعلیہ ہو، جان لو کہ جملے کی دو قسمیں ہیں۔(۱) جملہ کبریٰ یعنی پورے جملہ کا عطف پورے جملہ پر ہو (۲) جملہ صغریٰ یعنی جملے کا عطف دوسرے جملے کے جزء پر ہو۔ تو مذکورہ عبارت میں عمرو کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اور منصوب بھی۔ مرفوع کی صورت میں عطف جملہ کبریٰ پر اور منصوب کی صورت میں عطف جملہ صغریٰ پر ہوگا، یعنی مرفوع پڑھنے کی صورت میں ترکیب یوں ہوگی کہ زید مبتدا قام خبر اور معطوف علیہ، عمرو مبتدا اکرمتہٗ خبر اور معطوف، منصوب پڑھنے کی صورت میں ترکیب یوں ہوگی کہ زیدٌ مبتدا قام فعل فاعل اور معطوف علیہ۔ اکرمت عمروا اکرمتہٗ معطوف، معطوف اور معطوف علیہ مل کر خبر ہو جائے گی۔

ويجب النّصب

حروفِ شرط ان، لو اور حروفِ تحضیض کے بعد اسم کو منصوب پڑھنا واجب ہے کیونکہ مذکورہ حروفِ شرط اور حروفِ تحضیض ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، چاہے فعل مذکور ہو یا محذوف۔ شرط کی مثال جیسے اِنْ زیدًا ضربتهٗ ضربک اصل میں ان ضربت زیدًا ضربتهٗ ضربک تھا۔ تحضیض کی مثال جیسے اَلّا زیدًا ضربتهٗ اصل میں الاضربت زیدًا ضربتهٗ تھا۔

وليس مثل أزيدٌ ذهب به منه فالرفع

مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں ما اضمر عاملہٗ کے بعد ایسا فعل یا شبہ فعل ہو کہ جس کو اسم پر مسلط کرنے سے وہ اسم کو نصب نہ دے سکے۔ یہ مثال اس کی ہے جہاں ما اضمر عاملہٗ کو مرفوع پڑھنا واجب ہے، لیکن یہ مثال ایک اعتراض کا جواب بھی ہو سکتی ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے پہلے کہا تھا کہ ہمزہ استفہام کے بعد اسم کو منصوب پڑھنا مختار ہے، تو یہاں ہمزہ استفہام کے بعد اسم ہے مگر اس پر رفع کو واجب قرار دیا ہے، یہ کیوں؟

جواب:۔ یہ ما اضمر عاملہٗ الخ کے قبیل میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ ما اضمر عاملہٗ کے لئے یہ شرط لگائی تھی کہ **لو سلط علیه هو او مناسبهٗ لنصبهٗ** یعنی اس فعل کو یا اس کے مناسب کو مسلط کرنے سے وہ اسم کو نصب دے مگر اس ترکیب میں فعل یعنی ذُهِبَ کو اگر اسم یعنی زید پر داخل کرتے ہیں تو اس کو نصب نہیں دے سکتا، کیونکہ اگر ذُهِبَ کو بغیر "با" کے مسلط کرتے ہیں تو زید مرفوع ہوگا کیونکہ ذہب فعل مجہول ہے اور اگر با کے ساتھ مسلط کریں تو زید مجرور ہوگا تو معلوم ہوا کہ یہ ما اضمر عاملہٗ کے قبیل میں سے نہیں ہے اور اس پر رفع واجب ہے۔

وکذلك کل شیءٍ فعلوهُ فی الزبر

ترجمہ: "بندوں کے تمام افعال اعمال نامہ میں درج ہیں" یہاں کل کو مرفوع پڑھنا واجب ہے منصوب نہیں پڑھ سکتے کیونکہ مرفوع کی صورت میں تو ترکیب یوں ہوگی، کل مضاف شیء موصوف فعلوہٗ اس کی صفت، موصوف اور صفت مل کر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہوگی اور منصوب کی صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ **فعلوا کل شیء فعلوه فی الزبر** تو یہاں فی الزبر میں ترکیبی لحاظ سے دو احتمال ہیں۔(۱) فعلوا کا متعلق ہو۔(۲) شیء کی صفت ہو لیکن یہ دونوں احتمال باطل ہیں، کیونکہ برتقدیرِ اوّل ترجمہ یوں ہوگا "سارے افعال جو بندوں نے کئے ہیں وہ صحیفے میں کئے ہیں" تو صحیفہ یعنی اعمال نامہ کا بندوں کے افعال کے لئے محل بننا لازم آئے گا۔ اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ "بندوں نے وہ افعال کئے ہیں جو صحیفے میں ہیں" تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ کچھ ایسے اعمال بھی ہیں جو صحیفہ یعنی اعمال نامہ میں نہیں ہیں اور بندوں

نے کئے ہیں، تو چونکہ نصب کی صورت میں دونوں طرح سے ترجمہ غلط ہوتا ہے اس لئے کل پر رفع کو واجب قرار دیا۔

ونحوالزانية والزانى الفاء بمعنى الشرط

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر اسم کے بعد امر ہو تو اس اسم کو منصوب پڑھنا اولیٰ اور مختار ہے۔ لیکن الزانیۃ والزانی کے بعد فاجلدوا امر کا صیغہ ہے مگر اس کے باوجود منصوب نہیں اور قراء سبعہ کا اس کے مرفوع ہونے پر اتفاق ہے، تو اس سے آپ کا قانون ناقص ہو گیا۔

جواب:۔ اس کے دو جواب دیے ہیں ایک مبرد نے اور دوسرا سیبویہ نے۔

مبرد:۔ مبرد فرماتے ہیں کہ الزانية والزانى مااضمر عاملہ کے قبیل سے ہی نہیں اس لئے کہ یہاں فاجلدوا میں فاء جزائیہ ہے یعنی الزانية والزانى شرط ہے اور فاجلدوا جزاء ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ الزانية میں الف لام بمعنی الذى کے ہے یہ صلہ موصول معطوف معطوف علیہ مبتدا بمعنی شرط کے ہے اور فاجلدوا خبر بمعنی جزاء ہے، تو یہاں جو فاء ہے یہ فاء جزائیہ ہے اور اس کے بارے میں یہ قاعدہ ہے کہ فاء کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا، یعنی فاء کے مابعد کو مقدم کر کے اسم پر مسلط نہیں کر سکتے جبکہ مااضمر میں تو یہ شرط تھی کہ اس فعل کو اسم پر مسلط کر سکتے ہوں۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ الزانية والزانى مااضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے۔

سیبویہ:۔ سیبویہ فرماتے ہیں یہ مااضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں، کیونکہ یہ اصل میں دو جملے ہیں (۱) الزانیۃ والزانی اور (۲) فاجلدوا۔ اور دونوں کی تقدیری عبارت یہ ہے

کہ (۱) حکم الزانیۃ والزانی فیما یتلیٰ علیکم بعد (۲) اِنْ ثبت زناھما فاجلدوا ۔ اب اگر ہم یہاں فعل کو اسم پر مسلط کر دیں تو ایک جملے کے جزء کا دوسرے جملے کے جزء پر عمل کرنا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

والا فالمختار النصب

یعنی اگر فاء جزائیہ بھی نہ ہو اور آیت کے دو جملے الگ الگ بھی نہ ہوں تو اس صورت میں نصب پڑھنا اولیٰ اور مختار ہوگا، لیکن چونکہ قراء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مرفوع ہے تو معلوم ہوگیا کہ یہاں یا تو فاء بمعنی شرط کے ہے جیسا کہ مبرد صاحب کا قول ہے اور یا یہ دو جملے ہیں جیسا کہ سیبویہ کا قول ہے ورنہ نصب پڑھنے کی صورت میں اختلاف قراء لازم آئے گا۔

الرابع "التحذیر"

مفعول بہ کے فعل کو وجوباً حذف کرنے کی چوتھی اور آخری صورت یہ ہے کہ تحذیر ہو اور یہاں فعل کو حذف کرنے کی وجہ تنگی مقام اور قلتِ فرصت ہے۔

تحذیر کے معنیٰ ڈرانے کے آتے ہیں جس کو ڈرایا جائے اس کو محذَّر اور جو ڈرانے والا ہو اسے محذِّر اور جس چیز سے ڈرایا جائے اسے محذَّر منہ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف یہ ہے تحذیر اس اسم کو کہتے ہیں جو تقدیرِ اِتَّقِ یا بَعِّدْ کا معمول یعنی مفعول ہو چاہے اسم حقیقی ہو یا تاویلی ہو۔

امثلہ: ایّاک والاسد ای بعِّد نفسک والاسد ۔ یہ وہ مثال ہے جس میں محذَّر منہ اسم حقیقی ہے۔ ایاک وان تحذف ای بعِّد نفسک من حذف الارنب یعنی اپنے آپ کو لکڑی سے خرگوش کو مارنے سے بچا۔ یہاں محذَّر منہ اسم تاویلی یعنی حکمی ہے کیونکہ یہاں تحذف تو فعل ہے مگر اَن نے آکر بتاویل مصدر اس کو محذَّر منہ بنا دیا ہے۔ الطریق الطریق: یہ وہ مثال ہے جہاں محذَّر منہ کو مکرر ذکر کیا گیا ہو۔

وتقول ایاك من الاسد

محذر منہ کی باعتبار استعمال کے آٹھ صورتیں بنتی ہیں۔

وجہ حصر:۔ وجہ حصر یہ ہے کہ محذر منہ تحقیقی ہوگا یا تاویلی ہوگا، پھر یہ من کے ساتھ مستعمل ہوگا یا واؤ کے ساتھ، پھر واؤ اور من مذکور ہوں گے یا محذوف ہوں گے۔ یہ کل آٹھ صورتیں ہوگئیں ان میں تین صورتیں ممتنع ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ واؤ کا حذف کرنا چاہے محذر منہ (۱) تحقیقی ہو یا (۲) تاویلی اور (۳) من کا حذف کرنا جبکہ محذر منہ تحقیقی ہو۔ یہ تین صورتیں عدم جواز کی ہوگئیں بقیہ جائز ہیں۔ تفصیل نقشہ میں ملاحظہ کریں۔

محذر منہ کی حالت	طریقہ استعمال	مثال	حکم
اسم حقیقی ہو	مِن مذکور ہو	ایّاک من الاسد	جائز
ایضاً	مِن محذوف ہو	ایاک الاسد	ناجائز
ایضاً	واؤ مذکور ہو	ایاک والاسد	جائز
ایضاً	واؤ محذوف ہو	ایاک الاسد	ناجائز
تاویلی ہو	مِن مذکور ہو	ایاک من ان تحذف	جائز
ایضاً	مِن محذوف ہو	ایاک ان تحذف	جائز
ایضاً	واؤ مذکور ہو	ایاک وان تحذف	جائز
ایضاً	واؤ محذوف ہو	ایاک ان تحذف	ناجائز

المفعول فیہ ھومافعل فیہ فعل مذکور من زمان اومکان

مفعول فیہ وہ زمان یا مکان ہے جس میں فعلِ مذکور کیا جائے۔ یہاں زمان اور مکان سے مفعول فیہ کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ مفعول فیہ زمانیہ اور مکانیہ جس کو بالفاظِ

دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہیں اور ظرف کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ظرفِ مکان (۲) ظرفِ زمان۔

فوائدِ قیود:۔ مفعول فیہ کی تعریف میں **ھُوَ مَا فُعِلَ** جنس ہے اس میں دوسرے مفاعیل بھی داخل ہوتے ہیں لیکن **فعلٌ مذکورٌ** سے ہر اس ترکیب کو خارج کر دیا جس میں فعلِ مذکور نہ ہو جیسے **یوم الجمعة یوم طیبٌ**

وشرط نصبه تقدیر فی

مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہو، کیونکہ ''فی'' اگر لفظوں میں مذکور ہو تو مجرور ہوگا، ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں (۱) محدود۔ (۲) مبہم۔ ظرفِ مکان و زمان محدود جو کسی متعین مکان و زمان پر دلالت کرے اور مبہم وہ ہے جو غیر معین مکان و زمان پر دلالت کرے۔ ظرفِ زمان مبہم جیسے **دھر** اور **حین** اور محدود جیسے **یوم**، **شھر**، **سنة** وغیرہ۔ ظرفِ مکان مبہم کی مثال جیسے **جھاتِ ستہ** یعنی **تحت**، **فوق**، **خلف**، **قدام**، **یمین**، **شمال** اور محدود جیسے **سوق**، **دار** وغیرہ۔

ظروفِ زمان مبہم اور محدود دونوں تقدیر ''فی'' کو قبول کرتے ہیں، ظرفِ زمان مبہم تو اس لئے کہ وہ فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے اور یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ جب جزءِ فعل کو اس سے علیحدہ کرتے ہیں تو وہ بلا واسطہ حرفِ جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق لہٰذا ظرفِ زمان مبہم بھی تقدیرِ فی کو قبول کرے گا اور منصوب ہوگا۔ اور ظرفِ زمان محدود کو ظرفِ زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں کیونکہ زمانہ کے اعتبار سے دونوں مشترک ہیں۔

ظرفِ مکان مبہم بھی تقدیرِ ''فی'' کو قبول کرتا ہے کیونکہ اس کی ظرفِ زمان مبہم کے ساتھ ابہامیت میں مشابہت ہے، یعنی ابہام میں دونوں شریک ہیں۔ ظرفِ مکان محدود تقدیرِ ''فی'' کو قبول نہیں کرتا اس لئے کہ وہاں ''فی'' کو ظاہر کیا جاتا ہے، اور یہ مجرور ہوتا ہے

اور یہاں تقدیرًا فی اس لئے نہیں آتا کہ ظرفِ مکان محدود کی ظرفِ زمان مبہم کے ساتھ کسی چیز میں بھی مشابہت نہیں پائی جاتی، البتہ زمان محدود اور مکان مبہم کے ساتھ مشابہت تو ہے مگر یہ خود دوسرے کی مشابہت کی وجہ سے تقدیرِ فی کو قبول کرتے ہیں، لہذا ان کی مشابہت کی وجہ سے ظرفِ مکان محدود میں فی مقدر نہیں کیا جائے گا بلکہ ظاہر کیا جائے گا۔

امثلہ:۔ ظرفِ زمان مبہم جیسے سافرتُ دهرًا ۔ظرفِ زمان محدود جیسے صمتُ یوماً ۔ ظرفِ مکان مبہم جیسے جلستُ فوقکَ۔ظرفِ مکان محدود جیسے ذهبتُ الی السُّوقِ۔

وحمل علیه عند ولدٰی وشبهھما لابهامهما

عند، لدٰی، دون اور سویٰ یہ اگرچہ ظرفِ زمان مبہم میں سے نہیں مگر چونکہ ان کے نفس میں ابہام پایا جاتا ہے اس وجہ سے ان کو ظرفِ زمان مبہم پر محمول کر کے ان میں تقدیرًا ''فی'' مانتے ہیں اور منصوب پڑھتے ہیں جیسے جلستُ عندک۔

ولفظ مکان لکثرته

اور لفظِ مکان کو جہاتِ ستہ پر محمول کرتے ہوئے اس میں بھی تقدیرِ ''فی'' مان کر منصوب پڑھتے ہیں یہ اس لئے کہ لفظِ مکان کلامِ عرب میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے جلستُ مکانک۔

ومابعد دخلت علی الاصح

(دخلت سے ہر وہ فعل مراد ہے جس کا مفعول فیہ مفعول بہ کے مشابہ ہو) دخلت کے مابعد کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے مکان مبہم پر محمول کرتے ہیں صحیح قول کے مطابق۔ ''علی الاصح'' سے مصنفؒ نے ایک اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اختلاف:۔ بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ دخلت کا مابعد مفعول بہ ہوتا ہے اور وہ حضرات اس پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح فعل متعدی اپنے مابعد کو ملائے بغیر مکمل نہیں ہوتا اسی

طرح دخلت بھی اپنے مابعد کو ملائے بغیر مکمل نہیں ہوتا اور مفعول فیہ کا درجہ مفعول بہ کے بعد ہوتا ہے، لہٰذا دخلت الدار میں الدار مفعول بہ ہے مفعول فیہ نہیں۔

جمہور نحاۃ کے نزدیک دخلت کا مابعد مفعول فیہ ہوتا ہے۔

دلیل نمبر (۱) ہر وہ فعل جس کا مصدر فعولٌ کے وزن پر ہو وہ لازم ہوتا ہے، تو دخلت کا مصدر دخولٌ بروزنِ فعولٌ کے ہے تو معلوم ہوا کہ یہ فعل متعدی نہیں بلکہ لازمی ہے اور فعل لازم مفعول بہ کو نہیں چاہتا۔

دلیل نمبر (۲) دوسری دلیل جمہور نحاۃ کی یہ ہے کہ اگر ہم اس کو مفعول فیہ نہ بھی مانیں تب بھی یہ مفعول بہ نہیں بن سکتا کیونکہ مفعول بہ پر جب لفظِ فی کو داخل کیا جائے تو اس کے معنیٰ تبدیل ہو جاتے ہیں، جیسے ضربتُ زیدًا سے ضربتُ فی زیدٍ لیکن دخلت میں فی کو داخل کرنے کے باوجود اس کے معنی خراب نہیں ہوتے بلکہ درست ہوتے ہیں جیسے دخلتُ الدار سے دَخَلْتُ فی الدَّارِ.

دلیل نمبر (۳) جمہور نحاۃ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اس دخلت کے مقارن جو الفاظ ہیں جیسے نزلت، سکنت وغیرہ جب ان کا مابعد مفعول فیہ ہوتا ہے تو اس کا مابعد بھی مفعول فیہ ہوگا باقی بعض نحاۃ نے جو دلیل پیش کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قانون کہ مفعول فیہ کا درجہ مفعول بہ کے بعد آتا ہے یہ فعل متعدی کا ہے لازمی کا نہیں جبکہ دخلت فعل لازم ہے۔

وینصب بعامل مضمر

مفعول فیہ کبھی کبھی عاملِ مضمر کی وجہ سے بھی منصوب ہوتا ہے بلا شرط تفسیر کے۔ یعنی کبھی کبھی مفعول فیہ کے فعل کو حذف بھی کیا جاتا ہے جیسے کوئی سوال کرے متیٰ سِرْتَ تو اس کے جواب میں کہہ دے یومَ الجمعة تو اصل میں یہاں عبارت یوں ہے سرتُ یومَ الجمعة.

وعلیٰ شريطة التفسير

عاملِ مضمر سے بشرطِ تفسیر بھی مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے جیسے يوم الجمعة صمت فيه یہ عبارت اصل میں یوں تھی صمت يوم الجمعة صمت فيه اور مفعول فیہ میں بھی اعراب کی ان پانچوں صورتوں کا اعتبار ہوتا ہے جن کا مفعول بہ میں ہوتا تھا۔ مثلاً

(۱) رفع مختار جیسے يومُ الجمعة صمت فيه۔

(۲) نصب مختار جیسے أيومَ الجمعة صمت فيه۔

(۳) وجوب رفع جیسے أيومُ الجمعة صيم فيه۔

(۴) وجوب نصب جیسے الّايومَ الجمعة صمت فيه۔

(۵) تساوی الطرفین جیسے زيدٌ صام ويومَ ُالجمعة صمت فيه.

المفعول لهٗ هومافعل لاجله فعل مذكورٌ

مفعول لہٗ وہ اسم ہے جس کے حصول کے لئے یا جس کے پائے جانے کے سبب سے فعل مذکور کیا ہو، جس کے حصول کے لئے کیا ہو جیسے ضربته تاديباً یہاں ادب کے حصول کے لئے فعلِ ضرب کیا گیا ہے اور جس کے پائے جانے کے سبب سے فعلِ مذکور کیا ہو جیسے قَعَدْتُ عَنِ الْحَرْبِ جبناً یعنی بزدلی پائے جانے کی وجہ سے جنگ میں نہیں گیا۔

فوائدِ قیود:۔ تعریف میں ما جنس ہے تمام مفاعیل کو شامل ہے لیکن جب لاجله کہہ دیا تو اس سے دوسرے تمام مفاعیل خارج ہو گئے۔

خلافاًللزجاجِ فانه عندهٗ مصدر

علامہ زجاج کے نزدیک مفعول لہٗ کوئی مستقل مفعول نہیں بلکہ مفعول مطلق ہی ہے پس زجاج کے نزدیک ضربته تاديباً کے معنیٰ اَدَّبتُ بالضرب تاديباً کے ہیں لیکن جمہور نحاۃ کے نزدیک مفعول لہٗ الگ اور مستقل مفعول ہے۔ غور کیا جائے تو علامہ زجاج کا مذہب

ضعیف ہے، کیونکہ علامہ زجاج یہاں تاویل کرتے ہیں کہ ضربتهٗ تادیباً ، ادبت تادیبا بالضرب کے معنی میں ہے، تو یہ بات تو واضح ہے کہ ایک نوع میں تاویل کر کے دوسری نوع میں داخل کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اول، ثانی کا عین ہو جائے ورنہ تو تاویل سے حال بھی مفعول فیہ بن جاتا ہے جیسے رأیت زیداً راکباً کو تاویل کر کے رأیت زیداً فی وقت الرکوب کہہ سکتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ مفعول لہٗ علت کے لئے آتا ہے جب کہ مفعول مطلق اس معنیٰ سے خالی ہے۔

وشرط نصبه تقدير اللام

مفعول لہٗ کے منصوب ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہاں لام تقدیرًا ہو کیونکہ لام اگر لفظوں میں موجود ہو تو وہ اسم مجرور ہوگا۔

وانما يجوز حذفها اذا كان فعلاً لفاعل الفعل المعلل به ومقارناً له في الوجود

مفعول لہٗ سے لام کو حذف کرنے کیلئے تین شرائط ہیں۔

شرائط: (۱) مفعول لہٗ اثر ہو عین نہ ہو جیسے جئتک للسمن تو یہاں سمن سے لام کو حذف نہیں کر سکتے کیونکہ لام سمن پر داخل ہے جو کہ عین ہے۔

(۲) مفعول لہٗ اور اس فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہو جیسے جئتک لمجیٓک ایای یہاں مفعول لہٗ اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک نہیں لہذا یہاں مجیک سے لام کو حذف نہیں کر سکتے کیونکہ جئتک کا فاعل متکلم ہے اور مجیک میں مخاطب ، اس لئے مجیک سے لام حذف کرنا درست نہیں۔

(۳) وجود کے اعتبار سے فعل معلل بہ، مفعول لہٗ کا مقارن ہو یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو اگرچہ اعتباری فرق بھی ہو جیسے اکرمتک الیوم لوعدی بذلک امس، یہاں

لوعدی سے لام کو حذف نہیں کیا جائے گا کیونکہ دونوں کا زمانہ ایک نہیں۔

مطابقی کی مثال جیسے ضربتہ تادیباً، یہاں تادیب اثر ہے عین نہیں اسی طرح ضرب اورتادیب دونوں کا فاعل ایک ہے اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے اگرچہ اعتباری فرق بھی ہے وہ اس طرح کہ پہلے ضرب ہوگی پھر تادیب حاصل ہوگی۔

فائدہ:۔ فعل معلل بہ اس فعل کو کہتے ہیں جس سے مفعول لہٗ واقع ہو۔ مثلاً ضربتہ تادیباً میں ضربت فعل معلل بہ ہے۔

المفعول معهٗ هومذكور بعد الواو لمصاحبة معمول فعل لفظاً اومعناً

مفعول معہ وہ اسم ہے جو ایسی واؤ کے بعد واقع ہو جو مَعَ کے معنیٰ میں ہو، تاکہ فعل کے معمول کا مصاحب اور شریک ہو، چاہے فعل کا معمول فاعل ہو یا مفعول۔

فاعل کی مثال جیسے جاء البرد والجبات یہاں البرد معمول ہے جو کہ فاعل ہے اور پھر واؤ کے بعد جبات کو ذکر کیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ سردی اور جبات ایک ساتھ آئے ہیں۔ مفعول کی مثال جیسے کفاک وزیدًا درهمٌ یہاں کفاک میں کاف ضمیر معمول ہے جو کہ مفعول ہے اور اس پر زیدًا کا عطف ہے۔ یہ وہ مثال ہے جہاں مفعول معہ معمول فعل کے ساتھ زمان میں شریک ہے اور مکان کی مثال جیسے لوتركت الناقة وفصيلتها لرضعها۔

لفظاً اومعنیً: چاہے فعل لفظوں میں موجود ہو یا صرف معناً موجود ہو۔ فعل لفظی کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں اور فعل معنوی کی مثال جیسے مالک وزیدًا یہاں تصنع فعل محذوف ہے اصل عبارت یہ ہے ماتصنع وزیدًا۔ (تو زید کے ساتھ کیا کر رہا ہے)

فان كان الفعل لفظاً وجاز العطف فالوجهان

اگر مفعول معہ کا فعل لفظی ہو اور واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف درست ہو تو وہاں معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں (۱) عطف (۲) مفعول معہ جیسے جئت انا وزیدٌ وزیدًا، تو یہاں زید پر رفع پڑھنا بھی درست ہے کیونکہ یہاں ضمیر فاعل پر اس کا عطف ہے اور زید کو منصوب پڑھنا بھی درست ہے کیونکہ مفعول معہ ہے اور یہاں عطف اس لئے درست ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب ضمیر متصل پر کسی اسم کا عطف کرنا ہو تو وہاں ضمیر منفصل کے ذریعے ضمیر متصل کی تاکید لائی جاتی ہے، تو یہاں انا ضمیر منفصل کے ذریعہ جئتُ کی ضمیر متصل کی تاکید لائی ہے، اس لئے عطف درست ہے۔

والاتعين النصب

اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہوگا جیسے جئتُ وزیدًا ، یہاں چونکہ عطف جائز نہیں اس لئے زید مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور یہاں پر عطف اس لئے جائز نہیں کہ ضمیر متصل پر جب کسی اسم کا عطف کیا جائے تو ضمیر منفصل سے اس کی تاکید لائی جاتی ہے جب کہ یہاں تاکید نہیں ہے۔

وان كان معنىً ---- الخ

اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف ہی متعین ہوگا جیسے مالزید وعمرو ای ایُّ شیءٍ حصل لزیدٍ وعمرو ۔یہاں زید کو صرف مجرور ہی پڑھنا ہوگا منصوب پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ یہاں حقیقت میں دو عامل ہیں، ایک فعل جو کہ تقاضا کرتا ہے کہ زید منصوب ہو دوسرا حرفِ جر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ زید مجرور ہو تو چونکہ حرفِ جر زید کے زیادہ قریب تھا اور دوسرا یہ کہ فعل یہاں محذوف ہے اور حرفِ جر مذکور تو چونکہ عامل مذکور بنسبت عامل محذوف کے زیادہ قوی ہوتا ہے اس لئے ہم نے حرفِ جر کو عامل بنایا اور اسم کو مجرور کر دیا۔

اب اس زید پر عطف کر کے عمرو کو مجرور ہی پڑھنا ضروری ہے مفعول معہ کی وجہ سے اس کو منصوب پڑھنا جائز نہیں۔

والاتعین النصب

اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز نہ ہو تو نصب ہی متعین ہوگا جیسے **مالک وزیدا، ماشانک وعمروا** ان دونوں مثالوں میں عطف جائز نہیں پہلی مثال میں اس لئے عطف جائز نہیں کہ قاعدہ ہے کہ جب ضمیر مجرور پر کسی اسم کا عطف کرنا ہو تو وہاں جار کا اعادہ کرنا ہوتا ہے لیکن یہاں جار کا اعادہ نہیں (جار چاہے حرفِ جر ہو یا مضاف)۔ دوسری مثال میں عطف اس لئے جائز نہیں کہ اگر عمروا کا عطف شانک کی کاف ضمیر مضاف الیہ پر کرتے ہیں تو وہی مذکورہ خرابی لازم آئے گی، اور اگر اس کا عطف شان یعنی مضاف پر کرتے ہیں تو ہمارا مقصود فوت ہو جائے گا، کیونکہ ہمارا مقصود دونوں کی شان معلوم کرنا ہے لیکن جب ہم شان پر عطف کریں گے تو ترجمہ یہ ہوگا کہ تیری شان کیا ہے اور عمرو کی ذات کیسی ہے۔

سوال:۔ مصنفؒ نے یہاں دو مثالیں کیوں دی ہیں؟

جواب:۔ اس لئے کہ مجرور چاہے حرفِ جر کے ساتھ ہو یا مضاف کے ساتھ، دونوں میں عطف کا یہی حکم ہے، تو یہاں پہلی مثال میں مجرور حرفِ جر کے ساتھ اور دوسری مثال میں مضاف کے ساتھ ہے۔

الحال مایبین ھیئة الفاعل اوالمفعول بہ لفظاً اومعناً

مفاعیلِ خمسہ کے بعد مصنفؒ ان کے ملحقات کو بیان فرما رہے ہیں "حال وہ ہے جو فاعل یا مفعول کی ھیئت کو بیان کرے چاہے وہ فاعل اور مفعول لفظوں میں ہوں یا معنی میں" لفظوں میں ہوں کا مطلب یہ ہے کہ فاعل یا مفعول معلوم کرنے کے لئے کسی خارجی عبارت وغیرہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ کلام کے لفظ سے ہی سمجھ میں آجائے جیسے **ضربت زیدا قائما**

یہاں قائما حال ہے اس کو آپ ضربت کی ضمیر فاعل سے بھی حال بنا سکتے ہیں اور زیداً مفعول بہ سے بھی حال بنا سکتے ہیں اور یہ دونوں یعنی فاعل اور مفعول لفظوں میں موجود ہیں یعنی سیاق وسباق اور خارجی عبارت وغیرہ ملائے بغیر معلوم ہوتے ہیں۔ زیدٌ فی الدار قائماً یہ مثال فاعل لفظی حکمی کی ہے کیونکہ یہاں قائماً ضمیر سے حال واقع ہے اور ضمیر حکماً ملفوظ شمار ہوتی ہے اس کی تقدیری عبارت زید حصل فی الدار قائما ہے اور قائما حصل کی ضمیر سے حال ہے۔ اور عامل معنوی سے حال واقع ہونے کی مثال جیسے ھٰذا زید قائما یہاں زید معناً مفعول واقع ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے کہ اشیر الیٰ زید حال کونہ قائما یہاں زید جار مجرور کے واسطے سے مفعول واقع ہے۔

فائدہ:۔ حال کی یہ تعریف کہ ''جو صرف فاعل یا مفعول کی ھیئۃ کو بیان کرے'' یہ صاحبِ کافیہ کا مذہب ہے ورنہ ابنِ مالک نحوی کا مذہب یہ کہ فاعل، مفعول، مبتدا، خبر اور مجرور وغیرہ سے بھی حال واقع ہوسکتی ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔ اس کی مثالیں بکثرت قرآنِ پاک میں موجود ہیں تفصیل کے لئے شرح ابن عقیل (۲/۴۹۴) ملاحظہ فرمائیں۔

فوائدِ قیود:۔ حال کی تعریف میں ما جنس ہے اور ھیئۃ فصلِ اول ہے جس کی قید سے تمیز خارج ہوگئی کیونکہ تمیز ذات کو بیان کرتی ہے نہ کہ ھیئۃ کو جیسے عندی عشرون درھماً تو یہ درھماً عشرون کی ذات کو بیان کر رہا ہے نہ کہ اس کی ھیئۃ کو۔ الفاعل او المفعول، فصلِ ثانی ہے اس سے وہ ترکیب خارج ہوگئی جو ھیئۃ تو بیان کرتی ہے مگر فاعل یا مفعول کے علاوہ کسی اور کی، مثلاً مبتدا اور صفت وغیرہ کی جیسے زیدن القائم اخوک، یہاں اگرچہ القائم زید کی ھیئۃ کو بیان کر رہا ہے مگر زید نہ تو فاعل ہے اور نہ ہی مفعول بلکہ مبتدا ہے اس لئے یہ حال کی تعریف سے خارج ہوگیا۔

اعتراض:۔ آپ کی تعریف جامع نہیں ہے اس سے لقیت زیدًا راکبین کی ترکیب

خارج ہوگئی کیونکہ یہاں راکبین فاعل اور مفعول دونوں کی ھیئۃ کو بیان کر رہا ہے اور آپ نے تعریف میں فاعل یا مفعول فرمایا ہے۔

جواب:۔ ان دونوں میں مانعۃ الخلو ہے مانعۃ الجمع نہیں یعنی یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں لیکن جدا نہیں ہو سکتے یعنی ایسا ہو سکتا ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کی ھیئۃ کو بیان کرے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان دونوں میں سے کسی کی ھیئۃ کو بیان نہ کرے، اگر ایسا ہو تو اس کو حال ہی نہیں کہیں گے۔

وعاملها الفعل اوشبهه او معناهٗ

حال کا عامل فعل ہوگا یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل۔ فعل کی مثال ضربت زیدًا قائماً ۔شبہ فعل کی مثال زید ذاهب راکباً ۔معنیٰ فعل کی مثال یعنی اسمِ اشارہ اور ندا وغیرہ جیسے هٰذا زید قائماً ۔

وشرطها ان تكون نكرة وصاحبها معرفة غالباً

حال کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو یعنی حال ہمیشہ نکرہ ہوگا اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوگا اور حال کے لئے نکرہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک نکرہ اصل ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب نکرہ سے ہماری ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو معرفہ کی کیا ضرورت۔ ذوحال معرفہ اس لئے ہوگا کہ ترکیب کے اعتبار سے ذوالحال محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ معرفہ ہوتا ہے اس وجہ سے ذوالحال بھی معرفہ ہوگا۔

وارسلها العراك و مررت به وحدهٗ ونحوهٗ متأولٌ

یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے یہ کہہ دیا کہ حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے تو ہم آپ کو ایسی ترکیب بتاتے ہیں جہاں حال معرفہ ہے جیسے کہ مذکورہ عبارت میں العراک اور وحدہٗ دونوں حال واقع ہیں

اور دونوں معرفہ ہیں۔

جواب:۔ اس میں تاویل ہے اور یہ تاویل دو طرح سے ہوسکتی ہے (۱) یہ دونوں حال ہی نہیں ہیں بلکہ مفعول مطلق ہیں افعالِ محذوفہ کے لئے اور وہ اس طرح کہ یہ دونوں **تعترک العراک** اور **ینفرد وحدہٗ** کے معنی میں ہیں۔ (۲) یہ دونوں ظاہراً تو معرفہ لگ رہے ہیں لیکن حقیقت میں نکرہ ہیں وہ اس طرح کہ العراک معترکۃ کے معنی میں ہے اور العراک پر الف لام زائد ہے اور وحدہٗ منفرداً اور توحدًا کے معنی میں ہے۔

وارسلها العراک یہ ایک شاعر لبید کے ایک شعر کا ٹکڑا ہے پورا شعر اس طرح ہے۔

وارسلها العراک ولم یزدها : ولم یشفق علی نغض الدخال

ترجمہ:۔ حمار وحشی نے اپنی مادنیوں کو ایک ساتھ چھوڑ دیا اور ان کو جمع ہونے سے نہ روکا اور نہ اس بات کا خوف کیا کہ جمع ہونے کی وجہ سے سیراب نہ ہوسکیں گی۔

فان کان صاحبها نکرۃً وجب تقدیمها

پہلے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ ذوالحال اکثر معرفہ ہوگا اب فرمارہے ہیں کہ اگر ذوالحال نکرہ ہو تو وہاں حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے **جاء نی رجل راکباً** سے **جاء نی راکبـاً رجلٌ** کہیں گے اور یہ اس لئے کہ اگر ذوالحال پر حال کو مقدم نہ کریں تو حالتِ نصبی میں صفت کے ساتھ التباس لازم آئے گا جیسے **رأیت رجلاً راکباً** تو یہاں راکباً، رجلاً کے لئے صفت بھی بن سکتا ہے اور حال بھی، اس لئے ہم نے یہاں حال کو مقدم کردیا تاکہ التباس نہ رہے (کیونکہ صفت اپنے موصوف سے مقدم نہیں ہوتی) تو مقدم کرنے سے عبارت یوں ہوگئی **رأیت راکباً رجلاً**۔

ولا تتقدم علی العامل المعنوی

حال کو عاملِ معنوی پر مقدم نہیں کرسکتے، کیونکہ عاملِ معنوی ضعیف ہوتا ہے جیسے **ھٰذا زیدٌ**

قائماً سے قائماً ھٰذا زیدٌ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض:۔ ہم آپ کو ایسی ترکیب بتاتے ہیں جہاں حال کو عاملِ معنوی پر مقدم کیا گیا ہے جیسے زیدٌ قائماً کعمرٍو قاعدًا یہاں قائماً جو حال واقع ہے اس کا عامل معنوی تشبیہ کا معنی ہے جو کاف تشبیہ سے سمجھ میں آیا ہے جو کہ عمرو پر داخل ہے اور قائماً کو اس سے مقدم کیا ہے

جواب:۔ ایک قاعدہ ہے کہ جب دو حال دو مختلف اسموں سے یا ایک اسم سے مختلف اعتبار سے واقع ہوں تو ضروری ہے کہ ہر حال اپنے ذوالحال سے متصل ہو ورنہ معلوم نہیں ہوگا کہ کس ذوالحال کے لئے کون سا حال ہے۔ تو یہاں قائماً زید سے حال ہے مشبہ ہونے کے اعتبار سے اور قاعداً عمرو سے حال ہے مشبہ بہ ہونے کے اعتبار سے۔

بخلاف الظرف

اگر حال کا عامل ظرف ہو تو وہاں پر حال کو عامل پر مقدم کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف ہے

سیبویہ:۔ سیبویہ کے نزدیک جب عامل ظرف ہو تو بھی حال کو عامل پر مقدم نہیں کر سکتے، کیونکہ ظرف عامل ضعیف ہے ترتیب سے ہو تو عمل کرتا ہے ورنہ نہیں۔

اخفش:۔ اخفش فرماتے ہیں کہ اگر حال سے پہلے مبتدا ہو تو حال کو عامل ظرف پر مقدم کرنا جائز ہے جیسے زیدٌ قائماً فی الدار تقدیری عبارت یوں ہے۔ زیدٌ ثبت فی الدار قائماً تو یہاں قائماً ثبت کی ضمیر سے حال واقع ہے۔ اور یہ حال سے پہلے مبتداء ہونے کی شرط اس لئے لگائی تاکہ مبتدا کی وجہ سے اس کے عامل کو تقویت مل جائے اور اگر حال سے پہلے مبتدا نہ ہو تو وہاں بالاتفاق حال کی تقدیم عامل ظرف پر درست نہیں، لہٰذا قائماً زیدٌ فی الدار نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس طرح یہاں اضمار قبل الذکر بھی لازم آتا ہے۔

ولاعلی المجرور علی الاصح

صحیح قول کے مطابق اگر ذوالحال مجرور ہو تو بھی حال کو ذوالحال پر مقدم نہیں کر سکتے، چاہے مجرور حرفِ جر کے ساتھ ہو یا اضافت کے ساتھ ہو پس مررت برجل راکباً اور جاء تنی ضاربة زید مجردًا عن الثیاب سے مررت راکباً رجل اور جاء تنی مجردًا عن الثیاب ضاربة زید کہنا جائز نہیں۔ پہلی صورت میں اس لئے حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا جائز نہیں کہ یا تو حال کو جار اور مجرور دونوں سے مقدم کریں گے جیسے مررت راکباً برجل کہہ دیں تو یہ اس لئے جائز نہیں کہ جس طرح مجرور کی تقدیم جار پر صحیح نہیں اسی طرح مجرور کے تابع کو بھی جار پر مقدم کرنا صحیح نہیں کیونکہ (حال ذوالحال کے تابع ہوتا ہے) اور یا صرف مجرور سے مقدم کریں گے جیسے مررت براکباً رجل کہہ دیں تو یہ اس لئے جائز نہیں کہ اس صورت میں جار اور مجرور میں فصل لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں دوسری یعنی اضافت کی صورت میں جاء تنی مجردًا عن الثیاب ضاربة زید کی ترکیب اس لئے درست نہیں کہ یہاں مجردًا حال مقدم ہے زید سے جو کہ مؤخر ہے اور مجرور ہے مضاف الیہ کی بناء پر اس میں بھی وہی وجوہات ہیں جو مجرور میں گزر چکی ہیں۔

بعض کوفی:۔ بعض کوفی حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر ذوالحال مجرور ہو حرف جر کے ساتھ تو حال کو ذوالحال پر مقدم کر سکتے ہیں جیسے وما ارسلناک الا کافة للناس یہاں کافۃً حال ہے الناس سے جو کہ مجرور ہے اور مؤخر بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حال کو ذوالحال پر مقدم کر سکتے ہیں۔

جواب:۔ جمہور نحاۃ نے اس کے دو جواب دیے ہیں۔

(۱) یہ کافۃً ارسلناک کی کاف ضمیر سے حال واقع ہے، لہٰذا کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

(۲) کافۃً حال نہیں بلکہ صفت ہے مصدر محذوف کے لئے اور اصل عبارت یوں ہے کہ

ومآارسلناک الا رسالة كافة للناس۔

وكل مادل علىٰ هيئة صح ان يقع حالا

اس عبارت سے مصنف جمہور کا رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حال ہمیشہ مشتق ہوگا، اگر کہیں اسمِ جامد حال واقع ہو تو اس کو تاویل کر کے مشتق کے معنی میں کر دیں گے، جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حال ترکیبی لحاظ سے خبر ہوتا ہے اور چونکہ خبر مشتق ہوتی ہے اس لئے حال کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بھی مشتق ہو تو مصنف ؒ نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جو هیئة کو بیان کرے (چاہے مشتق ہو یا جامد) حال بن سکتی ہے جیسے **هٰذا بُسرًا اطيب منه رُطباً** یہ نیم پختہ کھجور زیادہ اچھی ہے اس کھجور سے جو پکی ہے، تو یہاں بُسر اور رُطب دونوں جامد ہیں لیکن حال واقع ہیں کیونکہ یہ هیئة کو بیان کرتے ہیں اور ہمارا مقصود ان سے پورا ہو جاتا ہے۔

وقدتكون جملة خبرية

حال کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو لیکن کبھی کبھی جملہ بھی حال واقع ہوتا ہے کیونکہ حال بمنزلہ خبر کے ہوتا ہے اور خبر میں اصل یہ ہے مفرد ہو لیکن کبھی خبر جملہ بھی ہوتی ہے اس وجہ سے حال میں بھی اصل افراد ہے اور کبھی کبھی جملہ بھی ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جملہ خبریہ ہو انشائیہ نہ ہو کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ حال بمنزلہ خبر کے ہوتا ہے اور انشاء خبر نہیں ہوسکتی اس لئے جملہ انشائیہ حال نہیں بن سکتا۔

فالاسمية بالواو

جب جملہ حال ہوسکتا ہے تو اس صورت میں حال میں پانچ احتمالات ہیں (۱) حال جملہ اسمیہ ہو۔ (۲) جملہ فعلیہ ماضی مثبت ہو (۳) ماضی منفی ہو (۴) مضارع مثبت ہو (۵) مضارع منفی ہو۔ اگر حال جملہ ہو تو اس صورت میں اس جملے میں رابطے کا ہونا ضروری ہے

کیونکہ جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے اور یہ رابطہ تین طرح ہوتا ہے (۱) صرف واؤ (۲) صرف ضمیر (۳) واؤ اور ضمیر دونوں۔

رابطے کی تفصیل :۔

رابطے کے اعتبار سے حال کی تین قسمیں بنتی ہیں (۱) اگر حال جملہ اسمیہ ہوتو وہاں رابطے کے لئے حرف واؤ کا لانا بھی جائز ہے لیکن واؤ اور ضمیر دونوں کا لانا افضل ہے کیونکہ جملہ اسمیہ استقلال میں زیادہ قوی ہوتا ہے تو رابطہ بھی قوی ہونا چاہیئے جیسے **جاء نی زیدٌ وابوہٗ قائمٌ** اور صرف واؤ کا لانا اس لئے درست ہے کہ واؤ کلام کے شروع میں آتا ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ میرے مابعد جملے کا ماقبل کے ساتھ ربط ہے جیسے **کنت نبیّا واٰدم بین المآء والطین** یہاں ربط کے لئے صرف واؤ استعمال ہوا ہے اور ربط کے لئے صرف ضمیر کا لانا ضعیف ہے اور یہ ضعیف اس وجہ سے ہے کہ ضمیر کلام کے شروع میں نہیں ہوتی جو کہ فوری طور پر ربط پر دلالت کرے جیسے **کلّمتُہٗ فوہ الی فیّ**، اور اگر کہیں ضمیر شروع میں ہوتو وہاں صرف ضمیر کا لانا بھی درست ہوگا جیسے **جاء نی زیدٌ ھو راکبٌ**۔

(۲) اگر حال جملہ فعلیہ مضارع مثبت ہوتو وہاں صرف ضمیر لائیں گے جیسے **جاء نی زید یسرع** اور یہ اس لئے کہ مضارع مثبت اسم فاعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور یہ مشابہت حرکات اور سکنات سب میں ہوتی ہے جیسے ضاربٌ اور یضرب وغیرہ تو چونکہ اسم فاعل میں صرف ضمیر کافی ہوتی ہے تو اس کی مشابہت کی وجہ سے مضارع مثبت میں بھی صرف ضمیر کافی ہوگی۔

(۳) اگر حال جملہ اسمیہ اور مضارع مثبت نہ ہوتو اس صورت میں چاہے حال مضارع منفی ہو یا ماضی مثبت یا ماضی منفی ہوتو ان تینوں صورتوں میں رابطہ تینوں طریقوں سے لا سکتے ہیں یعنی ۱۔صرف واؤ، ۲۔صرف ضمیر، ۳۔واؤ اور ضمیر دونوں، کیونکہ یہ استقلال میں قوی

نہیں ہوتا اس لئے کوئی سا بھی رابطہ ہو تو کام چل جائے گا۔

تفصیل کے لئے نقشہ ملاحظہ فرمائیں۔

نقشہ

حال کی حالت	رابطہ	امثلہ
مضارع منفی	واؤ اور ضمیر دونوں	جاء نی زیدٌ ومایتکلم غلامهٗ
ایضاً	صرف ضمیر	جاء نی زید مایتکلم غلامهٗ
ایضا	صرف واؤ	جاء نی زید ومایتکلم عمرو
ماضی مثبت	واؤ اور ضمیر دونوں	جاء نی زید وقد خرج غلامهٗ
ایضا	صرف ضمیر	جاء نی زید قدخرج غلامهٗ
ایضا	صرف واؤ	جاء نی زید وقد خرج عمرٌو
ماضی منفی	واؤ اور ضمیر دونوں	جاء نی زیدٌ وماخرج غلامهٗ
ایضاً	صرف ضمیر	جاء نی زیدٌ ماخرج غلامهٗ
ایضاً	صرف واؤ	جاء نی زیدٌ وماخرج عمرٌو

ولابد فی الماضی المثبت من قد ظاهرة او مقدرةً

اگر ماضی مثبت حال واقع ہو تو اس کے شروع میں قَدْ کا لانا ضروری ہے کیونکہ ماضی زمانہ گزشتہ پر دلالت کرتا ہے اور حال موجودہ پر تو اس وجہ سے ماضی پر قَدْ کو داخل کریں گے تاکہ یہ ماضی کو حال کے معنیٰ کے قریب کردے اور یہ قَدْ کبھی لفظوں میں مذکور ہوگا جیسے کہ مذکورہ مثالوں میں دیکھ لیا اور کبھی قَدْ مقدر ہوتا ہے جیسے او جاء واکم حصرت صدورهم ای قَدْ حصرت صدورهم۔

سوال:۔ ماضی منفی میں قَدْ کیوں نہیں آتا؟

جواب:۔ اس لئے کہ منفی صدارتِ کلام کو چاہتی ہے اگراس کے شروع میں قَدْ کو داخل کردیں تو اس کی صدارت فوت ہو جائے گی، اس وجہ سے ماضی منفی پر قَدْ کو داخل نہیں کرتے

ویجوز حذف العامل کقولك للمسافر راشدًا مهدياً

قرینہ کی وجہ سے بھی حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے اور یہ قرینہ دو طریقوں پر ہوگا یا تو حالیہ ہوگا یا مقالیہ ہوگا، قرینہ حالیہ جیسے مسافر کو راشدامهدیا کہہ دینا اصل میں عبارت یہ ہے کہ اِذهب راشدامهدیا اور قرینہ مقالیہ جیسے کسی کے سوال کیف جئتَ کے جواب میں راکباً کہہ دینا۔

پہلی صورت میں قرینہ مسافر کا سفر کرنا ہے، اور دوسری صورت میں قرینہ سوال مذکور ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ المذکور فی السوال کالموعود فی الجواب دوسری صورت میں عبارت اس طرح ہے کہ جئت راکباً۔

ویجب فی المؤکدة مثل زید ابوك عطوفاً ای اُحقّهُ

حال مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

حالِ مؤکدہ کی تعریف:۔ حالِ مؤکدہ وہ حال ہے جو غالبًا اپنے ذوالحال سے ملی ہوئی ہو اور جدا نہ ہوتی ہو جیسے زیدٌ ابوک عطوفاً یہاں عطوفاً حال ہے اور ابوک ذوالحال ہے تو عطوفاً کے معنی مہربان کے آتے ہیں اور یہ مہربانی اکثر باپ سے جدا نہیں ہوتی یعنی باپ جو بھی ہوتا ہے مہربان ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عطوفاً حالِ مؤکدہ ہے اور یہاں فعل کو حذف کیا گیا ہے جو کہ احقہٗ ہے اور یہاں فعل کو حذف اس لئے کرتے ہیں کہ یہاں عطوفاً کا منصوب ہونا اس کے حذف پر دال اور قرینہ ہے۔

وشرطها ان تكون مقررةً لمضمون جملةٍ اسميةٍ

حالِ مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کردے جیسے زیدٌ ابوک عطوفا میں زید ابوک جملہ اسمیہ ہے اوراس کے کہنے سے ہی بطورِ استلزام کے یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ زید یعنی تمہارا باپ تم پر مہربان ہے تو مہربان ہونے کے معنی بطورِ استلزام کے معلوم ہو ہی گئے تھے اور عطوفا کے معنی بھی مہربان ہونے کے ہیں۔ تو اس نے پہلے والے معنی ہی کو ثابت کیا ہے اس کے علاوہ کو نہیں۔

فوائد قیود:۔ اس عبارت میں مضمونِ جملة فصلِ اول ہے اس سے وہ حال خارج ہوگیا جو پورے جملے کی نہیں بلکہ جزء جملہ کی تاکید ہو جیسے انّا ارسلنک للناس رسولاً یہاں اگرچہ رسولاً حالِ مؤکدہ ہے لیکن اس نے پورے جملے کی تاکید نہیں کی ہے بلکہ صرف رسالت کی تاکید کی ہے حالانکہ مضمونِ جملہ صرف رسالت نہیں بلک ارسال اللہ ہے۔ اسمیة فصلِ ثانی ہے اس سے وہ حال خارج ہوگیا جو جملہ اسمیہ کی تاکید نہ کرے بلکہ جملہ فعلیہ کی تاکید کرے جیسے شهد الله انّهٗ لااله الا هو والملئكة واولو العلم قائماً بالقسط یہاں قائماً بالقسط اگرچہ حالِ مؤکدہ ہے لیکن یہ جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید بیان کررہا ہے نہ کہ جملہ اسمیہ کی، کیونکہ شهد الله الخ جملہ فعلیہ ہے اور ہم نے عامل کو حذف کرنے کے لئے شرط یہ لگائی ہے کہ جملہ اسمیہ کی تاکید کررہی ہو، ان مذکورہ شرائط کے فوت ہوجانے کی وجہ سے مذکورہ دونوں جگہوں پر حال کے عامل کو حذف نہیں کریں گے۔

التميز: مايرفع الابهام المستقر عن ذات مذكورة او مقدرة

تمیز وہ اسم ہے جو ذاتِ مذکورہ یا مقدرہ سے اس ابہام کو دور کردے جو معنیٰ موضوع لہٗ میں راسخ ہوچکا ہو۔

فوائد قیود:۔ مذکورہ عبارت میں لفظِ ما جنس ہے اور يرفع الابهام فصلِ اول ہے

اس سے بدل کو خارج کر دیا کیونکہ بدل مبدل منہ سے ابہام دور کرنے کے لئے نہیں بلکہ ترکِ مبہم اور ایرادِ معین کے لئے آتا ہے جیسے جاء نی زید عمرو تو یہاں عمرو نے آکر بتایا کہ حکم یعنی جاء سے مراد صرف عمرو ہے زید نہیں، یہاں عمرو، زید سے ابہام کو دور کرنے کے لئے نہیں آیا۔ المستقر فصلِ ثانی ہے اس سے مشترک کی صفت وغیرہ کو نکال دیا جیسے رأیت عینا جاریۃً یہاں لفظِ عین مشترک ہے اور جاریۃ نے اس سے ابہام کو دور کیا ہے لیکن عین میں جو ابہام ہے یہ اس کے معنی موضوع لہٗ یعنی وضع میں نہیں بلکہ تعدّد موضوع لہٗ کے اعتبار سے ابہام ہے۔ عن ذات فصلِ ثالث ہے اس سے حال اور صفت خارج ہو گئے کیونکہ حال اور صفت وصف کے ابہام کو دور کرتے ہیں نہ کہ ذات کے ابہام کو جیسے کوئی یوں کہے جاء نی زیدٌ راکباً اب یہاں زید کا آنا تو معلوم ہو گیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ زید کا آنا کس صفت میں ہے یعنی اس میں ابہام ہے کہ آیا زید پیدل آیا ہے یا سوار ہو کر تو راکباً کہنے سے یہ ابہام دور ہو گیا کہ زید سوار ہو کر آیا ہے نہ کہ پیدل، اسی طرح صفت بھی جیسے جاء نی رجل عالمٌ۔

تمیز کی قسمیں: تمیز کی دو قسمیں ہیں۔

تمیز کی تعریف میں مصنفؒ نے مذکورۃ اور مقدرۃ کہہ کر تمیز کی دو قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) تمیز ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے جیسے عندی رطل زیتاً یہاں زیتاً نے رطل سے ابہام کو دور کیا ہے اور رطل مذکور ہے۔

(۲) تمیز ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے جیسے طابَ زیدٌ نفساً یہاں نفساً تمیز ہے جس نے ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کیا ہے اور وہ ذاتِ مقدرہ شئی ہے اصل عبارت یوں ہے طاب شیء منسوب الی زید نفساً۔

فالاول عن مفرد مقدار غالباً امافی عدد ..... وامافی غیرہ

تمیز کی پہلی قسم جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے یہ اکثر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ مفرد سے مراد یہ ہے کہ جملہ یا شبہ جملہ نہ ہو اور مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جائے، اور یہ مقدار پانچ چیزوں میں پائی جاتی ہے ① عدد میں جیسے عشرون درھماً ② وزن میں جیسے رطل زیتاً، ومنوان سمناً ③ کیل میں جیسے قفیزان برًّا ④ مساحت میں جیسے ذراع ثوباً ⑤ مقیاس میں جیسے وعلی التمرة مثلها زبدًا۔

سوال:۔ مصنف نے اتنی ساری یعنی چار مثالیں کیوں دی ہیں؟

جواب:۔ تاکہ تمیز کا عامل (ممیز واسم تام) جن چیزوں سے تام ہوتا ہے اس کی طرف اشارہ ہو جائے چنانچہ تمیز کا عامل کبھی تو تام ہوتا ہے تنوین سے جیسے رطلٌ اور کبھی نون تثنیہ سے تام ہوتا ہے جیسے منوان اور کبھی نون جمع سے جیسے عشرون اور کبھی اضافت سے تام ہوتا ہے جیسے مثلھا۔

اسم تام کی تعریف:۔ اسم تام اسے کہتے ہیں کہ اسم کا ایسی حالت میں ہونا کہ اس اسم کی اضافت نہ ہو سکے جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے۔

اعتراض:۔ جب اسم تام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اضافت نہ ہو سکے تو پھر الف لام کے ساتھ بھی اسم تام ہوتا ہے کیونکہ معرف باللام کی اضافت نہیں ہو سکتی تو اس کو یہاں کیوں نہیں ذکر کیا؟

جواب:۔ یہاں اسم تام سے وہ اسم مراد ہے جو تمیز کو نصب دے سکے تو الف لام کے ساتھ اسم تام تو ہوتا ہے لیکن تمیز کو نصب نہیں دے سکتا۔

تفصیل مقام:۔ اسم جب ان مذکورہ اشیاء کے ساتھ تام ہوگا تو اس کی مشابہت فعل کے

ساتھ ہوگی تو جس طرح فعل اپنے فاعل سے تمام ہوتا ہے اسی طرح یہ اسم بھی ان مذکورہ اشیاء سے تام ہوتا ہے تو یہ اشیاء بمنزلہ فاعل کے ہوئیں اور تمیز بمنزلہ مفعول کے ہوئی تو جس طرح فعل اور فاعل کے بعد اسم منصوب ہوتا ہے اسی طرح تمیز بھی منصوب ہوگی بخلاف معرف باللام کے کہ اس میں الف لام چونکہ اسم کے اول میں ہوتا ہے اس وجہ سے فعل اور فاعل کے ساتھ مشابہت نہیں ہوئی جب مشابہت نہیں ہوئی تو اسم کو نصب نہیں دے گا، اس لئے مصنف نے معرف باللام کو ذکر نہیں کیا۔

فیفرد ان کان جنسا الاان یقصد الانواع

اگر تمیز جنس ہو تو اس صورت میں تمیز کو ہمیشہ مفرد لائیں گے چاہے ممیز مفرد ہو یا تثنیہ یا جمع کیونکہ جنس کا اطلاق کثیر اور قلیل سب پر ہوتا ہے جیسے عندی رطل زیتاً، رطلان زیتاً، ارطال زیتاً۔ ہاں اگر اس جنس سے انواع کا قصد کیا جائے یعنی مافوق الواحد مراد لیا جائے تو اس صورت میں تمیز ممیز کے موافق آئے گی یعنی مفرد کے لئے مفرد، تثنیہ کے لئے تثنیہ اور جمع کے لئے جمع تمیز لائی جائے گی جیسے عندی رطل زیتاً، رطلان زیتین، ارطال زیوتاً۔

ویجمع فی غیرہ

اگر تمیز جنس نہ ہو تو تمیز کو جمع لے کر آئیں گے، یہاں جمع سے مراد جمع لغوی ہے، یعنی مافوق الواحد مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ تمیز کے جنس نہ ہونے کی صورت میں اس کو ممیز کے موافق لائیں گے جیسے عندی عدل ثوبا او ثوبین او اثواباً۔ (ثوب جنس نہیں اس لئے مفرد، تثنیہ اور جمع آیا ہے)

....

ثم ان کان بتنوین اوبنون التثنیة جازت الاضافة

اگر یہ ممیّز یعنی مفرد مقدار تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تام ہو تو اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز ہے، لیکن اس صورت میں تنوین اور نون تثنیہ کو گرادیا جائے گا جیسے عندی رطلٌ زیتاو منوان سمنا سے رطل زیتٍ ومنوا سمنٍ

والافلا

اگر اسم تام ہو نون جمع یا اضافت کے ساتھ تو اس صورت میں اضافت جائز نہیں، نون جمع میں اضافت اس لئے جائز نہیں کہ اگر اضافت کریں گے تو نون جمع گر جائیگا اور نون جمع کی طرح ملحقات جمع وغیرہ یعنی عشرون وغیرہ سے بھی نون گرانا پڑے گا (کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہے) جبکہ عشرون وغیرہ کا نون اصلی ہے اس کا گرانا جائز نہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں التباس لازم آئے گا کہ اس کی اضافت تمیز کی طرف ہے یا غیر کی طرف کیونکہ اس اسم تام کی اضافت غیر تمیز کی طرف بھی جائز ہے پس عندی عشرون درهما سے عشرون درهم کہنا جائز نہیں، اور اگر اسم اضافت کے ساتھ تام ہو تو اس صورت میں اضافت اس لئے جائز نہیں کہ اس میں اضافت تو پہلے سے موجود ہے، اب دوسری اضافت کریں گے تو ایک اسم کی دو اسموں کی طرف اضافت لازم آئے گی جو کہ درست نہیں۔

وعن غیر مقدارٍ مثل خاتم حدیدًا والخفض اکثر

اس کا عطف عن مفرد مقدار پر ہے یعنی تمیز کبھی تو مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور کبھی اس مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے جو غیر مقدار ہو یعنی عدد اور وزن وغیرہ نہ ہو جیسے خاتم حدیدًا یعنی وہ تمیز جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرے اور غیر مقدار سے ابہام کو دور کرے، اور یہ تمیز اکثر مجرور ہوتی ہے کیونکہ اس میں ممیز کی اضافت تمیز کی طرف کی جاتی ہے جیسے خاتم حدیدٍ یہاں خاتم مفرد ہے یعنی جملہ نہیں اور غیر مقدار ہے یعنی نہ تو عدد ہے

اور نہ ہی وزن ہے اور اس کی اضافت حدید کی طرف ہوئی ہے اس لئے حدید مجرور ہے۔

والثانی عن نسبة فی جملة اوماضاهاها

تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرے

اعتراض :۔ آپ نے پہلے تمیز کی دوسری قسم بتائی تھی جو ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرے اور اب بتا رہے ہیں کہ نسبت سے ابہام کو دور کرے۔

جواب :۔ نسبت سے ابہام کو دور کرنے سے ذاتِ مقدرہ سے بھی ابہام دور ہو جاتا ہے کیونکہ نسبت طرفین سے ہوتی ہے اور ذاتِ مقدرہ طرفِ واحد ہے، اور طرفین سے ابہام کو دور کرنا مستلزم ہے طرفِ واحد سے ابہام کے دور کرنے کو۔

فی جملة اوماضاهاها۔۔۔اوفی اضافة

تمیز یا تو ابہام دور کرے گی جملہ سے یا شبہ جملہ سے یا اضافت سے، جیسے جملہ کی مثال طاب زیدٌ نفساً ، شبہ جملہ کی مثال جیسے زید طیب اباوابوة ودارًا وعلماً، اضافت کی مثال جیسے یعجبنی طیبه نفساً۔

سوال :۔ مصنف نے اباً ، ابوة، نفساً، دارًا اور علماً پانچ مثالیں کیوں دی ہیں؟

جواب :۔ مصنف ان مثالوں سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ تمیز کی باعتبار منصب عنہ (ممیّز) کے پانچ قسمیں ہیں۔

وجہ حصر :۔ تمیز کا حمل منصب عنہ پر بالذات ہوگا یا نہیں، اگر بالذات ہو تو دو صورتیں ہیں (۱) اس میں غیر کا احتمال ہوگا جیسے طاب زیدٌ اباً (۲) یا نہیں جیسے طاب زیدٌ نفساً، اگر حمل بالذات نہ ہو تو بھی دو صورتیں ہیں تمیز کا منصب عنہ کے لئے صفت بننا درست ہوگا یا نہیں اگر صفت بننا درست ہو تو پھر (۳) غیر کا احتمال ہوگا جیسے طاب زیدٌ ابوة یا

(۴) نہیں ہوگا جیسے طاب زیدٌ علماً (۵) اور اگر تمیز کا منصب عنہ کے لئے صفت بنانا درست نہ ہو تو اس کی مثال جیسے طاب زیدٌ دارًا۔

وللہ درُّہٗ فارساً

''اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیرِ کثیر باعتبار شہسوار ہونے کے''

بعض نحویوں کا کہنا ہے کہ تمیز کے لئے جامد ہونا ضروری ہے اگر مشتق ہو تو اس کو حال بنادیں گے تو مصنفؒ اس عبارت سے ان نحویوں پر رد کرنا چاہتے ہیں، تو فرماتے ہیں کہ تمیز کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ جامد ہو بلکہ ہر وہ اسم جو ابہام کو دور کرے اس کو تمیز بنانا درست ہے چاہے وہ اسم مشتق ہو یا جامد جیسے مذکورہ عبارت میں فارساً تمیز واقع ہے، حالانکہ یہ فَرَاست یا فِرَاست سے مشتق ہے۔

ثم ان کان اسماً یصح جعلہٗ الخ

اگر تمیز ایسا اسم (یعنی ذات ہو وصف نہ) ہو جس کا حمل منصب عنہٗ پر درست ہو تو اس میں دو صورتیں جائز ہیں۔ (۱) اس کو منصب عنہٗ کے لئے تمیز بنایا جائے (۲) منصب عنہ کے متعلق کے لئے تمیز بنایا جائے جیسے طاب زیدٌ اباً تو یہاں پہلی صورت کے اعتبار سے ترجمہ ہوگا ''زید اچھا ہے باعتبار باپ ہونے کے'' اور دوسری صورت کے اعتبار سے ترجمہ ہوگا ''زید اچھا ہے اپنے باپ کے اعتبار سے'' (یعنی باعتبار بیٹا ہونے کے) یہاں پہلی صورت میں اباً زید کے لئے تمیز ہے اور دوسری صورت میں اس کے متعلق کے لئے یعنی زید کے باپ کے لئے۔

والا فھو لمتعلقہٖ فیطابق فیھما ماقصد

اگر تمیز کا حمل منصب عنہ پر درست نہ ہو تو اس صورت میں اس تمیز کو منصب عنہ کے متعلق کے لئے خاص کردیں گے جیسے طاب زیدٌ دارًا یہاں دارًا تمیز ہے زید کے متعلق کے

لئے نہ کہ عین زید کے لئے کیونکہ ہم زیدٌ دارٌ نہیں کہہ سکتے اوران دونوں صورتوں میں (یعنی تمیز کامنصب عنہ پرحمل درست ہویانہیں) تمیز کوممیّز کے موافق لائیں گے جیسے طاب زیدٌ اباً والزیدان ابوین والزیدون آباء وغیرہ۔

الااذاکان جنساً

ہاں اگران مذکورہ دونوں صورتوں میں تمیز جنس ہوتو وہاں تمیز کو ہمیشہ مفرد لائیں گے کیونکہ جنس کااطلاق قلیل وکثیر سب پر ہوتا ہے جیسے طاب زیدٌ علماً والزیدان علماًوالزیدون علماً

الاان یقصد الانواع

لیکن اگرتمیز جنس تو ہے مگراس سے انواع کا قصد کیا جائے تو تمیز ممیّز کے موافق آئے گی جیسے طاب الزیدان علمین والزیدون علوماً۔

وان کانت صفة کانت لهٗ وطبقه واحتملت الحال

اگرتمیز صفت (یعنی مشتق) ہوتو یہ منصب عنہ کے لئے ہی ہوگی کیونکہ صفت کے لئے موصوف کاہوناضروری ہےاور مذکوریعنی منصب عنہ اولیٰ ہے کہ اس کواس صفت کاموصوف بنایا جائے اور یہ تمیز اپنے منصب عنہ کے ساتھ افراد، تثنیہ وجمع اورتذکیروتانیث میں موافق ہوگی کیونکہ موصوف اورصفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہےاوراس صورت میں حال کا بھی احتمال ہوتا ہے جیسے طاب زیدفارساً تمیز کی صورت میں تقدیری عبارت طاب زیدٌ من حیث انهٗ فارساً اورحال کی صورت میں اصل عبارت حال کونه فارساً ہوگی۔

ولایتقدم التمیز علی عامله

تمیز کواپنے عامل سے مقدم نہیں کرسکتے کیونکہ تمیز کا عامل اسم تام ہوتا ہے جوکہ ضعیف عامل ہےاس لئے اگرترتیب سے آئے توعمل کرے گاورنہ نہیں پس عندی عشرون درهماً

سے عندی درهماً عشرون نہیں کہہ سکتے۔

والاصح ان لایتقدم علی الفعل خلافاً للمازنی والمبرد

صحیح قول کے مطابق اگر تمیز کا عامل فعل ہوتو بھی تمیز کو اپنے عامل سے مقدم نہیں کر سکتے کیونکہ تمیز معنی فاعل ہوتی ہے اور فاعل کو فعل پر مقدم نہیں کر سکتے پس طاب زیدٌ نفساً سے نفساً طاب زیدٌ نہیں کہہ سکتے لیکن مبرد اور مازنی کے نزدیک اگر تمیز کا عامل فعل ہوتو تمیز کو عامل سے مقدم کر سکتے ہیں وہ فرماتے ہیں چونکہ عامل قوی ہے اس لئے وہ معمول میں عمل کر لیتا ہے چاہے مقدم ہو یا مؤخر۔

المستثنیٰ متصل ومنقطع

سوال :۔ مصنف رحمہ اللہ نے مستثنیٰ کی تعریف سے پہلے اس کی قسمیں ذکر کی ہیں یہ کیوں؟ پہلے تعریف کیوں نہیں ذکر کی؟

جواب :۔ مستثنیٰ کی قسموں کی تعریف سے مطلق مستثنیٰ کی تعریف سمجھ میں آجاتی تھی اس لئے مطلق مستثنیٰ کی تعریف علیحدہ سے نہیں کی۔ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منقطع

(۱) متصل :۔ **هو المخرج عن متعدد لفظاًاو تقديرًا بالّا و اخواتها**

مستثنیٰ متصل اسے کہتے ہیں جس کو الّا اور اس کے اخوات کے ذریعے شئ متعدد سے نکالا گیا ہو چاہے وہ شئ متعدد لفظوں میں موجود جیسے جاء نی القوم الا زیدًا یہاں قوم شئ متعدد ہے جو کہ لفظوں میں موجود ہے اور چاہے شئ متعدد لفظوں میں موجود نہ ہو جیسے ما جاء نی الا زیدٌ یہاں شئ متعدد احدٌ ہے جو کہ محذوف ہے۔

(۲) المنقطع :۔ **المذکور بعدها غير مخرج۔**

مستثنیٰ منقطع اسے کہتے ہیں جو الّا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن اس کو متعدد افراد

سے نکالا نہ گیا ہو جیسے جاء نی القوم الا حمارًا یہاں حمار اِلّا کے بعد واقع ہے لیکن قوم سے نکالا نہیں گیا ہے کیونکہ حمار پہلے سے ہی قوم میں داخل نہیں تھا۔

وھو منصوب

اعرابِ مستثنیٰ:۔ اعراب کے اعتبار سے مستثنیٰ کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) منصوب (۲) نصب جائز بدل مختار (۳) حسب عوامل (۴) مجرور

کل پانچ مقامات پر مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے (۱) مستثنیٰ اِلّا غیر صفتی کے بعد واقع ہو اور کلامِ موجب ہو جیسے جاء نی القوم الا زیداً

فائدہ:۔ اِلّا کی دو قسمیں ہیں (۱) استثنائی (۲) صفتی۔ کلامِ موجب اسے کہتے ہیں جس میں نہی، نفی، استفہام نہ ہو۔

(۲) مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ پر مقدم کیا گیا ہو جیسے ماجاء نی الازیداً احدٌ۔

(۳) مستثنیٰ منقطع اکثر نحاۃ کے نزدیک منصوب ہوتا ہے جیسے جاء القوم الاحمارًا

بنو تمیم فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع کی دو قسمیں ہیں (۱) مستثنیٰ کو حذف کرنا جائز ہو جیسے جاء القوم الاحمارًا یہاں قوم کو حذف کرنے سے معنی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، ان نحاۃ کے نزدیک اس مستثنیٰ کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ حمارٌ یہاں بدل بن جائے گا

(۲) مستثنیٰ منہ کو حذف کرنا جائز نہ ہو، اس صورت میں منصوب پڑھنا لازمی ہے جیسے لا عاصمَ الیوم من امر اللہ الا من رحم، یہاں عاصم مستثنیٰ منہ ہے جس کو حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اس وجہ سے اس کا حذف کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا من رحم جو کہ مستثنیٰ ہے محلاً منصوب ہوگا۔

(۴) خلا اور عدا کے بعد بھی اکثر کے نزدیک مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے جیسے جاء نی القوم خلا وعدا زیدًا بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ خلا اور عدا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوگا، کیونکہ خلا اور عدا

حروف جارہ میں سے ہیں لیکن اکثر نحاۃ کہتے ہیں کہ ان کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا کیونکہ یہ خود فعل ہیں اور ضمیر ان میں فاعل اور بعد میں آنے والا اسم منصوب ہوگا بناء پر مفعولیت۔

(۵) ماخلا، ماعدا، لیس اور لایکون کے بعد بھی مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، ماخلا اور ماعدا کے بعد تو اس وجہ سے منصوب ہوگا کہ ان پر مَا مصدریہ داخل ہے یہ خود فعل ہیں اور ضمیر فاعل تو بعد کا اسم بناء بر مفعولیت منصوب ہوگا اور لیس اور لایکون کے بعد اس وجہ سے کہ یہ افعالِ ناقصہ میں سے ہیں اور ضمیر ان کا اسم ہے اور بعد والا اسم خبر ہوگا اور افعالِ ناقصہ کی خبر منصوب ہوتی ہے جیسے جاء نی القوم ماخلاو ماعدا ولیس ولایکون زیدًا۔

(۲) ویجوز فیه النصب ویختار البدل

اگر مستثنیٰ الّا کے بعد واقع ہو اور کلامِ غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس صورت میں مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا جائز ہے لیکن اس کو ماقبل سے بدل بنانا زیادہ اولیٰ ہے جیسے مافعلوہُ الّا قلیلٌ الاقلیلاً یہاں مستثنیٰ کی وجہ سے منصوب ہے اور مرفوع اس وجہ سے ہے کہ فعلوا کی ضمیر فاعل سے بدل بعض ہے۔

(۳) ویعرب علیٰ حسبِ العوامل

اگر مستثنیٰ الّا کے بعد واقع ہو اور کلامِ غیر موجب ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس صورت میں مستثنیٰ کے اعراب حسبِ عوامل ہوں گے یعنی اگر عامل رفع کا ہے تو مستثنیٰ مرفوع ہوگا نصب کا ہے تو منصوب اور اگر جر کا ہے تو مجرور ہوگا جیسے ماضربنی الازیدٌ ومارأیت الازیدًا ومامررت الابزیدٍ۔

لیفید

مستثنیٰ کے اعراب حسبِ عوامل ہونے کے لئے کلامِ غیر موجب ہونے کی شرط اس لئے لگائی ہے تاکہ کلام کے معنیٰ درست ہوں ورنہ اگر کلامِ غیر موجب نہ ہو تو معنیٰ درست نہیں ہونگے

مثلاً رأیت الازیدًا کہیں تو اس کے معنیٰ ہوں گے کہ میں نے زید کے سواسب کو دیکھا ہے حالانکہ یہ معنیٰ درست نہیں۔

الا ان یستقیم المعنیٰ

ہاں اگر معنی درست ہوں تو کلامِ موجب میں بھی ہوسکتا ہے جیسے قرأت الایوم الجمعة تو یہ بات درست ہے کہ جمعہ کے علاوہ باقی تمام دنوں میں پڑھتا رہا ہو۔

ومن ثم لم یجز مازال زیدٌ الاعالماً

مستثنیٰ منہ کا حذف کرنا کلامِ موجب میں اس وقت تک درست نہیں جب تک اس کے معنیٰ درست نہ ہوں، تو اس وجہ سے یہ ترکیب جائز نہیں اس میں فسادِ معنیٰ ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ نفی جب نفی پر داخل ہو تو اثبات کا فائدہ دیتی ہے تو اس قاعدے کے لحاظ سے مازال زید الاعالماً کی تقدیری عبارت یوں ہوگی ثبت زیدٌ دائماً علیٰ جمیع الصفات الاعلی صفة العلم، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زید صفت علم کے علاوہ تمام صفات سے ہمیشہ متصف رہا ہے اور یہ معنیٰ درست نہیں کیونکہ زید کے لئے تمام صفاتِ ممکنہ، غیر ممکنہ، متضادہ اور غیر متضادہ کا ثابت ہونا محال ہے۔

واذا تعذر البدل علی اللفظ فعلی الموضع

اس عبارت کا تعلق مستثنیٰ کے حکمِ ثانی کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو وہاں نصب پڑھنا جائز اور بدل مختار تھا اب فرماتے ہیں کہ اس صورت مذکورہ میں اگر مستثنیٰ کا ماقبل کے لفظ سے بدل ماننا متعذر ہو تو اس کو ماقبل کے موضع اور محل سے بدل مان لیں گے جیسے ماجاء نی من احد الازیدٌ، لااحد فیھا الاعمرو، مازید شیئاً الا شیءٌ لایعبأ بہٖ ان تینوں مثالوں میں مستثنیٰ کو ماقبل سے بدل قرار نہیں دے سکتے اور وہ اس وجہ سے کہ صورتِ اول میں اگر ماقبل کے لفظ سے بدل مان لیں تو مِن کا کلامِ موجب

میں آنا لازم آئے گا حالانکہ من کلامِ موجب میں نہیں آتا اور یہ کلامِ موجب اس طرح ہے کہ نفی کے بعد جب الاّ داخل ہوگیا تو اس نے نفی کے معنیٰ کو ختم کردیا تو اب کلامِ موجب ہوگیا، تو چونکہ بدل تکرارِ عامل چاہتا ہے اس وجہ سے اب تقدیری عبارت یوں ہوگی جاء نی من زید تو یہاں کلامِ موجب میں مِن کا آنا بھی لازم آگیا اور مستثنیٰ مجرور ہوگا، تو اس وجہ سے ہم نے زید کو احد کے لفظ سے نہیں بلکہ اس کے محل سے بدل مان لیا، چونکہ احد محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ فاعل ہے فعل کا تو اس وجہ سے زید کو بھی رفع دیدیا، اور دوسری مثال میں یعنی لا احد فیھا الا عمرو میں عمرو کو اس وجہ سے احد کے لفظ سے بدل نہیں مان سکتے کہ مَا ولاَ مشبہتان بلیس اور لائے نفی جنس نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب ان کی نفی ختم ہوجائے تو یہ عمل نہیں کرسکتے اور یہاں چونکہ ان کی نفی استثناء کی وجہ سے ختم ہوگئی ہے اس لئے عمل نہیں کرسکتے۔ اب اس مثال میں اَحَدَ مفتوح ہے لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی بناء پر لیکن یہ لا عمرو پر عمل نہیں کرسکتا کیونکہ الاّ نے آکر اس کی نفی کو ختم کردیا ہے اور بدل کی صورت میں چونکہ بدل تکرارِ عامل کا تقاضا کرتا ہے اس لئے یہاں لا کو مقدر ماننا پڑے گا جب کہ قاعدہ ہے کہ ما اور لا مقدر ہوکر عمل نہیں کرتے اس وجہ سے عمرو کو احد کے محل سے بدل مان لیا اور مرفوع کردیا کیونکہ احد ابتدا کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔ تیسری مثال یعنی ما زیدٌ شیئاً الاشیء لایعبأ بہٖ۔ بالکل دوسری مثال کی طرح ہے اس مثال کے آخر میں لایعبأ بہٖ کو شئی یعنی مستثنیٰ کی صفت لانے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ استثناء الشئی عن نفسہ لازم نہ آئے بلکہ مستثنیٰ خاص اور مستثنیٰ منہ عام ہوجائے اور عام سے خاص کا استثناء کلامِ عرب میں ہوتا ہے۔

مذکورہ عبارت کی ترکیب:۔ مامشابہ بلیس زید اس کا اسم شیئاً خبر الاحرفِ استثناء شیء مستثنیٰ موصوف لایعبأ بہ شیء کی صفت، موصوف صفت مل کر شیئاً کے محل سے بدل ہے کیونکہ شیئاً

محلا مرفوع ہے۔

بخلاف لیس زید شیئاً الاشیئاً

جس کے عمل کے لئے سبب نفی نہ ہو بلکہ کوئی اور چیز ہوتو اس صورت میں نفی کے ختم ہونے کے باوجود عمل کرے گا جیسے لیس زیدٌ شیئاً الاشیئاً تو یہاں الّا کی وجہ سے لیس کی نفی ختم ہوگئی ہے اس کے باوجود لیس نے عمل کیا ہے کیونکہ لیس اگر چہ نفی کے لئے آتا ہے مگر عمل نفی کی وجہ سے نہیں بلکہ فعلیت کی وجہ سے کرتا ہے، اس وجہ سے لیس نے نفی کے ختم ہونے کے باوجود عمل کیا ہے۔

ومن ثم جاز لیس زیدٌ الاقائماً وامتنع مازیدٌ الّا قائماً

جونفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا مگر اس میں نفی پائی جاتی ہے تو اس کی نفی ختم ہونے کے باوجود وہ عمل کرتا ہے اور جونفی کی وجہ سے عمل کرتا ہو تو وہاں نفی کے ختم ہونے سے اس کا عمل باطل ہوجاتا ہے اس قاعدے کے تحت لیس زیدٌ الّا قائماً کی ترکیب درست ہے کیونکہ لیس نفی کی وجہ سے نہیں بلکہ فعلیت کی بناء پر عمل کرتا ہے اور مازیدٌ الاقائماً کی ترکیب درست نہیں کیونکہ مانفی کی بناء پر عمل کرتا ہے تو جب الا نے اس کی نفی کو باطل کردیا تو یہ عمل نہیں کرسکتا اس وجہ سے مازید الاقائماً کی ترکیب درست نہیں۔

(٤)ومخفوض بعدغیر

غیر، سوی اور سواء کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے، کیونکہ یہ مضاف الیہ ہوتا ہے، اور اکثر نحاۃ کے نزدیک حاشا کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے کیونکہ حاشا حرفِ جر ہے تو مابعد مجرور ہوگا مگر بعض نحاۃ یہ فرماتے ہیں کہ حاشا کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوگا کیونکہ حاشا فعل ہے اور ضمیر فاعل اور مابعد مفعولیت کی بناء پر منصوب ہوگا کیونکہ حاشا متعدی ہوتا ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ مستثنیٰ اس چیز سے پاک اور بری ہے جو مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب کی گئی ہے جیسے ضرب القوم

عمرًوا حاشازیدًا اللہ نے زید کوعمرو کی مار سے پاک رکھا یعنی زید نے عمرو کو نہیں مارا۔

اعرابِ غیر:۔ لفظِ غیر کے اعراب وہی ہوں گے جو مستثنٰی باِلّاَ کے ہوتے ہیں یعنی وہ مستثنٰی جو الا کے بعد واقع ہو وہاں اِلّاَ کی جگہ پر ہم لفظ غیر کو رکھ دیں گے اور اس مستثنٰی کے اعراب غیر پر لگادیں گے اور مابعد کو مجرور کریں گے جیسے مستثنٰی متصل کی مثال جاء نی القوم غیرَ زیدٍ۔ مستثنٰی منقطع کی مثال جیسے جاء نی القوم غیرَ حمارٍ ۔ مستثنٰی مستثنٰی منہ پر مقدم ہونے کی مثال جاء نی غیرَ زید ن القوم۔ نصب جائز بدل مختار ہونے کی مثال ما فعلوہ غیرُ غیرَ قلیلٍ۔ حسبِ عامل کی مثال جیسے ماضربنی غیرُ زیدٍ مارأیت غیرَ زیدٍ مامررت بغیرِ زیدٍ۔

وغیر صفة حملت علیٰ الافی الاستثناء

لفظِ غیر اصل میں صفت کے لئے وضع کیا گیا ہے جیسے جاء نی رجل غیر زید (رجل موصوف اور غیر زید مضاف مضاف الیہ اس کی صفت) لیکن کبھی کبھی اس کو اِلّاَ استثنائیہ کے معنی میں لے کر استثناء کے لئے بھی لایا جاتا ہے جیسے جاء نی القوم غیر زید یہاں ''غیر'' صفتی نہیں بلکہ استثناء کے لئے ہے کیونکہ القوم معرفہ ہے اور غیر نکرہ لہٰذا اگر غیر صفتی ہو تو پھر موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہے گی۔

کماحملت الاعلیھا

جیسے اِلّاَ اصل میں استثناء کے لئے وضع کیا گیا ہے لیکن کبھی کبھی غیر کے معنی بھی دیتا ہے۔

اذا کانت تابعة لجمع منکورٍ غیر محصورٍ

اِلّاَ کو غیر کے معنیٰ میں اس وقت لیا جائے گا جب اِلّاَ ایسی جمع کے بعد واقع ہو جو نکرہ بھی ہو اور ان کی تعداد بھی معلوم نہ ہو جیسے جاء نی رجال الّا زیدٌ۔ یہاں پر اِلّاَ کو صفت کے معنی میں اس لئے لیتے ہیں کہ یہاں استثناء متعذر ہے اور مصنفؒ نے غیر محصور کہہ کر اس ترکیب

کو خارج کردیا۔ لفلان علی الف الامائة، کیونکہ یہاں اگرچہ الف جمع منکور ہے لیکن اس کے عدد معلوم ومتعین ہیں۔ مثالِ اول: جاء نی رجال الازیدٌ میں استثناء متعذر اس طرح ہے کہ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) متصل، جس میں یہ یقین ہو کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہے۔ (۲) منقطع، جس میں یہ یقین ہو کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہے، تو یہاں رجال کے نکرہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی احتمال ہے کہ زید بھی اس میں داخل ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ داخل نہ ہو، اس وجہ سے نہ یہ مستثنیٰ متصل ہے اور نہ منقطع، کیونکہ ان میں یقین ضروری ہوتا ہے اس لئے یہاں پر الاّ کو صفت کے معنی میں لیں گے۔ ہاں اگر رجال پر الف لام داخل کردیا جائے تو اب یہ الاّ استثناء کیلئے ہوگا، کیونکہ اس صورت میں زید الرجال کے تحت داخل ہوگا اور مستثنیٰ متصل ہوگا۔

وضعف فی غیرہٖ

اگر مذکورہ شرائط نہ ہوں تو الا کو صفت کے معنیٰ میں لینا ضعیف ہے اور ناجائز اس لئے نہیں کہا کہ بعض نحاۃ کے نزدیک یہ جائز ہے اس وجہ سے ان کی رعایت کرتے ہوئے ضعیف کہہ دیا۔

واعراب سوٰی سواء

صحیح قول کے مطابق سوٰی، سواء وغیرہ بناء بر ظرفیت منصوب ہوں گے، لیکن بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ جس طرح غیر کے اعراب ہیں، سوٰی اور سواء کے بھی وہی اعراب ہوں گے۔

خبر کان واخواتھا ھوالمسند بعد دخولھا

المسند جنس ہے اور بعد دخولھا فصل۔ اس سے انّ کی خبر وغیرہ خارج ہوگئے جیسے کان زیدٌ قائماً۔

وامرهٗ کامر خبر المبتداء ویتقدم معرفةً

کان کی خبر کا حکم بھی وہی ہے جو مبتدا کی خبر کا ہے یعنی مفرد ہونے اور جملہ ہونے میں اور دوسرے احکام میں، لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ اگر مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو خبر کو مبتدا پر مقدم نہیں کر سکتے لیکن اگر کان کا اسم اور خبر دونوں معرفہ ہوں تب بھی کان کی خبر کو مقدم کر سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اسم اور خبر دونوں میں سے ایک پر اعراب لفظی ہو، تا کہ التباس لازم نہ آئے جیسے کان ھٰذا زیدٌ، اور اگر دونوں میں اعراب معنوی ہو تو کان کی خبر کو اس کے اسم سے مقدم نہیں کر سکتے جیسے کان الفتیٰ ھٰذا ،اس لئے کہ یہاں التباس لازم آتا ہے۔

وقد یحذف عاملهٗ

کبھی کبھی کان کی خبر کے عامل یعنی کان کو حذف بھی کیا جاتا ہے اور یہ حذف کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے الناس مجزیون باعمالھم ان خیرًا فخیرٌ وان شرًا فشرٌ اس عبارت میں کان محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے ان کان عملھم خیرًا فجزاؤھم خیرٌ وان کان عملھم شرًا فجز اؤھم شرٌّ

ویجوز فی مثلھا اربعة اوجهٍ

مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں ان شرطیہ کے بعد اسم ہو، اور اس کے بعد فاء جزائیہ ہو اور اس کے بعد ایک اور اسم ہو جیسے ان خیرًا فخیرٌ وان شرًا فشرٌّ اس ترکیب میں چار صورتیں جائز ہیں

(۱) دونوں منصوب ہوں جیسے ان خیرًا فخیرًا تقدیری عبارت یہ ہوگی ان کان عملھم خیرًا فیکون جزاؤھم خیرًا۔

(۲) دونوں مرفوع ہوں جیسے ان خیرٌ فخیرٌ تقدیری عبارت یہ ہوگی، ان کان فی

عملهم خیرٌ فجزاؤهم خیرٌ ۔

(۳) نصبِ اول رفعِ ثانی جیسے **ان خیرًا فخیرٌ** اس کو ماتن یعنی صاحبِ کافیہ نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس میں محذوف عبارت کم نکلتی ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی **اِن کانَ عملهم خیرًا فجزاؤهم خیرٌ**

(۴) رفعِ اول نصبِ ثانی جیسے **ان خیرٌ فخیرًا** تقدیری عبارت یہ ہوگی **ان کان فی عملهم خیرٌ فیکون جزاؤهم خیرًا۔**

ویجب الحذف فی مثل امّا انت منطلقا انطلقت

مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جہاں کانَ کو حذف کرنے کے بعد اس کے عوض میں کوئی اور چیز لائی گئی ہو جیسے **امَا انت منطلقاً انطلقت** اس کی تقدیری عبارت یہ ہے **لِاَنْ کنتَ منطلقاً انطلقت۔**

تعلیل:۔ اول لام کو حذف کیا، کیونکہ اسم تاویلی میں لام بکثرت حذف کرتے ہیں، اس کے بعد کان کو حذف کیا اور ضمیر کان کو متصل سے منفصل میں تبدیل کردیا، اور کان کے عوض ما کو لایا اور نون کو میم میں مدغم کردیا تو **امَّا انت منطلقاً انطلقت** بنا۔ دیکھیں **لِاَن کنت منطلقاً ،اَن کنت منطلقاً ،اَنْ انت منطلقاً ،ان ماانت منطلقاً ،امانت منطلقاً انطلقت .**

سوال:۔ اس جگہ کان کو حذف کرنا کیوں واجب ہے؟

جواب:۔ اس لئے تاکہ عوض اور معوض عنہٗ میں اجتماع لازم نہ آئے۔

اسم ان واخواتها

هو المسندالیه بعد دخولها مثل ان زیدًا قائمٌ

المنصوب بلا التی لنفی الجنس

هو المسند الیه بعد دخولها

سوال:۔ مصنفؒ نے اپنے طرزِ کلام کو کیوں بدل دیا، اسم لاالتی لنفی الجنس کیوں نہیں کہا؟

جواب:۔ اس لئے کہ لائے نفی جنس کا اسم ہر حال میں منصوب نہیں ہوتا بلکہ اکثر بھی منصوب نہیں ہوتا اس وجہ سے مصنفؒ نے المنصوب کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہم صرف اس صورت کو ذکر کر رہے ہیں جہاں لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ عبارت مذکورہ میں مسند الیہ جنس ہے اس میں انَّ کا اسم وغیرہ سب داخل تھے لیکن بعد دخولھا کی قید سے یہ سب خارج ہو گئے۔

یلیها نکرة مضافاً اومشابهاً به مثل لاغلام رجل ظریف فیها، لاعشرین درهماً لك

اگر لائے نفی جنس کا اسم نکرہ ہو اور لائے نفی جنس کے ساتھ متصل ہو اور مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو وہ اسم منصوب ہوگا یہاں لاغلام رجل ظریف فیها مضاف کی اور لا عشرین درهما لک مشابہ مضاف کی مثال ہے۔

مشابہ مضاف وہ اسم ہے کہ جب تک دوسرا کلمہ نہ ملایا جائے اس وقت تک اس کے معنیٰ تمام نہ ہوں۔

فان کان مفردًا فهو مبنیٌّ علی ماینصب به۔

اگر لائے نفی جنس کا اسم نکرہ ہو اور لائے نفی جنس کے ساتھ متصل بھی ہو لیکن مضاف و مشابہ مضاف نہ ہو بلکہ مفرد ہو تو اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی النصب ہوگا جیسے لارجل فی الدار۔

سوال:۔ اس صورت میں یہ مبنی کیوں ہوتا ہے؟

جواب:۔ یہ حرف کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو چونکہ تمام حروف مبنی ہیں تو یہ بھی مبنی ہوگا، اور یہ حرف کے معنی کو متضمن اس طرح ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ لا من رجل فی الدار ۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ اس جملے کے جواب میں بولا جاتا ہے ھل من رجل فی الدار ۔اور جب سوال میں من مذکور ہے تو جواب میں بھی من مذکور ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ المذکور فی السوال کالموعود فی الجواب۔

وان کان معرفة اومفصولا

اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو یا نکرہ ہو لیکن لائے نفی جنس اور اس کے اسم کے درمیان فصل ہو تو اس صورت میں اسم کا مرفوع ہونا اور لا کا تکرار واجب ہے معرفہ کی مثال جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ ،لائے نفی جنس کا اسم نکرہ ہو لیکن اسم اور لا میں فصل ہونے کی مثال جیسے لافیھا رجلٌ ولاامرأة۔

سوال:۔ اس صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مرفوع کیوں ہوتا ہے؟ اور لا کا تکرار کیوں واجب ہے؟

جواب:۔ پہلی صورت میں تو اس لئے کہ لائے نفی جنس اصل میں نکرہ کی صفت کی نفی کے لئے آتا ہے، پس جب یہ معرفہ پر داخل ہوگا تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا اور اسم ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہوگا اور لا کا تکرار اس وجہ سے واجب ہے کہ تا کہ جواب سوال کے موافق ہو جائے کیونکہ لَا زید فی الدار ولا عمرو، اَزید فی الدار ام عمرو ، کے جواب میں بولا جاتا ہے، اور دوسری صورت میں رفع اس لئے واجب ہے کہ لاؔ چونکہ عاملِ ضَعیف ہے جب ترتیب سے آئے تو عمل کرتا ہے اور اگر ترتیب سے نہ آئے تو عمل

نہیں کرسکتا، تو لَافیھا رجل میں چونکہ ترتیب نہیں ہے اس وجہ سے لاَ کا عمل باطل ہو جائے گا اور اسم ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہوگا، اور لا کا تکرار اس وجہ سے واجب ہے کہ تا کہ سوال اور جواب میں موافقت ہو جائے اور سوال یہ ہے، أفي الدارِ رجلٌ ام امرأة۔

ومثل قضية ولا اباحسن لها متأول

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو رفع بھی واجب ہے اور لا کا تکرار بھی، لیکن یہاں پر اباحسن کے معرفہ ہونے کے باوجود نہ تو یہ مرفوع ہے اور نہ لا کا تکرار ہے۔ اور یاحسن معرفہ اس لئے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

جواب:۔ اس میں تاویل کی گئی ہے اور تاویل کی وجہ سے نکرہ ہے، یہ دو طریقوں پر ہے:

(۱) اس میں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یہ ہے لامثل ابی حسن تو اس صورت میں اسم معرفہ نہ ہوا کیونکہ ''مثل'' کی اضافت اگرچہ معرفہ کی طرف ہے لیکن لفظِ مثل کثرتِ ابہام کی وجہ سے معرفہ نہیں بنتا۔ (۲) دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہاں اَبَا حسن سے مراد وصفِ مشہور ہے یعنی اس جگہ علم سے مراد وہ وصف ہے جس کے ساتھ صاحب علم مشہور تھا۔ تو لا ابا حسن لھا کے معنیٰ 'لافیصل لھا' ہوئے، کیونکہ ابوحسن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصف مشہور فیصل اور قاضی ہونا ہے تو یہاں جب علم سے مراد وصفِ مشہور لیا تو علمیت اور تعریف باطل ہوگئی۔

وفی مثل لاحول ولاقوة الا بالله خمسة اوجهٍ

مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لا باعتبار عطف کے مکرّر واقع ہو اور اس کے متصل بعد اسم نکرہ ہو، تو اس میں پانچ قسم کے اعراب جائز ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) دونوں مفتوح جیسے لاحولَ ولاقوةَ الاباللہ، اس صورت میں دونوں لاَ نفی جنس کے

ہوں گے اور اسم نکرہ مفرد ہونے کی وجہ سے مبنی علی الفتح ہوگا۔

(۲) پہلا مفتوح اور دوسرا منصوب جیسے لاحولَ ولاقوةً الاباللہ ۔اس صورت میں پہلا لانفی جنس کا ہوگا اور دوسرا زائدہ اور قوةً کا عطف حولَ کے لفظ پر ہوگا۔

(۳) پہلا مفتوح دوسرا مرفوع جیسے لاحولَ ولاقوةٌ الاباللہ ۔ پہلا لانفی جنس کا اور دوسرا زائدہ ہوگا اور قوۃ کا عطف حولَ کے محل پر ہوگا اور حولَ محلاً مرفوع ہے۔

(۴) دونوں مرفوع ہوں جیسے لاحولٌ ولاقوةٌ الاباللہ ۔اس صورت میں دونوں لا زائدہ ہوں گے اور اسم ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہوگا تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے اور وہ سوال یہ ہے کہا أبغیر اللہ حولٌ وقوةٌ تو اس کے جواب میں لاحولٌ ولاقوةٌ الخ کہا جاتا ہے۔

(۵) پہلا مرفوع اور دوسرا مفتوح جیسے لاحولٌ ولاقوةَ الاباللہ ۔اس صورت میں پہلا لا مشابہ بلیس کا اور دوسرا لانفی جنس کا ہوگا، مگر یہ ترکیب ضعیف ہے کیونکہ لا ،لیس کے معنی میں بہت کم آتا ہے۔

واذا دخلت الهمزة لم يتغير العمل

اگر لائے نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو اس کا عمل باطل نہیں ہوگا جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہے گا مبنی تھا تو مبنی ،معرب تھا تو معرب ہی رہے گا وغیرہ۔ہاں البتہ اس ہمزہ کے معنی کبھی تو (۱) استفہام کے ہوں گے جیسے الارجل فی الدار (۲) اور کبھی عرض کے جیسے الا نزول عندی (۳) اور کبھی تمنی کے جیسے الاماءَ اشربہ لیکن اگر لائے نفی جنس پر حرفِ جر داخل ہو تو وہ عمل کرے گا جیسے اذیتنی بلاجرمٍ۔

ونعت المبني الاول مفردًا يليه مبني ومعرب رفعاً ونصباً مثل لارجل ظريفَ وظريفٌ وظريفاً

اسم مبنی کی نعتِ اول جب کہ وہ نکرہ بھی ہو اور متصل بھی ہو تو اس نعت کو مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں اور معرب بھی، اور معرب کی صورت میں رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ مثال میں ظاہر ہے۔

فوائد قیود:۔ ونعت المبني: (۱) مبنی کہہ کر اس عبارت کو نکال دیا لاغلام رجل ظريفاً في الدار کیونکہ اس عبارت میں غلام جو کہ لائے نفی جنس کا اسم ہے یہ مبنی نہیں بلکہ معرب ہے۔

(۲) الاول کی قید سے صفتِ ثانی وثالث خارج ہوگئی جیسے لارجل ظريف كريم في الدار۔

(۳) مفرد کہہ کر مضاف وغیرہ سے احتراز کیا ہے جیسے لارجل حسن الوجه، یہاں حسن الوجہ اگرچہ نعتِ اول ہے مگر مفرد نہیں ہے بلکہ مضاف ہے۔

(۴) يليه کی قید سے وہ نعت خارج ہوگئی جو لائے نفی جنس کے اسم کے ساتھ متصل نہیں جیسے لاغلام فيها ظريفٌ۔

وجوہِ اعراب:۔ پہلی صورت میں اس کو مبنی علی الفتح تو اس لئے پڑھیں گے کہ یہ قاعدہ ہے کہ کلام منفی جب کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو حقیقت میں وہ نفی قید پر داخل ہوتی ہے تو لارجل ظريف کی تقدیری عبارت یوں ہوگی لاظريفٌ تو چونکہ ظریف نکرہ مفرد ہے۔ اس وجہ سے مبنی علی الفتح ہوگا، کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفرد ہو تو مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ اس کو معرب پڑھنا بھی قاعدے کے تحت ہے کیونکہ یہ تابع ہے اور تابع میں یہ قاعدہ ہے کہ وہ اعراب میں متبوع کے تابع ہوتا ہے نہ کہ بناء میں۔ اس لئے کہ بناء تو ایک عارضی چیز ہے

اوراسم میں اصل اعراب (معرب ہونا) ہے۔اب اگر ظریف کورجل کے محل پرحمل کریں تو مرفوع پڑھیں گے، کیونکہ رجل محلا مرفوع ہے اورلفظ پر حمل کر کے منصوب پڑھیں گے کیونکہ رجل لفظاً منصوب ہے۔

والافالاعراب

یعنی اگر نعت میں مذکورہ شرائط نہ پائی جائیں تو اس صورت میں اس نعت کوصرف معرب ہی پڑھ سکتے ہیں مبنی نہیں، البتہ اس پر رفع اورنصب دونوں پڑھ سکتے ہیں، تفصیل فوائدِ قیود میں مذکور ہے۔

والعطف علی اللفظ وعلی المحل جائز فی مثل لااب وابناً وابنٌ

مصنفؒ اسم مبنی کی صفت کے احکام سے فارغ ہونے کے بعد عطف کے احکام بیان فرمارہے ہیں تو فرمایا کہ اسم مبنی کے لفظ اور محل دونوں پر عطف کر سکتے ہیں بشرطیکہ لا مکرر واقع نہ ہواور معطوف نکرہ ہو۔جیسے لااب وابناً میں ابنٌ کواَب کے لفظ پر عطف کر کے منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں اوراَب کے محل پر عطف کر کے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ اَب محلاً مرفوع ہے۔ یہ شعر فرزدق شاعر کا ہے پورا شعر یوں ہے۔

لااب وابناًمثل مروان وابنہٖ اذھو بالمجد ارتدٰی وتازرا

ترجمہ:۔ مروان اوراس کے بیٹے کی طرح کوئی باپ اور بیٹا نہیں کیونکہ مروان نے بزرگی کی قمیص شلوار (پوشاک) پہنی ہے (چونکہ باپ کی بزرگی بیٹے کی بزرگی ہوتی ہے تو گویا دونوں ہی سے بزرگی ٹپکتی ہے (اس ابناً کو ابنٌ بھی پڑھ سکتے ہیں جیسے کہ پہلے مذکور ہے)

فوائدقیود:۔ (۱) لا مکرر نہ ہواس لئے کہ اگر لا مکرر ہوگا تو لاحول ولاقوۃ جیسی ترکیب بن

جائے گی۔

(۲) معطوف نکرہ ہو معرفہ نہ ہو کیونکہ اگر معرفہ ہوگا تو مرفوع پڑھنا واجب ہوگا کیونکہ لاَ عمل نہیں کرے گا جیسے **لا غلام لک والفرس** تو یہاں الفرس کا عطف صرف غلام کے محل پر ہوگا اور مرفوع پڑھنا واجب ہوگا۔

ومثل لا اباًلهٗ ولاغلامی لهٗ جائز تشبها له بالمضاف

مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جہاں لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لامِ اضافت ہو اور لائے نفی جنس کے اسم پر اضافت کے احکام جاری کیے گئے ہوں۔

مذکورہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفرد ہو تو مبنی علی الفتح ہوگا، تو ہم آپ کو ایسی ترکیب بتاتے ہیں جس میں لائے نفی جنس کا اسم نکرہ تو ہے مگر مبنی نہیں جیسے مثال مذکور میں ابا اور غلامی لائے نفی جنس کا اسم ہے مگر مبنی نہیں بلکہ معرب ہیں کیونکہ اگر مبنی ہوتے تو لا ابَ له و لا غلامین له ہونا چاہیے تھا۔

جواب:۔ یہاں پر لائے نفی جنس کا اسم نکرہ مفرد نہیں بلکہ مشابہ مضاف ہے اس وجہ سے ہم نے اس پر مفرد کے احکام جاری نہیں کیے، اور اس کی مشابہت مضاف کے ساتھ اصل معنیٰ میں ہے، اور وہ ہے اختصاص یعنی مضاف میں اصل معنیٰ اختصاص ہوتا ہے اور یہاں بھی اختصاص پایا جاتا ہے کیونکہ اَب، ابن کے ساتھ خاص ہے اور غلام، مولیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

ومن ثم لم یجز لا ابا فیها

پہلی والی یعنی لا ابالهٗ و لا غلامی لهٗ کی ترکیب تو اس وجہ سے جائز تھی کہ اس میں مضاف کے ساتھ اختصاص کے معنیٰ میں مشابہت تھی، تو لا ابا فیها میں چونکہ اختصاص کے معنی نہیں

پائے جاتے، کیونکہ "فیھا" کی ضمیر کا مرجع "دار" ہے اور اب اور دار میں اختصاص نہیں اس وجہ سے یہ ترکیب درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہاں لائے نفی جنس کا اسم نکرہ مفرد ہونے کے باوجود مبنی علی الفتح نہیں۔

ولیس بمضاف لفساد المعنیٰ خلافاً لسیبویه

اس عبارت کا تعلق پہلی مثال سے ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے **لا ابا لهٗ و لا غلامی لهٗ** میں یہ کہا تھا کہ یہاں لائے نفی جنس کا اسم مشابہ مضاف ہے تو امام سیبویہ اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس مثال میں یعنی **لا ابـالـه اور لا غلامی لـهٗ** دونوں میں لام زائدہ ہے اور یہ ترکیب مشابہ مضاف کی نہیں بلکہ مضاف ہی کی ہے اصل عبارت یوں ہے **لا ابـــاه و لا غـلامیه** ،تو مصنف رحمہ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا کہ **لیـس بـمـضـاف لفساد الـمـعـنیٰ** یہاں ہم اس کو مضاف نہیں مان سکتے ورنہ لفظاً و معناً خرابی لازم آئے گی اور لفظاً دو طریقوں سے خرابی لازم آتی ہے اور وہ یہ کہ (۱) اگر ہم اس کو مضاف مان لیں تو لاؔ کا معرفہ پر داخل ہونا لازم آئے گا حالانکہ جب لاؔ معرفہ پر داخل ہوتا ہے تو وہاں اس کا عمل باطل ہوجاتا ہے اور اسم کو مرفوع پڑھنا اور لاؔ کا مکرر لانا واجب ہوتا ہے جب کہ یہاں ایسا نہیں۔(۲) دوسرا اس وجہ سے کہ اگر ہم یہاں مضاف مان لیں تو خبر کا حذف کرنا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں اور وہ اس طرح کہ یہاں **لا ابالهٗ** میں **لا** نفی جنس کا ہے اور ابا اس کا اسم ہے اور **لـهٗ** اس کی خبر ہے اور اگر عبارت یوں بنائیں **لا ابـاه** تو **لا** نفی جنس کا ہوگا **ابـاهٗ** اس کا اسم اور خبر کو محذوف نکالنا پڑے گا۔

اور معنیٰ خرابی اس طرح لازم آئے گی کہ یہاں **لا ابالهٗ و لا غلامی لهٗ** سے متکلم کا مقصود یہ ہے کہ اس کا باپ نہیں اور اس کے دو غلام نہیں، یعنی متکلم ان کے وجود کے نفی کرنا چاہتا ہے یعنی بالکل اس کا باپ ہی نہیں اور بالکل اس کا کوئی غلام ہی نہیں کیونکہ نکرہ تحت النفی واقع

ہوتو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔اوراگر لا اباہٗ و لا غلامیہ کہو گےتو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ فلاں کے دوغلام اورفلاں کا باپ ابھی نہیں یعنی ان کا وجود تو معلوم ہے لیکن ابھی موجود نہیں یا تھے اب فوت ہو گئے ہیں۔

ویحذف کثیرًافی مثل لاعلیك ای لاباس علیك

مثال سے مراد ہر وہ ترکیب جہاں لائے نفی جنس کی خبر مذکور ہواوراسم کسی قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی بناء پر حذف کیا ہو، جیسے لاعلیک یہاں قرینہ یہ ہے کہ لائے نفی جنس حرف پر داخل ہے، حالانکہ لائے نفی جنس اسم پر داخل ہوتا ہے نہ کہ حرف پر۔

خبر ماولاالمشبهتین بلیس هوالمسندبعد دخولهما

منصوبات میں آخری منصوب ما و لاالمشبھتین بلیس کی خبر ہےاور مَا و لا کی مشابہت لیس کے ساتھ نفی میں اور جملہ اسمیہ میں داخل ہونے میں اور اسم کو رفع دینے اور خبر کو نصب دینے میں ہے۔

فوائد قیود:۔ تعریف میں ھو جنس ہے جب مسند کہہ دیا تو مسندالیہ خارج ہو گیا یعنی مبتداء اوراِنَّ کا اسم وغیرہ خارج ہو گئے اور جب بعد دخولھما کہا تو وہ اسم بھی خارج ہو گیا جو مسند تو ہوتا ہے لیکن ما و لا کے دخول کی وجہ سے نہیں مثلاً کان کی خبر وغیرہ۔

وهی لغة حجازیة

ماولا اہلِ حجاز کے نزدیک عامل ہیں لیکن بنوتمیم کے نزدیک ماولا کوئی عامل نہیں ان کی دلیل یہ شعر ہے۔

ومهفهف کالغصن قلت له انتسب فاجاب ماقتلُ المحب حرامُ

یہاں ماقتل المحب حرام میں قتل المحب بھی مرفوع ہےاور حرام بھی مرفوع ہے اگر ما عمل کرتا تو حرام کو منصوب ہونا چاہیئے تھا۔لیکن بنوتمیم کا مذہب درست نہیں کیونکہ

قرآن میں خودموجود ہے کہ مانے عمل کیا ہے جیسے ماھذا بشرًا اور ماھنّ امھاتھم بنوتمیم کے اس شعر کا جواب یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا شعر بتائیں جو حجازی شاعر کا ہو، یہ تو آپ کے اپنے شاعر کا شعر ہے جو کہ معتبر نہیں۔(اس کے اور بہت سے جواب ہیں)

واذازید ت ان مع..... بطل العمل

تین صورتوں میں ماولا کا عمل باطل ہو جاتا ہے(۱) اگر ما اور لا کے بعد اِن کو داخل کریں یا (۲) اِلا کے ذریعے ان کی نفی کو زائل کریں یا (۳) ان کی خبر کو اسم پر مقدم کریں تو ان کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔

(۱) پہلی صورت میں تو اس لئے کہ ما اور لا ضعیف عامل ہیں جب ان کے اور ان کے اسم کے درمیان فصل آگیا تو یہ عمل نہیں کر سکتے جیسے ماان زیدٌ قائمٌ۔

(۲) دوسری صورت میں اس لئے کہ چونکہ ماولا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں جب الا کے ذریعے ان کی نفی کو ختم کر دیا جائے تو یہ عمل نہیں کر سکتے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ شئی جو نفی کی وجہ سے عمل کرتی ہے جب اس کی نفی کو ختم کر دیا جائے تو وہ عمل نہیں کر سکتی، جیسا کہ لفظِ غیر کے اعراب سے پہلے گزر گیا ہے۔ جیسے مازیدٌ الا قائمٌ

(۳) تیسری صورت میں اس لئے عمل باطل ہوتا ہے کہ ما اور لا عمل میں ضعیف ہیں ان کا اسم اور خبر اگر ترتیب سے ہوں تو یہ عمل کرتے ہیں ورنہ نہیں جیسے ماقائمٌ زیدٌ۔

واذاعطف علیه بموجب فالرفع

اگر ماولا کی خبر پر ایسے حرف کے ذریعے عطف کیا جائے جو نفی کے بعد ایجاب کا فائدہ دیتا ہو تو اس صورت میں معطوف پر رفع پڑھنا واجب ہوتا ہے اگرچہ معطوف علیہ منصوب ہی ہوگا، جیسے مازیدٌ قائماً بل قاعدٌ اور یہ اس وجہ سے کہ چونکہ ماولا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں تو اب حرفِ ایجاب نے (مثلاً یہاں حرف بَل نے) اس کی نفی کو ختم کر دیا

تو معطوف کو ماقبل یعنی معطوف علیہ کے محل پر عطف کر کے مرفوع پڑھیں گے۔حروفِ ایجاب بل اور لٰکن ہیں۔

تمت المنصوبات اللّٰھمَّ لاتحرمنا یوم الحساب.

المجرورات

هوما اشتمل على علم المضاف اليه

مجروارت پر اعراب کون سے ہیں؟ ھو ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب (المرفوعات هوما اشتمل على علم الفاعلية) کے تحت دیکھ لیا جائے۔

سوال:۔ مجرورات جمع کیوں لایا؟ حالانکہ مجرور تو صرف مضاف الیہ ہوتا ہے، اور وہ ایک ہے تو مفرد کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنا درست نہیں پھر یہاں جمع کا صیغہ کیوں لایا؟

جواب:۔ مجرورات یہاں جمع کا صیغہ اس لئے لایا کہ مجرور اگر چہ مضاف الیہ ہی ہوتا ہے مگر مجرور کی کئی قسمیں ہیں اس وجہ سے جمع کا صیغہ لایا۔ان کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

المضاف اليه كل اسم نسب اليه شيء بواسطة حرف الجرِّ لفظاً اوتقديرًا مرادًا

مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی شئی کی نسبت ہو حرفِ جر کے ذریعے، چاہے وہ شئی اسم ہو جیسے غلامُ زید یا فعل ہو جیسے مررت بزید ۔اور حرفِ جر چاہے لفظوں میں مذکور ہو جیسے مررت بزید۔یا تقدیرًا ہو لیکن حرفِ جر تقدیرًا ہونے کی صورت میں اس کا اثر ظاہر ہونا چاہئے جیسے غلام زیدٍ اصل میں یہ غلام لزیدٍ تھا تو یہاں ترکیب میں اگر چہ حرفِ جر موجود نہیں مگر اس کا اثر موجود ہے یعنی زید مجرور ہے اور یہاں مرادًا کہہ کر اس ترکیب کو خارج کر دیا جہاں حرفِ جر تقدیرًا تو موجود ہو لیکن اس کا اثر موجود نہ ہو جیسے مفعول فیہ مثلاً صمت یوم الجمعة یہ اصل میں صمت فی یوم الجمعة تھا مگر اب اس

میں فی کے مقدر ہونے کی وجہ سے یوم پر نصب ہے یعنی فی کا اثر ظاہر نہیں۔

فالتقدیر : شرطهٗ ان یکون المضاف اسماً مجردًا تنوینه

وہ اضافت جو تقدیراً حرفِ جر کے ساتھ ہو اس کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) مضاف اسم ہو کیونکہ اضافت کے لوازمات تعریف، تخصیص اور تخفیف اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ اور اگر فعل ہو تو حرفِ جر کا تلفظ ضروری ہے۔ (۲) تنوین سے خالی ہو۔

سوال:۔ مضاف کے لئے جس طرح تنوین سے خالی ہونا ضروری ہے اسی طرح نون تثنیہ اور نون جمع سے خالی ہونا بھی ضروری ہے۔ پھر مصنفؒ نے ان کو کیوں نہیں ذکر کیا؟

جواب:۔ تنوین اصل ہے اس لئے صرف اس کو ذکر کیا، کیونکہ اصل کو ذکر کر کے فرع کو ترک کرنا درست ہے۔

سوال:۔ مضاف کا تنوین، نون تثنیہ اور نون جمع سے خالی ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب:۔ کیونکہ یہ چیزیں اسم کے تام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اسم تام انفصال کو چاہتا ہے اور اضافت اتصال کو چاہتی ہے اس وجہ سے یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے، تو معلوم ہوا کہ جب اتصال اور انفصال ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، تو اس وجہ سے تنوین، نون تثنیہ، نون جمع اور مضاف بھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے تو مضاف کا ان سب سے خالی ہونا ضروری ہے۔

لاجلها

یعنی یہ تنوین وغیرہ اضافت کی وجہ سے گر گئے ہوں اور اگر اضافت کی وجہ سے نہیں گرے تو اس سے ہماری بحث نہیں ہے جیسے **الغلام** یہاں آخر سے تنوین گری تو ہے لیکن اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے گری ہے تو یہاں الغلام مضاف نہیں ہو سکتا اس لئے **الغلام زید** کی ترکیب درست نہیں۔

وهی معنوية ولفظية

وہ اضافت جو حرفِ جر کی تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔(۱) معنویہ (۲) لفظیہ۔

اضافتِ معنویہ کو معنویہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ معنی کی طرف منسوب ہوتی ہے یعنی اس اضافت کی وجہ سے تعریف اور تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو کہ معنی سے تعلق رکھتا ہے اور اضافتِ لفظیہ کو لفظیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے صرف لفظ میں تخفیف آتی ہے۔

فالمعنوية ان يكون المضاف غير صفة مضافة الىٰ معمولها

مصنفؒ یہاں سے اضافت معنویہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر پہلے اضافت لفظیہ کی تعریف کی جائے تو اضافت معنویہ کی تعریف آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

اضافت لفظیہ اس کو کہتے ہیں جہاں مضاف صیغہ صفت ہو اور وہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف، گویا اضافت لفظیہ میں دو شرطیں ہیں (۱) مضاف صیغہ صفت ہو (۲) اپنے معمول کی طرف مضاف ہو اور اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک یا دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو وہ اضافت معنویہ کہلائے گی۔ اضافت لفظیہ کی مثال جیسے حسن الوجہ یہاں مضاف صیغہ صفت ہے اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہے کیونکہ الوجہ اس کا فاعل ہے۔

اب اضافت معنویہ کی تعریف پر غور کیجئے۔ اضافتِ معنویہ اس کو کہتے ہیں جہاں پر مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو جو مضاف ہو اپنے معمول کی طرف (معمول سے مراد فاعل ومفعول ہے) جیسے غلام زید۔ یہاں غلام مضاف ہے جو کہ صیغہ صفت نہیں اور زید کی طرف مضاف ہے زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول۔ اگر مضاف صیغہ صفت ہو لیکن اپنے غیر معمول کی طرف مضاف ہو تو اسے بھی اضافتِ معنویہ کہتے ہیں جیسے کریم البلد اور مصارع مصر

وغیرہ۔ ان دونوں مثالوں میں مضاف صیغہ صفت ہے پہلی مثال میں صفت مشبہ اور دوسری مثال میں اسم فاعل کا صیغہ ہے لیکن یہ اپنے غیر معمول کی طرف مضاف ہیں۔ یعنی ان مثالوں میں نہ بلد فاعل یا مفعول ہے اور نہ مصر فاعل یا مفعول ہے۔

وهی امابمعنی اللام

اضافتِ معنویہ کی اقسام۔

اضافتِ معنویہ کی تین قسمیں ہیں (۱) بمعنی اللام (۲) بمعنی من (۳) بمعنی فی۔

(۱) اگر مضاف الیہ مضاف کی جنس نہ ہو اور اس کے لئے ظرف بھی نہ ہو تو اس کو اضافت بمعنی لام اور اضافتِ لامیہ کہتے ہیں جیسے غلام زید اصل میں غلام لزید تھا۔ تو یہاں مضاف الیہ (زید) جنس مضاف (غلام) کی جنس بھی نہیں۔ اور اس کے لئے ظرف بھی نہیں۔ (جنس کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر بھی صادق آئے اور اس کے غیر پر بھی صادق آئے یعنی مضاف اور مضاف الیہ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہو جیسے خاتم اور فضة میں)

(۲) اگر مضاف الیہ مضاف کیلئے جنس ہو تو اسے اضافت بمعنی من، اضافتِ منیہ اور اضافتِ بیانیہ بھی کہتے ہیں جیسے خاتم فضةٍ اصل میں خاتم من فضةٍ تھا۔ یہاں فضہ جنس اس طرح ہے کہ فضہ خاتم اور غیر خاتم دونوں پر صادق آتی ہے۔

(۳) اگر مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو تو اسے اضافتِ ظرفیہ اور اضافت بمعنی فی کہتے ہیں جیسے ضرب الیوم اصل میں ضرب فی الیوم تھا اور یہ بہت کم استعمال ہوتی ہے۔

وتفيد تعريفاً

فوائدِ اضافتِ معنویہ۔اضافتِ معنویہ کے دوفائدے ہیں۔

(۱) تعریف کا فائدہ (۲) تخصیص کا فائدہ (تخصیص سے مراد قلتِ اشتراک ہے) یعنی اگر مضاف الیہ معرفہ ہوتو مضاف تعریف کا فائدہ دے گا۔جیسے غلام زید،اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہوتو مضاف تخصیص کا فائدہ دے گا جیسے غلام رجل یہاں تخصیص اس طرح ہے کہ پہلے غلام عام تھا مرد وعورت دونوں کا ہوسکتا تھا، جب رجل کہا تو خاص ہو گیا کہ مرد کا غلام ہے عورت کا نہیں۔

وشرطها تجريد المضاف من التعريف

اس اضافت کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف معرفہ نہ ہو، کیونکہ اگر مضاف معرفہ ہوگا تو دو قباحتوں میں سے ایک لازم آئے گی ۔وہ اس طرح کہ مضاف الیہ یا تو معرفہ ہوگا یا نکرہ (۱) اگر مضاف الیہ بھی معرفہ ہوتو تحصیلِ حاصل لازم آئے گا جو کہ قبیح ہے (۲) اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہوتو اس صورت میں حصولِ اعلیٰ کی موجودگی میں طلب ادنیٰ لازم آئے گی، یعنی معرفہ جو کہ اعلیٰ ہے اس کی موجودگی میں ادنیٰ یعنی نکرہ کا طلب کرنا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں۔

وما اجازهُ الكوفيون من الثلثة الاثواب وشبههٔ من العدد ضعيف

یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے ہم آپ کو ایسی ترکیب دکھاتے ہیں جہاں مضاف معرفہ ہے جیسے الثلاثة الاثواب اور دوسری وہ ترکیبیں جہاں عدد اپنی تمیز کی طرف مضاف ہو اور اہلِ کوفہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

جواب:۔ یہ ضعیف ہے کیونکہ فصیح لغت میں ثلاثة الاثواب کہا جاتا ہے الخمسة الدراھم، الثلثة الاثواب نہیں کہا جاتا۔

واللفظية ان يكون المضاف صفة مضافة الىٰ معمولها

اضافتِ لفظیہ اسے کہتے ہیں جہاں مضاف صیغہ صفت ہو اور وہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف جیسے ضارب زیدٍ میں ضارب صیغہ صفت بھی ہے اور زید اس کا معمول ہے کیونکہ اضافت سے پہلے زید مفعول واقع تھا جیسا کہ معنی سے ظاہر ہے (زید کا مارنے والا) پہلی مثال یعنی ضارب زید میں مضاف اسم فاعل ہے اور مفعول کی طرف مضاف ہے اور دوسری مثال یعنی حسن الوجه میں مضاف صفت مشبہ ہے اور فاعل کی طرف مضاف ہے۔

ولاتفيد الاتخفيفا فى اللفظ

اضافتِ لفظیہ کا فائدہ:۔ اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیتی ہے معنی کے اعتبار سے اس کا کوئی فائدہ نہیں اور تخفیف کبھی تو تنوین حذف ہونے سے حاصل ہوگی جیسے ضارب زید اور کبھی نونِ تثنیہ اور نون جمع کے حذف ہونے سے جیسے ضاربازید در ضاربوا زید اور کبھی مضاف الیہ سے ضمیر حذف ہوگی جیسے زید قائم غلامه سے زید قائم الغلام

ومن ثم جازمررت برجل حسن الوجه وامتنع بزيدحسن الوجهِ

یہاں سے مصنف نے دو تفریعیں کی ہیں (۱) ایک اس بات پر کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔ (۲) دوسری اس بات پر کہ اضافتِ لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔

پہلی تفریع:۔ اضافتِ لفظیہ چونکہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی ہے اس وجہ سے مررت برجل حسن الوجه کی ترکیب درست ہے اور مررت بزیدٍ حسن الوجه کی

ترکیب درست نہیں۔ پہلی ترکیب اس وجہ سے درست ہے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، تو رجل موصوف ہوگا اور حسن الوجہ مضاف ،مضاف الیہ ملکر صفت ہوگی اور موصوف صفت میں مطابقت بھی پائی گئی ، کیونکہ دونوں نکرہ ہیں اور دوسری ترکیب (یعنی مررت بزیدِ حسن الوجه) درست نہیں کیونکہ زید یہاں موصوف ہے اور معرفہ ہے اور حسن الوجہ صفت واقع ہے جو کہ نکرہ ہے چونکہ موصوف صفت میں مطابقت نہیں پائی گئی اس وجہ سے یہ ترکیب درست نہیں اور حسن الوجہ اس وجہ سے نکرہ ہے کہ یہاں جو اضافت ہے وہ اضافتِ لفظیہ ہے اور آپ نے ابھی پڑھا ہے کہ اضافتِ لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔

دوسری تفریع:۔ دوسری تفریع اس بات پر ہے کہ اضافتِ لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ جب اضافتِ لفظیہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تو الضاربازید اور الضاربوا زید کی ترکیب درست ہے اور الضارب زیدٍ کی ترکیب درست نہیں یہاں پہلی دونوں ترکیبیں درست ہیں کیونکہ ان میں تخفیف آئی ہے ،یعنی اضافت کی وجہ سے تثنیہ اور جمع کا نون گر گیا ہے اور نون تثنیہ اور جمع کے اضافت کی وجہ سے گرنے کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم یہاں سے اضافت ختم کردیں اور زید کو ہٹادیں تو نون واپس آجائے گا۔جیسے الضاربان ،الضاربون اور آخری ترکیب یعنی الضارب زید کی ترکیب اس لئے درست نہیں کہ یہاں پر اضافت کی وجہ سے کسی قسم کی تخفیف نہیں آئی ، کیونکہ الضارب سے تنوین الف لام کی وجہ سے گر گئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں گری۔

خلافاً للفراء

امام فراء کے نزدیک الضارب زید کی ترکیب بھی درست ہے اس پر امام فراء نے چار دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) امام فراء کی پہلی دلیل یہ ہے کہ الضارب زید میں اضافت کی وجہ سے تخفیف آئی ہے

اوراس سے تنوین اضافت کی وجہ سے حذف ہوئی ہے لہذا یہ ترکیب جائز ہے اصل میں یہ دلیل نہیں بلکہ ان کا وہم ہے۔

جمہور نحاۃ کی دلیل:۔ جمہور نحاۃ کے نزدیک یہ ترکیب درست نہیں کیونکہ یہاں تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے حذف ہوگئی ہے۔ جمہور نحاۃ کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہاں سے ہم اضافت کو ختم کردیں پھر بھی الضارب پر تنوین نہیں آتی، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے گری ہے۔ اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ الف لام شروع میں آتا ہے اور اضافت آخر میں تو معلوم ہوا کہ یہاں سے تنوین الف لام کی وجہ سے حذف ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

وضعف : الواهب المائةِ الهجانِ وعبدِها

(۲) فراء کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہاں اس شعر میں عبدها کا عطف المائة پر ہے اور قانون یہ ہیکہ جو معطوف علیہ کا عامل ہوتا ہے وہ معطوف کا بھی عامل ہوتا ہے لہذا الواهب کی اضافت جس طرح مائة کی طرف ہے اسی طرح عبدها کی طرف بھی ہوگی تو گویا عبارت یوں ہوئی کہ الواهب عبدِها جیسے جاءَ زید وعمرو کی ترکیب گویا یوں ہے جاء زید جاء عمرو تو جب الواهب عبدها کی ترکیب درست ہے تو الضارب زید کی ترکیب بھی درست ہونی چاہیئے۔

جمہور کا جواب: اس سے استدلال ضعیف ہے کیونکہ (۱) ہوسکتا ہے کہ عبدها کا عطف المائۃ پر ہو ہی نہیں بلکہ یہ واؤ بمعنی مع کے ہوکر مفعول معہٗ واقع ہو۔

(۲) کبھی ایک چیز عطف کے ذریعہ ذکر کی جائے تو وہ صحیح ہوتی ہے اور بغیر عطف کے نہیں جیسے رُبَّ شاةٍ وسخلتها میں ربَّ عطف کے ذریعہ معرفہ پر داخل ہے جب کہ ربَّ صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اس میں اور بھی احتمال موجود ہیں تو اس کو دلیل

بنانا درست نہ ہوا۔ یہ شعر اعشی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے

الواهب المائة الهجان وعبدها عوذًا يزجي خلفها اطفالها

ترجمہ: میرا ممدوح سو (۱۰۰) سفید اونٹنیوں اور ان کے چرواہوں کو بخش دینے والا ہے اس حال میں کہ وہ اونٹنیاں نوزائیدہ بچوں والی ہیں اور یہ چرواہے ان اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو ہانکتے ہیں۔

وانّما جاز الضارب الرجل الخ

(۳) امام فراء کی تیسری دلیل یہ ہے کہ الضارب زید کی ترکیب الضارب الرجل کی طرح ہے وہ اس طرح کہ دونوں ترکیبوں میں مضاف اسم فاعل معرف باللام ہے اور مضاف الیہ معرفہ ہے تو جب الضارب الرجل کی ترکیب تمام نحاۃ کے نزدیک جائز ہے تو الضارب زید کی ترکیب بھی جائز ہونی چاہیئے۔

جمہور نحاۃ کی طرف سے جواب:۔ الضارب الرجل کی ترکیب کے صحیح ہونے کی دلیل کوئی اور ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم الضارب الرجل کی ترکیب کو الحسن الوجہ کے مختار قول پر حمل کرتے ہیں (حالانکہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ ترکیب بھی جائز نہ ہو) اور الحسن الوجہ کا مختار قول الوجہ کے مجرور پڑھنے کا ہے یہاں الضارب الرجل کو الحسن الوجہ کے مختار قول پر اس وجہ سے حمل کرتے ہیں کہ یہ دونوں ترکیبیں دو امروں میں مشترک ہیں۔

(۱) دونوں ترکیبوں میں مضاف صیغہ صفت ہے اور معرف باللام بھی ہے۔

(۲) دونوں میں مضاف الیہ اسم جنس اور معرف باللام ہے اور الضارب زید کی ترکیب کو الضارب الرجل کی ترکیب پر حمل نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں مطابقت تامہ نہیں۔

فائدہ:۔ الحسن الوجہ کا مختار قول مجرور پڑھنے کا کیوں ہے؟ اور اس کی مزید تفصیل صفت مشبہ کی بحث میں دیکھیں۔

والضاربك وشبهه الخ

اس سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں صیغہ صفت کے ساتھ ضمیر متصل لگی ہوئی ہو۔

(۴) امام فرّاء کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ الضارب زید کی ترکیب الضاربک کی طرح ہے جب الضاربک کی ترکیب درست ہے تو الضارب زید کی ترکیب بھی درست ہونی چاہیئے، کیونکہ الضاربک میں بھی تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے گری ہے۔

جواب (۱):۔ یہاں اضافت ہے ہی نہیں بلکہ یہاں کاف ضمیر مفعولیت کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور اس کی تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے گر گئی ہے اور الف لام بمعنی الّذی کے ہے اور ضارب بمعنی ضرب کے۔تب کوئی اشکال ہی نہ رہا۔

جواب (۲):۔ اس کو ہم نے ضاربک کی ترکیب پر محمول کیا ہے چونکہ ضاربک کی ترکیب جائز ہے اس وجہ سے الضاربک کی ترکیب بھی جائز ہوگی اور ضاربک میں جو تنوین گری ہے وہ کاف ضمیر کے اتصال کی وجہ سے گری ہے نہ کہ الف لام کی وجہ سے اور یہاں ضاربک کی اضافت کاف ضمیر کی طرف اس وجہ سے ہوئی ہے کہ نحوی جب اسم فاعل ومفعول (جب الف لام سے خالی ہو) کا اتصال کاف ضمیر کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں اضافت کا التزام کرتے ہیں اور اس اضافت سے مقصود تخفیف نہیں ہوتی۔
اور الضاربک کو ضاربک پر حمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں مضاف اسم فاعل ہے اور مضاف الیہ ضمیر متصل ہے لیکن الضارب زید کو اس پر محمول نہیں کر سکتے کیونکہ ان دونوں میں مطابقت تامہ نہیں ہے۔

ولا یضاف موصوف الیٰ صفة ولا صفة الیٰ موصوف

قاعدہ یہ ہے کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف درست نہیں۔

(۱) موصوف کی اضافت صفت کی طرف اس وجہ سے درست نہیں کہ ترکیب اضافی اور ترکیب توصیفی ایک دوسرے کے مغایر ہوتے ہیں وہ اس طرح کہ صفت موصوف کی عین ہوتی ہے اور مضاف الیہ مضاف کا غیر ہوتا ہے تو جب ہم موصوف کی اضافت صفت کی طرف کریں گے تو وہ عینیت جو پائی جا رہی تھی ختم ہو جائے گی اور عینیت، غیریت میں تبدیل ہو جائے گی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت میں اعراب میں مطابقت ضروری ہے لیکن جب اضافت کریں گے تو وہ مطابقت باقی نہیں رہے گی۔ جیسے رجلٌ عالمٌ سے رجلُ عالمٍ نہیں کہہ سکتے۔

(۲) صفت کی اضافت موصوف کی طرف اس وجہ سے درست نہیں کہ اگر صفت کی اضافت موصوف کی طرف کریں تو دو (۲) خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی۔

(۱) اگر صفت کو مقدم کر کے مضاف بنائیں تو صفت کو موصوف پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔ جیسے رجلٌ عالمٌ سے عالمُ رجل تو یہاں عالم صفت کو رجل موصوف پر مقدم کر دیا

(۲) اگر صفت کو مقدم کیے بغیر مضاف مانیں تو مضاف الیہ کا مضاف پر مقدم کرنا لازم آئے گا۔ جیسے رجلٌ عالمٌ میں عالم کی اضافت رجل کی طرف کر دیں لیکن عالم کو مقدم نہ کریں یعنی رجلٍ عالمٌ کی ترکیب یوں کر دیں کہ رجل مضاف الیہ مقدم اور عالم مضاف تو یہاں مضاف الیہ کا مضاف پر مقدم ہونا لازم آئے گا حالانکہ مذکورہ دونوں صورتیں یعنی صفت کو موصوف سے اور مضاف الیہ کو مضاف سے مقدم کرنا درست نہیں۔

ومثل مسجد الجامع۔۔۔۔ متأولُ

یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف درست نہیں لیکن ان مثالوں میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کردی گئی ہے اس سے آپ کا قانون باطل ہو گیا۔

جواب:۔ اس میں تاویل کی گئی ہے اور تاویل اس طرح کی ہے کہ یہاں ان مثالوں میں موصوف محذوف ہے اصل عبارت سب کی یوں ہے۔ مسجد الوقت الجامع ، جانب المکان الغربی ،صلوۃ الساعۃ الاولیٰ ،بقلۃ الحبۃ الحمقاء ۔(خرفہ کا ساگ یعنی ایک قسم کی سبزی ہے)اور یہاں موصوف کے محذوف ہونے پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً مثالِ اول میں انسانوں کا جمع کرنے والا نماز کا وقت ہوتا ہے نہ کہ مسجد ،تو یہاں جامع وقت کی صفت ہے نہ کہ مسجد کی ۔باقی سب کو اسی پر قیاس کرلیں۔

ومثل جرد قطیفة واخلاق ثیاب متأول

یہ عبارت بھی ایک اعتراض کا جواب ہے

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف درست نہیں لیکن یہاں ان مثالوں میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف کردی گئی ہے، کیونکہ اصل ان کی قطیفة جرد (پرانی چادر)اور ثیاب اخلاق (پرانے کپڑے) ہے۔

جواب:۔ ان میں تاویل کی گئی ہے وہ اس طرح کہ یہاں جرد کی قطیفۃ کی طرف اضافت اس حیثیت سے نہیں کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے بلکہ نحوی کبھی کبھی موصوف کو حذف کر کے صفت کو ذات کے طور پر ذکر کرتے ہیں تو اس صفت کی حیثیت جنس

مبہم کی طرح ہوتی ہے تو اس سے ابہام کو دور کرنے کیلئے دوسرے اسم کی طرف اضافت کرتے ہیں صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں۔ مثلاً قطیفة جرد میں سے قطیفة جو کہ موصوف ہے اس کو حذف کرنے کے بعد جرد کو اس کی جگہ پر رکھ دیتے ہیں، اب چونکہ صرف جرد رہ گیا ہے تو اس میں ابہام ہے کہ جرد کیا چیز ہے تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے قطیفۃ کو ذکر کر دیا تو ابہام ختم ہو گیا، گویا یہاں جرد ایک ذاتِ مبہم ہے اس کی اضافت قطیفۃ کی طرف صرف اس وجہ سے کی ہے تاکہ تخصیص پیدا ہو جائے اور ابہام دور ہو جائے نہ کہ اس حیثیت سے کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہو رہی ہے۔

....

ولایضاف اسم مماثل للمضاف الیه کلیث واسد

قانون:۔ دو ایسے اسم جو عموم و خصوص میں آپس میں مترادف ہوں تو وہاں ان دونوں اسموں کی اضافت ایک دوسرے کی طرف جائز نہیں، کیونکہ اس اضافت سے کوئی فائدہ نہیں۔

عموم اور خصوص کا مطلب یہ ہے کہ ایک اسم جس پر صادق آئے تو دوسرا بھی اس پر صادق آئے اور اگر ایک اسم جس پر صادق نہ آئے تو دوسرا بھی اس پر صادق نہ آئے۔

ترادف اور مماثلت کبھی تو (۱) اعیان کے اعتبار سے ہوگا۔ جیسے لیث اور اسد (۲) اور کبھی معنیٰ کے اعتبار سے جیسے منع اور حبس (۳) اور کبھی مصداق کے اعتبار سے جیسے: انسان اور ناطق، پس کوئی آدمی رأیت لیث اسدٍ نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس کا فائدہ ہی کوئی نہیں۔

بخلاف کل الدراھم وعین الشیء

اگر مضاف عام ہو اور مضاف الیہ خاص، تو وہاں اضافت درست ہے جیسے پہلی مثال میں کل عام ہے اور دراہم خاص، اور دوسری مثال میں عین عام ہے (موجود اور معدوم سب پر اس

کا اطلاق ہوتا ہے) اور شیٔ خاص ہے (اس کا اطلاق صرف موجود پر ہوتا ہے) اس لئے یہ اضافت درست ہے۔

وقولهم سعيد كرز ونحوهٔ متأول

یہ عبارت بھی ایک اعتراض کا جواب ہے

اعتراض:۔ آپ نے کہا تھا کہ دو اسم مماثل کی ایک دوسرے کی طرف اضافت درست نہیں لیکن یہاں سعید کی اضافت کرز کی طرف ہے حالانکہ سعید اور کرز دونوں ایک ہی ذات کے نام ہیں۔

جواب:۔ یہ دونوں مرادف اور مماثل نہیں کیونکہ یہاں سعید سے مراد مدلول اور ذاتِ مسمّٰی ہے اور کرز سے مراد نفسِ لفظ ہے۔ پس **جاء نی سعید کرز** کے معنی یہ ہوں گے کہ **جاء نی مدلول هذااللفظ** کہ میرے پاس اس لفظ کا مدلول یعنی وہ آدمی آیا جو لفظ کرز کے ساتھ مسمّٰی اور ملقب ہے۔

اعتراض:۔ کرز کی اضافت سعید کی طرف یعنی لقب کی ذات کی طرف کیوں نہیں کرتے؟

جواب:۔ عام طور پر اس جیسی اضافت سے توضیح مقصود ہوتی ہے اور یہ توضیح اس وقت حاصل ہوگی جب کہ اسم کی اضافت لقب کی طرف کی جائے اس وجہ سے یہاں پر اسم کی اضافت لقب کی طرف کر دی اور **سعید کرزٍ** کہا، **کرز سعیدٍ** نہیں کہا۔

واذا اضيف الاسم الصحيح اوالملحق به الىٰ ياء المتكلم

یہاں سے مصنفؒ ان مسائل کو بیان فرما رہے ہیں، جو اسم کی اضافت یائے متکلم کی طرف کرنے سے پیش آتے ہیں۔ تو مصنف رحمہ اللہ علیہ سب سے پہلے صحیح اور ملحق بالصحیح یعنی جاری مجرٰی صحیح کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔

فائدہ:۔ نحاۃ کے نزدیک صحیح اس کو کہتے ہیں جس کے آخر میں حرفِ علت نہ ہو اور جاری مجریٰ صحیح اسے کہتے ہیں کہ کسی اسم کا آخری حرف (واؤ) یا (ی) ماقبل ساکن ہو جیسے دلوٌ، ظبیٌ وغیرہ۔

تو مصنفؒ نے فرمایا کہ جب اسمِ صحیح یا جاری مجریٰ صحیح کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو اس اسم کے آخری حرف کو کسرہ دیں گے، اور یائے متکلم کو ساکن کرنا اور فتحہ دینا دونوں جائز ہے جیسے غلامِیْ غلامِیَ، ثوبِیْ ثوبِیَ، دلوِیْ دلوِیَ، ظبیِیْ ظبیِیَ۔ البتہ یہاں یائے متکلم کو مفتوح پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے اس لئے کہ یہاں جو یاء ہے یہ علیحدہ کلمہ ہے اور حرفِ واحد ہے اور جب کلمہ حرفِ واحد ہو تو اسے حرکت دینا اصل ہے اور چونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے اس لئے اس کو فتحہ دیدیا۔ سکون اس وجہ سے بہتر نہیں کہ ابتداء بالسکون لازم آئے گا، پھر ابتداء بالسکون عام ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً۔ حقیقتاً کی مثال جیسے کوئی آدمی کــزیدٍ کہتا ہے تو یہاں پر کاف چونکہ علیحدہ کلمہ ہے اور زید علیحدہ کلمہ ہے تو اگر ہم اس کاف کو ساکن کردیں تو حقیقتاً ابتدا بالسکون لازم آئے گا اور حکماً کی مثال جیسے اوپر گزری ہیں، مثلاً غــلامــی وغیرہ۔ یہاں اگرچہ ابتداء بالسکون حقیقتاً تو لازم نہیں آتا مگر حکماً ضرور لازم آتا ہے، کیونکہ یہاں یاء مستقل کلمہ ہے۔

فان کان اٰخرہٗ الفاً تثبت وھذیل تقلبھا

ایسا اسم جس کے آخر میں الف ہو یعنی اسم مقصورہ کی اضافت اگر یائے متکلم کی طرف کریں تو وہاں جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ الف کو باقی رکھیں گے، جیسے عصا سے عصایَ کہیں گے لیکن قبیلہ ھذیل والے کہتے ہیں کہ اگر یہ الف تثنیہ کا نہ ہو تو اس کو یاء بنادیں گے اور یاء کو یاء میں ادغام کریں گے اور یائے متکلم کو فتحہ دیں گے، جیسے عــصاً سے عــصیَّ کہیں گے، لیکن اگر الف تثنیہ کا ہو تو وہاں الف کو باقی رکھیں گے ورنہ حالتِ رفعی کا نصبی اور جری کے ساتھ

التباس لازم آئے گا جیسے کہ غلامایَ۔

وان کان یاءً ادغمت

اور اگر اس اسم کے آخر میں یاء ہو تو یاء کو یاء میں ادغام کریں گے جیسے مسلمین سے مسلمیَّ۔

وان کان واوًا قلبت یاءً وادغمت

اگر اسم کے آخر میں واؤ ہو تو اس واؤ کو یاء میں تبدیل کریں گے اور پھر یاء کو یاء میں ادغام کریں گے جیسے مسلمون سے مسلمی تو یہاں پر جب مسلمون کی اضافت کی تو نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور واؤ چونکہ طرف میں تھی اس لئے اس کو قاعدہ کے تحت یاء میں تبدیل کر دیا اور پھر یاء کو یاء میں ادغام کیا تو مسلمیَّ ہوا۔

وفتحت الیاء للساکنین

اس کا تعلق مذکورہ تینوں صورتوں کے ساتھ ہے یعنی (۱) چاہے اسم کے آخر میں الف ہو (۲) یا یاء ہو (۳) یا واؤ ہو، اگر ان کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو ان تینوں صورتوں میں یاء متکلم مفتوح ہوگی۔ تا کہ التقائے ساکنین لازم نہ آئے۔ مثلاً پہلی صورت میں عصاً سے جب ہم نے عصای بنایا تو الف بھی ساکن ہے اور یائے متکلم بھی ساکن ہے لہذا التقائے ساکنین سے بچنے کے لئے ہم نے یاء کو حرکت دیدی اور چونکہ فتح اخف الحرکات ہے اس لئے باقی حرکات میں سے اس کو اختیار کیا۔ دوسری صورت کی مثال مسلمین سے مسلمیَّ، تیسری صورت کی مثال مسلمیون سے مسلمیَّ۔

واماالاسماء الستة فاخی وابی واجاز المبرد اخیّ وابیّ

اگر اسمائے ستہ مکبرہ میں سے اب اور اخ کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو وہاں ان کی اصل میں جو واؤ ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا صرف ابی اور اخی کہا جائے

گا لیکن امام مبرد فرماتے ہیں کہ ان کی اصل نکالیں گے جو کہ اخوٌ اور ابوٌ ہے، پھر اس واؤ کو یاء سے تبدیل کر کے یاء کو یاء میں ادغام کریں گے، اور یوں کہیں گے اخیٌ اور ابیٌ۔

وتقول حمی وھنی

حم اور ھن کی اصل نہیں نکالیں گے بلکہ انھیں کے آخر میں یا لگا کر حمی اور ھنی کہیں گے

اعتراض:۔ جس طرح اخ اور اب میں مبرّد نے اختلاف کیا ہے اس طرح وہ حم اور ھن میں بھی اختلاف کرتے ہیں لیکن مصنفؒ نے اب اور اخ میں تو اختلاف کو ذکر کیا ہے لیکن حم اور ھن میں ذکر نہیں کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ اب اور اخ میں مبرّد کا اختلاف مشہور تھا اس لئے اس کو ذکر کیا اور حم اور ھن میں ان کا اختلاف مشہور نہیں تھا اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

ویقال فِیَّ فی الاکثر وفمی فی بعضھا

فم اصل میں فوہ تھا۔ ہ کو حذف کیا پھر واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض میں میم کو لایا تو فم ہو گیا۔ اب اگر فم کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو (چونکہ فم میں ھاء کو بالکل ہی حذف کر دیا ہے اس کے مقابلے میں کچھ نہیں لائے لیکن واؤ کے بدلے میں میم کو لایا گیا ہے اس لئے) اکثر استعمال میں اس واؤ کو واپس لاتے ہیں اور واؤ کو یاء کر کے یاء کو یاء میں ادغام کر کے یوں کہتے ہیں فِیَّ۔ اور کبھی کبھی میم کو برقرار رکھ کر فمی بھی استعال کرتے ہیں۔

واذا قطعت قیل اخٌ وابٌ وحمٌ وھنٌ وفُمٌ

جب اسمائے ستہ مکبّرہ میں سے مذکورہ پانچ کو اضافت سے قطع کریں تو ان کو یوں پڑھیں گے، ابٌ، اخٌ، حمٌ، ھنٌ، فمٌ اور فَمٌ کے فاء کو فتحہ، کسرہ اور ضمہ تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن فتحہ زیادہ اولیٰ ہے اور حمٌ میں چار قسم کی لغات ہیں ① ید کی طرح یعنی واؤ

محذوف کو واپس نہ لایا جائے چاہے اضافت ہو یا نہ ہو جیسے ھٰذا حمٌ وحمُک ،ورأیت حمًا وحمَکِ ومررت بحمٍ وحمکِ۔

(۲) خبء کی طرح یعنی اضافت اور غیر اضافت دونوں صورتوں میں مہموز اللام پڑھنا جیسے ھٰذا خمءٌ وحمئُک ورأیت حمأً وحماکِ ومررت بحمیءٍ وبحمئِک۔

(۳) دلوٌ کی طرح یعنی حرف محذوف کو واپس لا کر اس پر اعراب جاری کرنا۔ جیسے ھٰذا حموٌ وحموک رأیت حموًا وحموک ومررت بحموٍ بحموک

(۴) عصًا کی طرح یعنی آخر میں الف مقصورہ لا کر اس طرح پڑھنا بھی درست ہے ھٰذا حمًاو حماک ورأیت حمًا وحماک ومررت بحماو بحماک۔

مطلقًا

یعنی یہ جو چار صورتیں ذکر کی ہیں اضافت اور عدمِ اضافت دونوں میں ہوسکتی ہیں جیسے کہ مثالوں سے ہم نے واضح کردیا ہے مثلاً ھٰذا حمٌ ،عدمِ اضافت کی مثال ہے اور حمک اضافت کی۔

وجاء ھن مثل ید مطلقا

اور ھنٌ ،ید کی طرح ہے خواہ مضاف ہو یا نہ ہو یعنی حرفِ محذوف کو کسی صورت میں بھی واپس نہیں لایا جائے گا جیسے ھٰذا ھنٌ وھنکِ ورأیت ھنًا وھنَکِ ومررت بھَنٍ وبھنِک۔

وذو لایضاف الیٰ مضمرٍ ولا یقطع

یعنی ''ذو'' ہمیشہ اسمِ جنس کی طرف ہی مضاف ہوگا نہ تو یہ مضاف سے قطع ہوگا اور نہ ہی ضمیر کی طرف مضاف ہوگا ،اور یہ اس وجہ سے کہ ''ذو'' کو وضع ہی اسی لئے کیا ہے کہ یہ اسمِ جنس کی

طرف مضاف ہواور اس کو دوسری چیز کے لئے صفت بنادے۔ پس اگر ذو ضمیر کی طرف مضاف ہوگا تو خلافِ وضع لازم آئے گا۔ اس لئے کہ ضمیر اسمِ جنس نہیں اور چونکہ اس کی اضافت اسمِ جنس کی طرف خاص ہے اس وجہ سے یہ اضافت سے قطع بھی نہیں ہوگا جیسے جاء نی رجل ذو مالٍ۔ پس یہاں پر ذو کی اضافت مال کی طرف کی گئی ہے اور مال جنس بھی ہے اور ذو کے واسطہ سے رجل کے لئے صفت بھی واقع ہے۔

التوابع: کل ثانٍ باعراب سابقةٍ من جهةٍ واحدةٍ

توابع تابع کی جمع ہے، کیونکہ تابع ہونا اسماء کی صفت ہے تو چونکہ اسماء کا مفرد "اسم" "مذکر آتا ہے تو "توابع" کا مفرد بھی "تابع" اسم مذکر آئے گا، تا کہ صفت اور موصوف کے درمیان مطابقت ہو جائے۔

تعریف:۔ تابع ہر وہ ثانی ہے جو اپنے سابق اسم کے ساتھ اعراب میں موافق ہو، اور جہت بھی ایک ہو، یعنی اگر پہلا اسم مرفوع ہے بناء بر فاعلیت تو دوسرا اسم بھی بناء بر فاعلیت مرفوع ہوگا جیسے جاء زیدُ ن العاقلُ۔ یہاں زید فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور العاقل بھی فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

فوائد قیود:۔ کل ثان جنس ہے۔ باعراب سابقةٍ فصلِ اول ہے اس سے کَانَ کی خبر وغیرہ خارج ہوگئی کیونکہ یہ ماقبل کے اعراب کے موافق نہیں ہوتے۔ من جهةٍ واحدةٍ فصلِ ثانی ہے۔ اس سے مبتداء کی خبر نکل گئی۔ جیسے زیدٌ قائمٌ، یہاں قائمٌ مرفوع تو ہے، مگر جہت ایک نہیں کیونکہ زید مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور قائمٌ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

....

توابع کی اقسام:۔

توابع کی پانچ قسمیں ہیں ۔(۱) نعت (۲) عطف بحرف (۳) تاکید (۴) بدل (۵) عطف بیان۔

النعت: تابع یدل علی معنیً فی متبوعہٖ مطلقًا

نعت وہ تابع ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو متبوع میں پایا جاتا ہو جیسے جاء نی زید نِ العاقل ،اس مثال میں العاقل تابع ہے اور اس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع یعنی زید میں ہے،یعنی عاقل زید ہے۔

مطلقًا کا معنی یہ ہے کہ ہر حال میں متبوع کے معنی پر دلالت کرے۔اس سے تاکید و بدل وغیرہ خارج ہو گئے ، کیونکہ یہ اگر چہ اس معنیٰ پر کبھی کبھی دلالت کرتے ہیں جو ان کے متبوع میں پایا جاتا ہے مگر ہمیشہ دلالت نہیں کرتے بلکہ بعض مادّوں کے ساتھ خاص ہے جیسے بدل کی مثال اعجبنی زید علمه ، عطف کی مثال اعجبنی زید وعلمه، تاکید کی مثال جاء القوم کلهم۔

وفائدتہٗ تخصیص

نعت کے کئی فائدے ہیں۔

(۱) تخصیص کا فائدہ جب کہ دونوں نکرہ ہوں جیسے رجلٌ عالمٌ۔

(۲) توضیح اور وضاحت کا فائدہ جبکہ دونوں معرفہ ہوں جیسے زیدن العالم۔

(۳) کبھی صرف مدح یا صرف ذم یا صرف تاکید کے لئے بھی آتی ہے مدح کی مثال جیسے بسم الله الرحمن الرحیم ۔ذم کی مثال جیسے اعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم۔ تاکید کی مثال جیسے فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة ۔

ولافصل بين ان يكون مشتقا اوغيرهٗ ---- الخ

اس عبارت سے مصنف علیہ الرحمۃ ان نحاۃ پر رد کرنا چاہتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ نعت کیلئے مشتق ہونا ضروری ہے اگر مشتق نہ ہوتو تاویل کریں گے، تو مصنفؒ نے فرمایا کہ نعت کے لئے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح نعت مشتق ہوتی ہے اسی طرح غیر مشتق بھی ہوتی ہے، بشرطیکہ اس میں منعوت یعنی موصوف کے معنی پائے جاتے ہوں۔ چاہے یہ نعت عمومی ہو یا خصوصی۔ عمومی کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ صفت ہو جیسے تمیمیٌّ اور ذومالٍ۔ تو قیامت تک جو شخص بھی قبیلہ تمیم سے تعلق رکھنے والا ہوگا اُسے تمیمی اور جو مال دار ہوگا اسے ذومال کہیں گے، اور خصوصی یہ ہے کہ فی الحال صفت واقع ہو ہمیشہ کے لئے نہ ہو، جیسے مررت برجل ایّ رجل ۔ اس مثال میں ای کمال کے معنی میں ہے، حالانکہ ہمیشہ ائ کمال کے معنی میں نہیں آتا، اور اسی طرح مررت بھذاالرجل ، اور بزیدٍ ھــذا میں بالترتیب رجل اور ھذا صفت واقع ہیں، حالانکہ یہ ہمیشہ صفت کے لئے نہیں ہوتے۔ ان مثالوں میں ذومال، ای رجل ھذا وغیرہ مشتق نہیں ہیں لیکن صفت واقع ہیں۔

وتوصف النكرة بالجملة الخبرية ويلزم الضمير

اگر موصوف نکرہ ہو تو اس کی صفت جملہ خبریہ بھی لاسکتے ہیں۔ اگر موصوف معرفہ ہو تو جملہ صفت نہیں لاسکتے، کیونکہ جملہ من حیث الجملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، اس وجہ سے اگر موصوف معرفہ ہو تو مطابقت نہ رہے گی۔ اور صفت جملہ خبریہ لاسکتے ہیں جملہ انشائیہ کو صفت بنانا درست نہیں اس لئے کہ صفت اپنے موصوف میں پہلے سے موجود معنی پر دلالت کرنے کے لئے آتی ہے اور انشاء ایجاد مالم یوجد یعنی ایسے معنی کے ایجاد کے لئے آتا ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو۔ اور جملے کو صفت بنانے کی صورت میں اس جملے میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصوف کی طرف لوٹے، کیونکہ جملہ من حیث الجملہ مستقل ہوتا ہے اس

لئے جملے میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے ورنہ موصوف اور صفت میں ربط نہیں ہوگا۔ مثال جیسے جاء نی رجلٌ ابوہٗ قائمٌ۔ یہاں موصوف نکرہ ہے اس لئے یہ ترکیب درست ہے، لیکن جاء نی زیدٌ ابوہٗ قائمٌ کہنا درست نہیں کیونکہ یہاں موصوف معرفہ ہے۔

فائدہ:۔ اگر جملہ کو کسی اسم معرفہ کی صفت بنانا ہو تو اس جملہ کے شروع میں اسم موصول لگائیں جیسے مذکورہ مثال کو جاء نی زید الذی ابوہ قائم کہیں تو ترکیب درست ہوگی۔

ویوصف بحال الموصوف وبحال متعلقہٖ

صفت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صفت بحال موصوف (۲) صفت بحال متعلق موصوف۔

(۱) صفت بحال الموصوف اُسے کہتے ہیں جہاں صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو موصوف کی ذات میں پایا جاتا ہو، پھر اس صورت میں موصوف اور صفت میں دس چیزوں میں مطابقت ضروری ہے، جن میں سے بیک وقت چار کا پایا جانا ضروری ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) رفع، نصب، جر میں سے ایک (۲) تعریف، تنکیر میں سے ایک (۳) افراد، تثنیہ، جمع میں سے ایک (۴) تذکیر، تانیث میں سے ایک، جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ میں (۱) رجل بھی مرفوع ہے اور عالم بھی (۲) رجل بھی نکرہ ہے اور عالم بھی (۳) رجل بھی مفرد ہے اور عالم بھی (۴) رجل بھی مذکر ہے اور عالم بھی۔

(۲) صفت بحال متعلقہٖ: جو ایسے معنی پر مشتمل ہو کہ وہ موصوف کے متعلق میں پایا جائے اس صورت میں موصوف اور صفت میں پانچ چیزوں میں مطابقت ضروری ہے جن میں سے بیک وقت دو کا پایا جانا ضروری ہے (۱) رفع، نصب، جر میں سے ایک (۲) تعریف، تنکیر میں سے ایک، جیسے جاء نی غلامان عالمةٌ امھما (میرے پاس دو ایسے لڑکے آئے کہ ان کی ماں عالمہ تھی) اس مثال میں غلامان موصوف ہے اور عالمة صفت، اور یہ

صفت کی دوسری قسم ہے اس لئے یہاں دو چیزوں میں مطابقت پائی جاتی ہے باقی میں نہیں یعنی ① غلامان اور عالمۃ دونوں مرفوع ہیں اور ② دونوں نکرہ ہیں، لیکن افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر وتانیث میں مطابقت نہیں، کیونکہ غلامان تثنیہ ہے اور عالمۃ مفرد اوراسی طرح غلامان مذکر ہے اور عالمۃ مؤنث۔

وفی البواقی کالفعل

صفت کی اس دوسری قسم (یعنی صفت بحال متعلقہ) میں مذکورہ پانچ چیزوں (رفع، نصب، جراور تعریف، تنکیر) میں مطابقت ہوگی اور باقی میں فعل کی طرح ہوگی، جیسے فاعل اگر اسم ظاہر ہوتو فعل ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے چاہے فاعل مفرد ہو یا تثنیہ یا جمع ہو اسی طرح صفت کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو صیغہ صفت ہمیشہ مفرد لایا جائے گا جیسے **مررت برجل قاعد غلامه، مررت برجلین قاعد غلاماهما، مررت برجال قاعد غلمانهم** ۔ان تینوں مثالوں میں قاعد کو مفرد لایا گیا ہے اگرچہ اس کا موصوف بدلتا رہا لیکن چونکہ قاعد کا فاعل اسم ظاہر موجود تھا اس لئے اس کو مفرد ہی لایا۔اسی طرح فاعل اگر مذکر ہو یا مؤنث حقیقی ہو لیکن اس کے اور فعل کے درمیان فصل نہ ہو تو مطابقت ضروری ہوتی ہے ایسے ہی یہاں بھی ہوگا۔جیسے مذکر کی مثال **مررت برجل قاعد غلامه**، مؤنث حقیقی بلا فصل (یعنی جہاں فاعل اور صیغہ صفت میں فصل نہ ہو) کی مثال **مررت برجل قائمة جاريته** یہاں جاریۃ مؤنث حقیقی ہے اور اس کے اور قائمۃ کے درمیان فصل نہیں اس لئے قائمۃ کو مؤنث لایا ہے۔اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا مؤنث حقیقی ہو لیکن اس کے اور فعل کے درمیان فصل ہو تو تذکیر وتانیث دونوں جائز ہیں ایسے ہی یہاں بھی ہوگا جیسے مؤنث غیر حقیقی کی مثال **مررت برجل معمور، معمورة داره** دار چونکہ مؤنث حقیقی نہیں اس لئے صفت کو مذکر اور مؤنث دونوں لاسکتے ہیں۔مؤنث حقیقی مع فصل کی مثال جیسے **مررت**

برجل قائم، قائمة فی الدار جاریته۔ یہاں موصوف اور صفت کے درمیان فی الدار کا فصل آیا ہے اس لئے صفت کو مذکر اور مؤنث دونوں لا سکتے ہیں۔

ومن ثم حسن قام رجل قاعد غلمانہٗ

چونکہ صفت بحال متعلقہ میں پانچ چیزوں میں مطابقت ہوتی ہے اور باقی میں فعل کی طرح ہوتی ہے اس وجہ سے یہ ترکیب حسن اور بہتر ہے، کیونکہ یہاں رجل موصوف ہے اور قاعد الخ صفت ہے اور یہاں قاعد بمعنی یقعد کے مفرد لایا گیا ہے کیونکہ اس کا فاعل غلمانہ اسم ظاہر ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ جب فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے۔ تو جیسے فعل کو مفرد لایا جاتا ہے اسی طرح صیغہ صفت کو بھی مفرد لایا گیا ہے۔

وضعف قاعدون غلمانه

یہ ترکیب اس لئے ضعیف ہے کہ قاعدون جمع کا صیغہ لایا ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ فاعل اسمِ ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ اگر فعل بھی جمع کا لائیں تو فاعل میں تعدد آئے گا، جیسے قاعدون غلمانہ میں ''غلمانہ'' بھی فاعل ہے اور ''قاعدون'' میں جو واؤ اور نون ہیں وہ بھی فاعل ہیں۔

سوال:۔ اگر یہاں تعدد فاعل کی خرابی آتی ہے تو اس کو ناجائز کیوں نہیں کہتے؟ ضعیف کیوں کہتے ہیں؟

جواب:۔ دوسرے نحویوں کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ضعیف کہا ہے، اور ناجائز نہیں کہا، اور وہ یہ کہ (۱) بعض نحوی یہ کہتے ہیں کہ واؤ اور نون فاعل نہیں بلکہ وہ صرف علامت جمع ہیں اور فاعل غلمانہ ہے۔

(۲) بعض نحوی یہ کہتے ہیں کہ قاعدون خبر مقدم ہے اور غلمانہ مبتداء مؤخر ہے۔

(۳) اور یہ بھی احتمال ہے کہ واؤ اور نون مبدل منہٗ ہوں، اور غلمانہ بدل ہو، تو اس وجہ سے

مصنف علیہ الرحمۃ نے ناجائز نہیں کہا بلکہ ضعیف کہا۔

ویجوز قعودُ غلمانہ

یہ ترکیب نہ تو حسن ہے اور نہ ضعیف ہے صرف جائز ہے حالانکہ اس ترکیب میں قعودٌ جمع کا صیغہ لایا ہے۔ جب کہ اس کا فاعل اسمِ ظاہر ہے لیکن یہ درست ہے کیونکہ قعودٌ جمع مکسر ہے اور جمع مکسر مفرد کے حکم میں ہوتی ہے اور حسن اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ اگرچہ مفرد کے حکم میں ہے مگر خود مفرد نہیں بلکہ جمع ہے۔

والمضمر لایوصف ولایوصف به

ضمیر موصوف بھی نہیں بن سکتی اور صفت بھی نہیں بن سکتی۔ موصوف تو اس لئے نہیں بن سکتی کہ ضمیر (متکلم اور مخاطب) خود اعرف المعارف اور واضح ہوتی ہے تو کسی کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اور صفت اس لئے نہیں بن سکتی کہ صفت وہ ہوتی ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں پایا جائے، اور ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے۔ اور دوسری وجہ اگلی عبارت سے معلوم ہو رہی ہے یعنی موصوف کا صفت سے اخص یا برابر ہونا ضروری ہے جبکہ ضمیر اعرف المعارف ہوتی ہے تو یہ موصوف سے اخص ہوگی، اسلئے ضمیر صفت نہیں بن سکتی۔

والموصوف اخصُّ اومساوٍ

موصوف کے لئے ضروری ہے کہ وہ صفت سے اعلیٰ ہو یا کم از کم برابر ہو، کیونکہ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے اور تابع متبوع سے اعلیٰ نہیں ہوا کرتا۔

فائدہ:۔ معرفہ کی اقسام میں سے اعرف المعارف ضمائر ہیں، پھر اعلام، اس کے بعد اسماء اشارات اس کے بعد معرف باللام اور اسمائے موصولات مساوی ہیں۔

ومن ثم لم یوصف ذواللام الا بمثله اوبالمضاف الیٰ مثله

جب یہ بات ہوئی کہ صفت، موصوف سے اعلیٰ نہیں ہونی چاہیئے تو اگر کہیں موصوف معرف باللام ہوتو وہاں اس کی صفت بھی معرّف باللام یا موصول یا جوان کی طرف مضاف ہواس کو لاسکتے ہیں باقی کسی دوسرے معرفہ یا نکرہ کو نہیں لاسکتے کیونکہ معرف باللام کی صفت تو نکرہ اس وجہ سے نہیں لاسکتے کہ موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہے گی اور معرف باللام اور موصول کے علاوہ معرفہ کی دیگر اقسام میں سے کوئی ایک اس لئے نہیں لاسکتے کہ معرف باللام معرفہ کی دوسری تمام قسموں میں سے سب سے کمتر اور ضعیف ہے اب اگر ہم معرف باللام کی صفت کوئی اور معرفہ لائیں تو صفت کا اعلیٰ ہونا لازم آئے گا اور ابھی پڑھ لیا ہے کہ صفت موصوف سے اعلیٰ نہیں ہوتی۔ معرف باللام کی مثال **جاء نی الرجل الفاضل**۔ مضاف الیٰ معرف باللام کی مثال **جاء نی الرجل صاحب الفرس**۔ اسم موصول کی مثال **جاء نی الرجل الذی کان عندک امس**۔

وانما التزم وصف باب هذا بذا الام للابهام

یہ عبارت ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سوال:۔ جس طرح معرف باللام کی صفت معرف باللام، موصول اور مضاف الیٰ معرف باللام والموصول لاسکتے ہیں اسی طرح ھذا (اسم اشارہ) کی صفت بھی ان تمام طریقوں سے آنی چاہیئے کیونکہ یہ سب تعریفات میں اسم اشارہ سے کمتر ہیں، حالانکہ ھذا (اسم اشارہ) کی صفت صرف معرف باللام آتی ہے مضاف الیٰ معرف باللام وغیرہ نہیں آتی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ ھذا اسم اشارہ میں جنس کا ابہام ہوتا ہے کیونکہ اس کی وضع ہی ابہام کیلئے ہوتی

ہے اور جنس کے ابہام کو معرف باللام ہی ختم کرتا ہے کیونکہ الف لام کی وضع ہی تعریف کے لئے ہوئی ہے اور وہ اسم جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو اس میں خود ابہام ہوتا ہے جو کہ مضاف الیہ سے دور کیا جاتا ہے تو جو خود اپنا ابہام دور کرنے میں دوسرے کا محتاج ہو وہ دوسرے کا ابہام کیا دور کرے گا البتہ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر چونکہ معرف باللام کا درجہ حاصل کرتا ہے اس لئے اسم موصول اسم اشارہ کی صفت واقع ہوتا ہے جیسے مررت بھذا الذی اکرم۔

سوال:۔ اسم اشارہ کی صفت جس طرح معرف باللام آسکتی ہے اسی طرح اسم موصول بھی آسکتی ہے جیسے **مررت بھذا الذی اکرم بمعنی بھذا الکریم**، تو مصنفؒ نے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا؟

جواب:۔ جب معرف باللام کا ذکر کیا تو موصول خود بخود داخل ہو گیا کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اسم موصول اور معرف باللام معرفہ ہونے میں دونوں برابر ہیں۔

ومن ثم ضعف مررت بھذا الابیض

اسم اشارہ کی صفت معرف باللام اس وقت لائی جاتی ہے جب کہ یہ معرف باللام اس اسم اشارہ سے ابہام کو دور کرے ورنہ نہیں۔ اسی وجہ سے **مررت بھذا الابیض** کہنا ضعیف ہے کیونکہ یہاں الابیض نے ھذا کے جنس سے ابہام کو دور نہیں کیا اس لئے کہ ابیض عام ہے وہ کسی بھی جنس کے ساتھ خاص نہیں، وہ انسان ہو یا فرس وغیرہ۔

سوال:۔ جب الابیض نے ھذا کے ابہام کو دور نہیں کیا تو اس کو ناجائز کیوں نہیں قرار دیتے؟

جواب:۔ الابیض نے ھذا سے اگرچہ من کل الوجوہ ابہام کو دور نہیں کیا مگر کچھ نہ کچھ ضرور

کیا ہے، کہ میں اس سفید سے گزرا تو اتنا معلوم ہوا کہ کالے کے پاس سے نہیں گزرا، لہذا اس کا اعتبار کرتے ہوئے ہم نے اس کو ضعیف کہہ دیا۔

وحسن بهذا العالم

یہ ترکیب حسن ہے کیونکہ یہاں پر العالم نے من کل الوجوم ابہام کو دور کیا ہے، یعنی العالم نے واضح کر دیا کہ مشار الیہ انسان بلکہ مرد ہے تو اس سے جنس بلکہ نوع بھی واضح ہوگئی۔

العطف: تابع مقصود بالنسبة مع متبوعه ويتوسط بينه وبين متبوعه احد الحروف العشرة

عطف (بحرف) وہ تابع ہے جہاں نسبت سے مقصود تابع اور متبوع دونوں ہوں اور تابع اور متبوع کے درمیان حروفِ عاطفہ میں سے کوئی ایک حرف ہو۔ حروفِ عاطفہ کل دس ہیں۔

(۱) واؤ (۲) فاء (۳) ثم (۴) حتیٰ (۵) او (۶) اما (۷) ام (۸) لا (۹) بل (۱۰) لکن. جیسے جاء نی زیدٌ وعمرو یہاں جاء کی نسبت جس طرح زید کی طرف ہے اسی طرح عمرو کی طرف بھی ہے۔ یعنی زید اور عمرو دونوں مقصود ہیں۔

فوائد قیود:۔ تابع جنس ہے اس میں دوسرے تمام توابع بھی داخل تھے لیکن جب مقصود بالنسبة کہہ دیا تو اس سے تاکید نعت وغیرہ خارج ہو گئے لیکن بدل باقی تھا۔ جب مع متبوعه کہہ دیا تو اس سے بدل بھی خارج ہو گیا۔ کیونکہ بدل میں نسبت سے مقصود متبوع نہیں ہوتا صرف تابع ہوتا ہے جیسے جاء زیدٌ حمارٌ میں جاء سے مراد صرف حمار ہے زید نہیں۔

واذا عطف على المرفوع المتصل اكد بمنفصل

اگر ضمیر مرفوع متصل پر کسی اسم کا عطف کرنا چاہیں تو ضمیر منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لائیں گے اس لئے کہ ضمیر مرفوع متصل لفظاً ومعناً فعل کے ساتھ اتصال کی وجہ سے فعل کے

جزء کی طرح ہے، لفظاً اتصال تو ظاہر ہے اور معناً اتصال اس طرح ہے کہ ضمیر مرفوع فاعل واقع ہوتی ہے اور فاعل فعل کے لئے جزء کی مانند ہوتا ہے لھٰذا اب اگر ہم کسی اسم کا عطف اس پر کریں تو کلمہ مستقلہ کا جزءِ کلمہ پر عطف کرنا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے جیسے ضربت انا وزیدٌ ہاں اگر ضمیر منصوب یا مجرور متصل ہو تو وہاں تاکید لانے کی ضرورت نہیں

الاان يقع فصل فيجوز تركهٗ مثل ضربت اليوم وزيدٌ

اگر ضمیر مرفوع متصل پر کسی اسم کا عطف کریں تو وہاں ضمیر منفصل تاکیدًا لانا لازمی ہے، لیکن اگر معطوف علیہ اور معطوف میں فصل ہو تو وہاں ضمیر منفصل کو تاکیدًا لانا ضروری نہیں جیسے مثال مذکورہ میں ضربت کی ضمیر فاعل اور زید کے درمیان الیوم کا فصل آیا ہے اس لئے یہاں تاکید نہیں لائی گئی ہے۔

واذاعطف على الضمير المجرور اعيد الخافض

اگر ضمیر مجرور پر کسی کا عطف کرنا چاہو تو وہاں جار کا اعادہ کریں گے، چاہے وہ جار حرف ہو، جیسے مررت بک وبزید یا وہ اسم ہو جیسے المال بيني وبينک یہ اس لئے کہ جار اور مجرور میں شدتِ اتصال ہے اور شدتِ اتصال کی وجہ سے گویا یہ کلمہ واحدہ ہو گئے۔ اب اگر بغیر اعادۂ جار کے مجرور پر عطف کریں تو جزءِ کلمہ پر عطف کرنا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

والمعطوف فى حكم المعطوف عليه

یعنی جواز وعدمِ جواز میں معطوف، معطوف علیہ کا تابع ہوتا ہے، جو چیز معطوف علیہ کے لئے جائز ہوتی ہے وہ معطوف کے لئے بھی جائز ہوتی ہے اور جو چیز معطوف علیہ کے لئے ممتنع ہو وہ معطوف کے لئے بھی ممتنع ہوگی جیسے جاء زيد وعمرو میں زید پر فاعل ہونے کی وجہ سے رفع واجب اور نصب ممتنع ہے تو عمرو پر بھی رفع واجب اور نصب ممتنع ہوگا۔

ومن ثم لم یجز فی مازیدٌ بقائم اوقائماً ولاذاھب عمرو الاالرفع

چونکہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس وجہ سے اس ترکیب میں ذاھبٌ کو مرفوع پڑھنا واجب ہے اس کو بقائمٍ پر عطف کر کے مجرور (یاقائماً پر عطف کر کے منصوب نہیں پڑھ سکتے) کیونکہ اگر ذاھبٌ کو ان پر عطف کر کے مجرور یا منصوب پڑھیں گے تو یہ دونوں صورتوں میں مَا کی خبر واقع ہوتا ہے اور بقائمٍ اور قائماً میں تو ضمیر فاعل موجود ہے لیکن ذاھبٌ میں کوئی ضمیر نہیں، کیونکہ اس کا فاعل اسمِ ظاہر ہے جو عمرو ہے تو چونکہ معطوف علیہ میں ضمیر ہے اور معطوف میں نہیں تو مطابقت نہ پائی گئی، تو اس وجہ سے ذاھبٌ کو ان پر عطف کر کے مجرور یا منصوب نہیں پڑھ سکتے بلکہ ذاھبٌ پر رفع متعین ہے۔ یہ خبر مقدم اور عمرو مبتداء مؤخر ہوگا اور مبتداء خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کر اب اس پورے جملے کا عطف ماقبل جملے پر ہوگا۔

وانما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب لانھا فاء السببیة

یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے

سوال:۔ آپ نے مازیدٌ بقائم اوقائماً ولاذاھب عمرو کی ترکیب کو اس لئے ناجائز قرار دیا تھا کہ وہاں معطوف علیہ میں ضمیر ہے اور معطوف میں نہیں، تو ہم آپ کو ایسی ترکیب بتاتے ہیں جہاں معطوف علیہ میں تو ضمیر ہے لیکن معطوف میں نہیں اس کے باوجود وہ ترکیب جائز ہے جیسے الذی یطیر فیغضب زیدن الذباب میں یغضب کا عطف یطیر پر ہے، حالانکہ یطیر میں ایک ضمیر ہے، جو کہ اسمِ موصول الذی کی طرف لوٹ رہی ہے اور یغضب میں ضمیر نہیں کیونکہ اس کا فاعل اسمِ ظاہر آگے موجود ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب دیئے ہیں (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں پر فاء سببیہ ہے

عطف کے لئے ہے ہی نہیں، تب تو کوئی اشکال باقی نہ رہا، کیونکہ اس طرح ترکیب سبب، مسبب کے قبیل سے ہوگی نہ کہ معطوف معطوف علیہ کے قبیل سے۔

(۲) یہاں پر فاء سبب اور عطف دونوں کے لئے ہے، چونکہ ضمیر ربط پیدا کرنے کے لئے آتی ہے، تو سبب اور مسبب کے درمیان خود ربط ہوتا ہے تو ضمیر لانے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

واذاعطف علی عاملین مختلفین لم یجز خلافاً للفرّاء الافی نحو فی الدار زیدٌ والحجرة عمرو خلافًا لسیبویہ

ایک حرفِ عطف کے ذریعہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں تین اقوال اور مذاہب ہیں (۱) فرّاء کا (۲) جمہور نحاۃ کا (۳) سیبویہ کا

(۱) مذہب فرّاء:۔ فرّاء کے نزدیک دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر دو اسموں کا عطف ایک حرف کے ذریعہ مطلقاً یعنی ہر حال میں جائز ہے اور اس کی امام فرّاء کے پاس دو دلیلیں ہیں۔ (۱) فی الدار زیدٌ والحجرة عمرو کی ترکیب تمام نحاۃ کے نزدیک جائز ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے دوسری تراکیب بھی جائز ہوں گی

(۲) جب ایک عامل کے معمول پر عطف کرنا درست ہے تو دو عاملوں کے معمولوں پر بھی درست ہوگا جیسے ما کل سوداء تمرة والبیضاء شحمة:: (ہر کالی چیز کھجور نہیں اور ہر سفید چیز چربی نہیں) تو یہاں ایک عامل "ما" ہے جو کہ مشابہ بلیس ہے اور دوسرا عامل کل ہے جو کہ مضاف ہے اور سوداء معمول ہے کل کا یہ کل مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ما کا اسم بنتا ہے۔ اور تمرۃ ما کا معمول ہے جو کہ ما کے لئے خبر ہے۔ اب بیضاء کا عطف سوداء اور شحمۃ کا عطف تمرۃ پر ہوگا۔ یہ عطف فراء کے نزدیک جائز ہے دلائل گزر گئے۔

(۲) جمہور نحاۃ کا مذہب:۔ جمہور نحاۃ کے نزدیک دو عاملین مختلفین کے معمولین پر اسمین آخرین کا عطف درست نہیں۔ کیونکہ حرفِ عطف ضعیف عامل ہے جو کہ ایک عامل

کے قائم مقام تو بن سکتا ہے لیکن دو کا نہیں (اور یہ حرفِ عطف عامل کا قائم مقام اس طرح ہے کہ مثلاً آپ کہتے ہیں قام زیدٌ وعمرٌو تو گویا اصل عبارت یہ ہے کہ قام زیدقام عمرو،

فرّاء کے دلائل کے جوابات:۔ فرّاء کی پہلی دلیل (جو اس نے فی الدار زید والحجرة عمرو پر قیاس کیا تھا اس) کا جواب یہ ہے کہ یہ ترکیب خلافِ قیاس عرب سے مسموع ہے اور جو چیز خلافِ قیاس مسموع ہوتی ہے وہ اپنے مورد میں بند ہوتی ہے اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حرفِ عطف عامل ضعیف ہے جو ایک عامل کا قائم مقام تو بن سکتا ہے مگر دو عاملوں کا نہیں اور جو مثال نقل کی ہے وہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔

(۳) مذہبِ سیبویہ:۔ سیبویہ کے نزدیک دو (۲) عاملین مختلفین کے معمولین پر اسمین آخرین کا عطف کسی صورت میں جائز نہیں۔ حتّٰی کہ سیبویہ کے نزدیک فی الدار زید والحجرة عمرو کی ترکیب بھی درست نہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ حرفِ عطف عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا، اور اگر مذکورہ ترکیب کو جائز قرار بھی دیں تو وہاں حرفِ جر تقدیراً ماننا پڑیگا اور تقدیری عبارت یہ ہوگی فی الدارزید وفی الحجرة عمرٌو اور (فی الدارزید والحجرة عمرو) میں دو عامل اس طرح ہیں کہ ایک فیُ حرفِ جر ہے اور اس کا معمول الدار ہے اور دوسرا عامل ابتداء ہے جس کا معمول زید ہے اور الحجرة کا عطف الدار پر ہے اور عمرو کا عطف زید پر۔

فی الدارزید والحجرة عمرو سے مراد:۔ اس عبارت سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں معطوف علیہ میں مجرور مقدم ہو اور اس کا مابعد مرفوع یا منصوب ہو اور معطوف میں بھی ایسا ہی ہو۔ مذکورہ مثال مرفوع کی تھی۔ منصوب کی مثال یہ ہے انَّ فی الدار زیدًا

والحجرة عمرًوا ۔پس اس میں باوجود یکہ ایک حرف عطف کے ذریعہ دو مختلف عاملوں (فی اورابتداء) کے دو معمولوں (الدار اورزید) پردواسموں (الحجرة و عمرو) کا عطف ہورہا ہے لیکن پھر بھی درست ہے۔

التاکید: تابع یقرر امرالمتبوع فی النسبة اوالشمول

تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کے حال کوسامع کے ہاں ثابت کردے نسبت میں یاشمول میں جیسے جاء زیدٌ زیدٌ یہاں پرزید ثانی تاکید ہے جب متکلم نے جاءزید کہہ دیا توسامع کوشک ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ زید نہ آیا ہو بلکہ عمرو آیا ہوتو متکلم نے زید کوتاکیداً ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ عمرونہیں بلکہ صرف زید ہی آیا ہے۔

نسبت کا مطلب یہ ہے کہ تاکید متبوع کی حالت کونسبت میں ثابت کردے کہ وہ نسبت میں منسوب ہے یامنسوب الیہ ان کے علاوہ کوئی اورنہیں۔منسوب کی مثال ضرب ضرب زیدٌ۔منسوب الیہ کی مثال ضرب زیدٌ زیدٌ۔

شمول کا مطلب یہ ہے کہ تاکید یہ بتادے کہ جس حکم کی نسبت اس کے متبوع کی طرف ہورہی ہے وہ حکم اس متبوع کے تمام افراد کوشامل ہے جیسے جاء نی القوم کلھم ۔یہاں پر کلھم تاکید ہے جب متکلم نے جاء نی القوم کہاتوسامع کوشک ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ پوری قوم نہ آئی ہو بلکہ بعض افراد آئے ہوں تو متکلم نے کلھم کی تاکید لاکر یہ بتادیا کہ بعض افرادنہیں بلکہ پوری قوم آئی ہے۔

فوائد قیود:۔تابع جنس ہے دوسرے تمام توابع اس میں شامل تھے لیکن جب یقرر امر المتبوع کہہ دیا تواس سے نعت،بدل اورعطف بحرف خارج ہوگئے،کیونکہ ان میں امر متبوع کی تقریرنہیں ہوتی،اورجب فی النسبة کہاتواس سے عطف بیان بھی خارج ہوگیا، کیونکہ عطف بیان اپنے متبوع کی توضیح کے لئے آتا ہے پس یہ اپنے متبوع کوثابت کرتا ہے

لیکن نسبت اور شمول میں نہیں۔

وهولفظي ومعنويٌّ

تاکید کی دو قسمیں ہیں (۱) تاکید لفظی (۲) تاکید معنوی

(۱) فاللفظي تكرير اللفظ الاول: تاکید لفظی وہ ہے جو لفظ اول کو مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہے جیسے جاء ني زيدٌ زيدٌ۔

ويجري في الفاظ كلها: یعنی تاکید لفظی میں جو لفظ کا تکرار ہوتا ہے وہ ہر لفظ میں جاری ہوتا ہے چاہے وہ لفظ حرف ہو یا اسم ہو یا جملہ ہو جیسے ان ان زيدًا قائم، ان زيدًا زيدًا قائم، ضرب ضرب زيدٌ، ضرب زيدٌزيدٌ، زيدٌقائمٌ زيدٌ قائم وغیر ذلک۔

(۲) والمعنوی بالفاظ محصورة: تاکید معنوی چند الفاظ کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ ذیل ہیں۔ نفس، عين، كلاهما، كل، اجمع، اكتع، ابتع، ابصع۔

فالاولان يعمان

ان الفاظ میں سے نفس اور عين عام ہیں یعنی یہ دونوں مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث سب کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن صیغہ اور ضمیر میں اختلاف ہوگا مثلاً واحد مذکر کے لئے جاء ني زيدٌ نفسهٗ، واحدہ مؤنثہ کے لئے جاء تني هند نفسها۔ تثنیہ کے لئے انفسهما اور جمع مذکر کے لئے انفسهم اور جمع مؤنث کے لئے انفسهن آتا ہے۔ اس پر عین کو بھی قیاس کر لیا جائے۔

والثاني للمثنّٰى: كلاهما تثنیہ کے لئے خاص ہے تثنیہ مذکر کے لئے كلاهما اور تثنیہ مؤنث کے لئے كلتاهما آئے گا۔

والباقي لغير المثنّٰى باختلاف الضمير

باقی پانچ الفاظ یعنی (كل، اجمع، اكتع، ابتع، ابصع) واحد اور جمع کے لئے خاص

ہیں، تثنیہ میں استعمال نہیں ہوتے، لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ لفظِ کل میں صرف ضمیر میں تبدیلی آئے گی صیغے میں نہیں جیسے واحد مذکر کے لئے کلہٗ اور واحدہ مؤنثہ کے لئے کلھا اور تثنیہ کے لئے نہیں آتا اور جمع مذکر کے لئے کلھم، اور جمع مؤنث کے لئے کلھن ہوگا۔ اور باقی چار میں صرف صیغوں میں تبدیلی ہوگی جیسے واحد مذکر کے لئے اشتریت العبد کلہٗ اجمع، اکتع، ابتع، ابصع اور واحدہ مؤنثہ کے لئے جیسے قرأت الصحیفۃ کلھا جمعاء، کتعاء، بتعاء، بصعاء اور جمع مذکر کے لئے جیسے جاء القوم کلھم اجمعون، اکتعون، ابتعون، ابصعون اور جمع مؤنث کے لئے جیسے جاء تنی النساء کلھن جُمَعُ، کُتَعُ، بُتَعُ، بُصَعُ وغیرہ۔

ولایؤکد بکل واجمع الاذو اجزاءٍ

لفظ کل اور اجمع سے اس چیز کی تاکید کی جاتی ہے جس کے اجزاء ہوں یعنی جن کو جدا کر سکتے ہوں یعنی جن میں افتراق ممکن ہو پھر یہ افتراق یا تو حسًّا ہوگا جیسے اکرمت القوم کلھم۔ یہاں پر کل کے ذریعہ قوم کی تاکید لائی گئی ہے اور قوم ذو اجزاء ہے اس کے افراد کو جدا کر سکتے ہیں۔ جیسے قوم میں سے زید کو الگ، بکر کو الگ، عمرو کو الگ کر سکتے ہیں۔ یا یہ افتراق حکمًا ہوگا جیسے اشتریت العبد کلہٗ یہاں غلام کے اجزاء حسًّا تو جدا نہیں کر سکتے البتہ حکمًا کر سکتے ہیں (کیونکہ غلام مال ہے) اس طرح کہ آدھا غلام ایک شخص کا ہو اور دوسرا، دوسرے شخص کا ہو یہ جائز ہے۔

بخلاف جاء زید کلہٗ

جاء زید کلہٗ کہنا درست نہیں کیونکہ زید سے اجزاء کا جدا کرنا نہ حسًّا صحیح ہے اور نہ حکمًا صحیح ہے۔

واذااكد الضمير المرفوع المتصل

جب ضمیر مرفوع متصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ لائی جائے تو وہاں لازمی ہے کہ پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے ورنہ بعض مقامات پر فاعل کے ساتھ التباس لازم آئے گا جیسے اگر ہم یوں کہہ دیں زیداکرمنی نفسه تو التباس لازم آئے گا کہ آیا نفسهٗ اکرمنی کا فاعل ہے یا اکرمنی میں ضمیر فاعل اور نفسهٗ اس کی تاکید ہے اس لئے ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانا ضروری ہے اور اب یوں کہیں گے۔ زید اکرمنی هو نفسهٗ اور اسی طرح ضربت انت نفسک۔

واکتع واخوه اتباع لاجمع

اکتع ،ابتع اور ابصع یہ سب اجمع کے تابع ہیں اس وجہ سے یہ تینوں الفاظ اجمع سے پہلے نہیں آسکتے، کیونکہ تابع متبوع سے مقدم نہیں ہوتا اور ان تینوں کا ذکر بغیر اجمع کے ضعیف ہے کیونکہ متبوع کے بغیر تابع کا ذکر مستحسن نہیں ہے۔

البدل: تابع مقصود بما نسب الی المتبوع دونهٗ

بدل وہ تابع ہے جہاں نسبت سے مقصود وہی تابع ہو نہ کہ متبوع جیسے جاء زیدٌ حمار تو یہاں جاء کی جو نسبت کی ہے اس سے مراد حمار ہے زید نہیں۔

بدل کی چار قسمیں ہیں۔(۱) بدل الکل (۲) بدل البعض (۳) بدل الاشتمال (۴) بدل الغلط۔

(۱) بدل الکل: بدل کا مدلول اور مبدل منہٗ کا مدلول ایک ہو جیسے جاءنی زیدٌ ابوک یہاں ابوک سے مراد بھی وہی زید ہے کوئی اور نہیں۔

(۲) بدل البعض: بدل کا مدلول مبدل منہٗ کے مدلول کا جزء ہو۔ بالفاظِ دیگر بدل مبدل منہٗ کا جزء ہو جیسے ضُرب زیدٌ رأسهٗ اس مثال میں رأسہٗ بدل بعض ہے جو کہ زید یعنی مبدل

منہ کا جزء ہے کل نہیں۔

(۳) بدل الاشتمال : بدل اور مبدل منہ کے درمیان اشتمال کا تعلق ہو یعنی کلیت اور جزئیت کا نہیں بلکہ کوئی اور تعلق ہو جیسے سُلِبَ زیدٌ ثوبہ' یہاں ثوبہٗ، زیدٌ سے بدل اشتمال ہے اس طرح کہ نہ تو ثوب زید کا کل ہے اور نہ ہی جزء بلکہ ثوب کا زید کے ساتھ ایک خارجی تعلق ہے۔

(۴) بدل الغلط : مبدل منہٗ کو غلط ذکر کر کے فوراً بدل کو ذکر کیا جائے جیسے جاء نی زیدٌ حمارٌ یہاں متکلم جاءنی حمار کہنا چاہتا تھا مگر غلطی سے زیدٌ نکل گیا تو فوراً حمارٌ کہہ کر اس غلطی کا تدارک کیا۔

ویکونان معرفتین ونکرتین ومختلفتین

تعریف وتنکیر کے لحاظ سے بدل کی کل سولہ قسمیں بنتی ہیں وہ اس طرح کہ (۱) بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں (۲) دونوں نکرہ ہوں (۳) بدل معرفہ اور مبدل منہ نکرہ ہو (۴) بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو۔ یہ چار قسمیں ہوگئی ہیں۔ یہ چاروں قسمیں بدل کی چاروں قسموں (بدل کل، بعض، اشتمال اور غلط) میں جاری ہوتی ہیں لہٰذا چار کو چار سے ضرب دینے سے کل سولہ صورتیں حاصل ہوگئیں۔

تفصیل کے لئے نقشہ ملاحظہ فرمائیں۔

بدل الکل	بدل البعض
بدل معرفہ مبدل منہ نکرہ: رجل غلام زید	بدل معرفہ مبدل منہ نکرہ: رجل رأسہ
بدل نکرہ مبدل منہ معرفہ: زید غلام لہ	بدل نکرہ مبدل منہ معرفہ: زید رأس لہ
بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ: رجل غلام لزید	بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ: رجل رأس لہ
بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ: زید اخوک	بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ: زید رأسہ

بدل الاشتمال	بدل الغلط
بدل معرفہ مبدل منہ نکرہ: رجل علمہ	بدل معرفہ مبدل منہ نکرہ: رجل حمارہ
بدل نکرہ مبدل منہ معرفہ: زید علم لہ	بدل نکرہ مبدل منہ معرفہ: زید حمار لہ
بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ: رجل رأس لہ	بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ: رجل حمار لہ
بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ: زید علمہ	بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ: زید الحمار

فائدہ:۔ بدل الکل کی دوسری مثال جس میں بدل اور مبدل منہٗ دونوں نکرہ ہیں تو اس میں غلام پر جو تنوین ہے یہ غلام اس کی وجہ سے نکرہ ہے آپ ایسا نہ سمجھیں کہ زید کی طرف اضافت کی وجہ سے غلام معرفہ بنا ہے ایسی بات نہیں۔ اسی لئے زید پر لام بھی داخل کیا ہے کیونکہ یہاں اضافت نہیں۔

واذ كان نكرة من معرفة

اگر مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ ہو تو وہاں ضروری ہے کہ بدل کی صفت لائی جائے جیسے بالناصية ناصية كاذبة اور بدل کی صفت لانا اس لئے ضروری ہے کہ اگر صفت نہ لائیں تو مقصود کا انقص ہونا لازم آئے گا۔ وہ اس طرح کہ بدل اور مبدل منہ میں ہمارا مقصود بدل ہوتا ہے اور معرفہ نکرہ میں معرفہ اعلیٰ ہوتا ہے تو جب مبدل منہ معرفہ اور بدل نکرہ ہوگا تو مبدل منہ جو کہ غیر مقصود ہے اس کا اعلیٰ اور بدل یعنی مقصود کا کمتر اور انقص ہونا لازم آئے گا۔

ويكونان ظاهرين ومضمرين ومختلفتين

ضمیر اور اسمِ ظاہر کے اعتبار سے بھی بدل کی کل سولہ صورتیں بنتی ہیں اور وہ اس طرح کہ یا تو (۱) بدل اور مبدل منہ دونوں اسمِ ظاہر ہوں گے (۲) یا دونوں ضمیر ہوں گے (۳) یا مبدل منہ اسمِ ظاہر ہوگا اور بدل ضمیر (۴) یا مبدل منہ ضمیر ہوگا اور بدل اسمِ ظاہر اور چونکہ یہ چاروں صورتیں بدل کی چاروں قسموں میں جاری ہوتی ہیں۔ اس لئے چار کو چار سے ضرب دینے سے سولہ بن گئیں۔

تفصیل نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بدل کی قسم	مبدل منہ کی حالت	بدل کی حالت	امثلہ
بدل الکل	اسم ظاہر	اسم ظاہر	جاء نی زیدٌ اخوک
	اسم ضمیر	اسم ضمیر	الزیدون لقیتهم ایاهم
	اسم ظاہر	اسم ضمیر	اخوک لقیت زیداً ایاهٗ
	اسم ضمیر	اسم ظاہر	اخوک لقیتهٗ زیداً
بدل البعض	اسم ظاہر	اسم ظاہر	قطعت زیداً یدهٗ
	اسم ضمیر	اسم ضمیر	کسرت زیداًیدهٗ ثم قطعته ایاها
	اسم ظاہر	اسم ضمیر	کسرت ید زیدوقعت زیداً ایاها
	اسم ضمیر	اسم ظاہر	زیدقطعتهٗ یدهٗ
بدل الاشتمال	اسم ظاہر	اسم ظاہر	کرهت زیداً جهالتهٗ
	اسم ضمیر	اسم ضمیر	کرهت زیداًجهالتهٗ و ابغضتهٗ ایاها
	اسم ظاہر	اسم ضمیر	کرهت جهالة زید و ابغضت زیداً ایاها
	اسم ضمیر	اسم ظاہر	زید کرهته جهالتهٗ
بدل الغلط	اسم ظاہر	اسم ظاہر	کرهت زیداً دابةً
	اسم ضمیر	اسم ضمیر	اشتری زیدٌ دابةً کرهتهٗ ایاها
	اسم ظاہر	اسم ضمیر	اشتری زیدٌ دابةً کرهت زیداً ایاها
	اسم ضمیر	اسم ظاہر	زیدٌ کرهتهٗ الدابة

(خادمۃ الکافیہ علی تحریر سنبٹ صفحہ ۲۲۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

(رضی شرح الکافیہ ج ۱ صفحہ ۳۴۰ مطبوعہ کوئٹہ)

ولایبدل ظاهر من مضمر بدل الکل الامن الغائب

جب بدل اسمِ ظاہر ہواور مبدل منہٗ ضمیر ہوتو وہاں پر اسمِ ظاہر اس ضمیر سے اس وقت بدل الکل واقع ہوگا جب ضمیر غائب کی ہو ورنہ درست نہیں، کیونکہ اسمِ ظاہر بمنزلہ غائب کے ہوتا ہے اور جب اسمِ ظاہر بمنزلہ غائب کے ہوا تو ضمیر کا بھی غائب ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں کا یعنی اسمِ ظاہر (بدل) اور ضمیر (مبدل منہٗ) کا مدلول ایک ہوجائے، کیونکہ بدل الکل میں بدل اور مبدل منہٗ کا مدلول ایک ہوتا ہے اور اگر ضمیر متکلم یا مخاطب کی ہوگی تو دونوں کا مدلول ایک نہیں ہوگا اس لئے وہاں پر ضمیر سے اسمِ ظاہر کا بدل الکل واقع ہونا درست نہ ہوگا۔ مثال ضمیر غائب کی جیسے ضربته زیدًا یہاں زیداً ضربتہ کی ضمیر مفعول سے بدل واقع ہے۔

عطف البیان: تابع غیرصفة یوضح متبوعه مثل اقسم بالله ابو حفص عمر

عطفِ بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے متبوع کے معنیٰ کو واضح کرے۔ عطفِ بیان کا اپنے معطوف سے زیادہ واضح ہونا ضروری نہیں بلکہ تابع اور متبوع دونوں ملکر اپنے متبوع کو واضح اور روشن کریں گے۔ جیسے مذکورہ مثال میں ابو حفص مبین یعنی متبوع اور عمر عطفِ بیان ہے۔ حالانکہ یہ صفت نہیں مگر اپنے متبوع کے معنیٰ کو واضح کر رہا ہے۔

پورا شعر یہ ہے۔

اقسم بالله ابو حفص عمر　　　　مامسها من نقب ولادبر

اغفرله ،اللهم ان کان فجر

ترجمہ:۔ ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی ہے کہ اس (میری اونٹنی) کو نقب اور دبر (دو بیماریاں جو اونٹ کو لاحق ہوتی ہیں) نے نہیں چھوا اے اللہ اگر اس سے غلطی ہوگئی ہے

تو اس کی مغفرت فرما۔

فائدہ:۔ ایک دیہاتی نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میرا اونٹ بیمار ہے اور میرا وطن دور ہے اس لئے مجھے اونٹ دیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھوٹا سمجھا اور دوسرا اونٹ نہیں دیا تو وہ دیہاتی جنگل کی طرف یہ مذکورہ شعر پڑھتا ہوا جارہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن لیا تو اس کو بلایا اور اونٹ سے سامان اتار کر دیکھا تو واقعی ویسا ہی پایا جیسا کہ وہ دیہاتی کہہ رہا تھا تو دیہاتی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ذاتی اونٹ بھی دیدیا اور پوشاک دے کر رخصت کیا۔ یہ واقعہ لمبا ہے یہاں مختصراً ذکر کیا گیا ہے

فوائد قیود:۔ تابع جنس ہے اس میں دوسرے توابع بھی شامل تھے مگر جب غیر صفۃ کہا تو صفت اس سے خارج ہوگئی اور یوضح متبوعہ کہا تو اس سے دوسرے توابع بھی خارج ہوگئے۔

وفصله من البدل لفظًا فی مثل انا ابن التارك البكری بشر

عطفِ بیان اور بدل میں معنیٰ کے اعتبار سے فرق واضح ہے۔ کیونکہ بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور عطفِ بیان مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن لفظ کے اعتبار سے کچھ اشتباہ ہوتا تھا تو مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بدل اور عطفِ بیان میں لفظاً بھی فرق واضح ہے جیسے مذکورہ مثال میں۔

یہاں مثل سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں عطفِ بیان کا متبوع معرف باللام ہو اور ایسی صفت کے لئے مضاف الیہ واقع ہو جو خود معرف باللام ہو، اس مذکورہ مثال میں بشر عطفِ بیان ہے اور البکری اس کا متبوع ہے جو کہ التارک کا مضاف الیہ ہے اور التارک صیغہ صفت بھی ہے اور معرف باللام بھی۔ اب اس عبارت میں کوئی اگر یہ کہہ

دے کہ بشر عطفِ بیان نہیں بلکہ بدل ہے تو یہ درست نہ ہوگا، کیونکہ بشر کو بدل ماننے کی صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی التارک بشر (کیونکہ بدل تکرارِ عامل چاہتا ہے) یہ ترکیب جائز نہیں کیونکہ یہ ترکیب الضارب زید کی طرح ہے تو چونکہ الضارب زید کی ترکیب جائز نہیں اس لئے التارک بشر کی ترکیب بھی جائز نہیں اور الضارب زید کی ترکیب کا ناجائز ہونا اضافتِ لفظیہ کی بحث میں تفصیل سے گزرا ہے لیکن اگر عطفِ بیان پڑھیں تو یہ ترکیب درست ہوگی، کیونکہ عطفِ بیان تکرار عامل کا تقاضا نہیں کرتا، تو اس صورت میں عبارت التارک البکری ہوگی جو کہ الضارب الرجل کی طرح ہے، تو چونکہ الضارب الرجل کی ترکیب درست تھی اسی طرح التارک البکری کی ترکیب بھی درست ہوگی۔

یہ شعر مرار اسدی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

انا ابن التارک البکری بشر علیہ الطیر ترقبہٗ وقوعًا

ترجمہ:۔ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو پچھاڑنے والا ہے اس حال میں کہ پرندے اس کے ارد گرد واقع ہو کر اس کی جان نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ترکیب:۔ انا مبتداء ابن مضاف التارک مضاف مضاف الیہ البکری مبین بشر ذوالحال علیہ جار مجرور متعلق فعل محذوف کے لئے الطیر ذوالحال ترقب فعل ضمیر ذوالحال ہ ضمیر مفعول، وقوعا حال، ذوالحال حال ملکر ترقب کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر حال الطیر ذوالحال سے، حال ذوالحال سے ملکر فاعل فعل محذوف کا جس سے علیہ متعلق ہے۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر حال بشر سے۔ ذوالحال حال سے ملکر عطفِ بیان البکری کے لئے۔ مبین عطفِ بیان سے ملکر مضاف الیہ التارک کے لئے۔ مضاف مضاف الیہ سے ملکر مضاف الیہ ہوا ابن کے لئے۔ ابن مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر خبر۔ اس کی کئی اور ترکیبیں ہو سکتی ہیں ہم نے صرف ایک پر اکتفاء کیا ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علينا اصراً كما حملته على الذين من قبلنا، ربنا ولا تحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰنا فانصرنا على القوم الكٰفرين.

ربنا تقبل من انک انت السميع العليم وتب علينا انک انت التواب الرحيم ،وصلى الله على خير خلقه محمد وعلى اٰله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.